

اگست 2014

عنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہر گھر کے لیے

ماہنامہ
خدا

جلد: 36 شمارہ: 8

اگست 2014

قیمت: 60 روپے

مدیر اعلیٰ : سر ارم محمود

مدیر : سر ارم شاہر محمود

نائب مدیر : تسنیم شاہر

ارم طارق

ربیعہ شہزاد

عائشہ راشد

مدیرہ خصوصی : فوزیہ شفیق

قانونی مشیر : سر ارم طارق محمود

(ایڈووکیٹ)

آرٹ اینڈ ڈیزائن : کاشف گوریجاہ

اشتہارات : خالدہ جیلانی

0300-2447249

برائے لاہور : افراغلی نازشر

0300-4214400



بندِ حلالہ الرحمن الرحیم



تم آخری جزیرہ ہو ام مریم 28

اک جہاں اور ہے سدرۃ المنتہی 146



گواہ رفاقتوں کا سباجاویہ 54



سر پرانز عز و خالد 85

تم ملو تو عید ہو تاراؤ 109

عید سر پرانز قرقاعین رائے 137

محبت زندگی کا استعارہ تیراخان 184

لغزش سیمابنت مامم 220



سوقِ مسیم تارنی 7

پاشِ رسولی 7

پیار نبی کی پیاری باتیں سید اختر ناز 8



محبت بنا کچھ درکار نہیں ابنِ انشا 12



یادیں سنبھال رکھتے ہیں نوریہ شفیق 13



کاسہ دل سندس نہیں 168

عید سے پہلے روینہ سعید 88

پت جھڑ سنگ بہار میر عثمان گل 116

تیرے بنا عید کیا حسین اختر 198

سرورِ طاہر محمود نے نواز پر خٹک پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ 11، ہور سے شائع کیا۔
 خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: **ماہنامہ حنا**، جلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
 اردو پتہ: قراول ہور، فون: 042-37321690، 042-37310797، ای میل ایڈریس،
 monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

عید مبارک



- 230 کتاب نگر سے بی بی کرن
237 حاصل مطالعہ قریم پور
240 بیاض تنہا طاہر
243 رنگ حنا بقیس بی بی
248 میری ڈائری سے ساندھو
چٹکیاں شادی شاہ
227 حنا کی محفل عین عین
246 حنا کا دسترخوان افراح طارق
251 کس قیامت کے یہ نامے نور پشیم
254 مہندی کے ڈیزائن اوارہ
235

☆☆☆

اختیار و آزادی نامہ ہمارے ہمارے حقوق محفوظ ہیں۔ جیسا کہ تحریر کی اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی،
تاریخ یا حوالہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی فی وی پی پی پی یا دیگر ذریعہ سے۔
ہر ملے دار کے طور پر کسی بھی شکل میں نقل کیا جاسکتا ہے، بغلاف و برزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔



قارئین کرام! اگست 2014 کا شمار بطور غیر نمبر پیش ہے۔

اسرائیل نے غزہ کی پٹی میں منظم فلسطینیوں پر مظالم کے جو پہاڑ توڑ ڈالے ہیں اور جس طرح بے گناہ شہریوں کو شہید کر رہا ہے۔ اس نے عالم اسلام کی اس میدان کو بوزگ کر دیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان مسیبت کی اس گھڑی میں اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہیں مگر اقوام متحدہ، انسانی حقوق کی طلبہ دار تنظیموں اور اہل مغرب کا اجتماعی ضمیر اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کر رہا۔ مفہوم حدیث ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جب ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

لیکن امت مسلمہ خود اس قدر منتشر اور منقسم ہے کہ مستقبل قریب میں اس کے یکجا ہونے کے امکانات معدوم ہیں۔ تمام اسلامی ممالک اپنے اپنے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ عالمی سامراج نے انہیں ایک دوسرے کا حلیف بنائی ہوئے حریف بنا دیا ہے۔

اسلامی ممالک کی آرمڈ نیشن سے امید تھی کہ وہ اس معاملے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمان ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرے گی۔ مگر اب وہ ایک غیر فعال تنظیم بن گئی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری نہیں تو غیر سرکاری سطح پر باہتمام مسلم تنظیموں کا کوئی ذریعہ نکالیا جائے جو عالمی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے موثر اقدامات کرے تاکہ پوری دنیا کے باشندوں انسان اس ظلم کو روکنے کے لئے اکٹھے ہو کر عالمی طاقتوں پر مسلہ فلسطین کے مستقل حل کے لیے باؤ ڈالیں۔

اس شمارے میں صبا جاوید کا ناول، روبینہ سعید، امیرا عثمان گل، سندس جیسے نوجوان قلمیین اختر کے ناول، عزا خالد، ہمارا داتا قرآن، امین رائے، امیرا خان اور سیما بخت، ماسم کے افسانے، ام مریم اور سدرہ القحطانی کے سلسلے وارناووں کے علاوہ مٹا کے ابھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

مید نمبر 2: سہاس گل، مسباح نوشین، حاجی ناز، مرثا احمد، فرقان طاہر، یکمیں کران، شعیبہ بیٹ اور خالدہ ثانی کی تحریریں دیر سے موصول ہوئیں جس کی بنا پر عید نمبر 1 میں شائع نہ ہو سکیں تھیں۔ یہ شمارہ نمبر 2، 2014ء جس میں ان تمام مصنفین کی تحریریں شائع ہوں گی۔

آپ کی آرا کا غلط

مرزا محمود



ہم کو جو کچھ خدا سے ملتا ہے
دست خیر لودہائی سے ملتا ہے
جس کو ایمان لوگ کہتے ہیں
الت مصطفیٰ سے ملتا ہے
ہر بھلائی کا راستہ ہم کو
آپ کے نقش پا سے ملتا ہے
آدی کو مقام قرب خدا
ورد صلے علی سے ملتا ہے
اس کو ملتا ہے لوح لافانی!
جو جیب خدا سے ملتا ہے
سیرت مصطفیٰ میں اے اعجاز
حسن خلق ابتدا سے ملتا ہے

اعجاز رحمانی



گھٹن میں ہر جگہ تیرا رنگ بھل دیکھا
ہر روپ ہر طرح سے تیرا بے مثل دیکھا
تو ضوفاں ہے چاند ستاروں میں رات کو
نور شید میں درخشاں تجھے ذوالجلال دیکھا
تجھ کو تو اس گہری بھی پکارا ہے المدد
جب بھی غم زلی سے برا اپنا حل دیکھا
دیا کرم کا جوش میں چھلکے ہے ہر طرف
پھیلا ہوا جو تو نے بھی دست سوال دیکھا
فلت پہ تیری پائنتہ وہیں ایمان ہو گیا
پتھر میں جب کرم کو بھی فیض کمال دیکھا
سراب نے جب حمد کے موتی لٹائے ہیں
در رحمتوں کا اس پہ کھلا بے مثل دیکھا
تویر پھول

ماہنامہ حنا (7) اگست 2014



سنن ابن ماجہ حدیث: 1413 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

بیت المقدس کی مسجد میں نماز کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ خاتون حضرت میمونہ بنت سعدؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں مسئلہ بتا دیجئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”وہ حشرِ شرکیہ سرزمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھا کرو کیونکہ اس جگہ میں ایک نماز پڑھنا کسی اور جگہ ہزار نمازوں پر پڑھنے کی طرح ہے۔“

میں نے عرض کیا۔ ”یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سفر کر کے وہاں جانے کی طاقت نہ ہو؟“ (تو کیا کروں؟) فرمایا۔

”اس مسجد کے لئے تیل بھیج دو جس سے اس میں چراغ جلائے جائیں جس نے یہ کام کیا، وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو (زیارت کے لئے) وہاں گیا۔“

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔

”ایسا فیعلہ جو اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو۔“

مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔“

فوائد و مسائل:-

دنیا میں سب سے افضل مسجدیں تین ہیں، مسجد حرام جس کے اندر خانہ کعبہ ہے، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ، اس لئے ان تینوں مسجدوں کی زیارت کے لئے اور وہاں عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے، ان کے علاوہ کسی بھی مقام، مسجد، حجاز وغیرہ کی طرف اس نیت سے سفر کر کے جانا جائز نہیں کہ وہاں عبادت کا ثواب زیادہ ہو گا کیونکہ قبرستان میں تو نماز پڑھنا منع ہے اور دوسری تمام مساجد کا ثواب برابر ہے، لہذا سفر کا فائدہ نہیں، البتہ مسجد قباء کی فضیلت بھی دیگر احادیث سے ثابت ہے، اس لئے یہ چوٹی مسجد ہے جس کی مدینے میں ہوتے ہوئے زیارت کے لئے جانا مستحب ہے۔

مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ملے، اس لئے جب مدینہ شریف جانے کا موقع ملے تو زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس میں چالیس نمازیں پوری کرنے کی شرط نہیں۔

بعض روایات میں مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر آیا ہے، مثلاً

(مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔

فائدہ:-

کسی اور مسجد، قبر، پہاڑ یا غار وغیرہ کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا زیارت کے لئے جانا ممنوع ہے، صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے، حجاج کرام کو چاہیے کہ جب مکہ سے مدینہ جائیں تو نیت مسجد نبوی کی ہونی چاہیے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی، کیونکہ قبر کی نیت سے سفر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”کجاوے کس کر سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام کی طرف، مسجد اقصیٰ کی طرف اور میری اس مسجد کی طرف۔“

فائدہ:-

زیارت کے لئے سفر صرف ان تین مساجد کی طرف جائز ہے، اس کے علاوہ کسی جائز مقصد کے لئے سفر کر کے کسی بھی مقام پر جانا جائز ہے، مثلاً حصول علم کے لئے جہاد کے لئے علماء و صلحاء سے ملاقات کے لئے اقارب اور احباب سے ملاقات کے لئے یا تجارت اور ملازمت کے لئے اسی طرح جو شخص مدینہ میں موجود ہے تو وہ مسجد قباء میں جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ سفر نہیں۔

مسجد قباء میں نماز کی فضیلت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت اسید بن ظہیر انصاری سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”مسجد قباء میں ایک نماز ایک عمرے کے برابر ہے۔“

فوائد و مسائل:-

مسجد قباء وہ مسجد ہے جو ہجرت کے بعد سب

”ایسی بادشاہت جو ان کے بعد کسی کے

شایان نہ ہو۔“

”جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے آئے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہو جائے جس طرح اس دن (گناہوں سے پاک) تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”دو چیزیں تو انہیں مل چکیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی مل ہی گئی ہے۔“

فوائد و مسائل:-

اللہ کے فیصلے کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ملے اور ان سے اجتہاد کی غلطی نہ ہو۔

پہلی دو درخواستوں کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے، ارشاد ہے، ترجمہ:- ”ہم نے اسے حکمت دی اور بات کا فیصلہ کرنا۔“ نیز ارشاد ہے۔ ترجمہ:- ”انہوں نے کہا، اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو، بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے، چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی اور ہر عمارت بنانے والے غوطہ خور شیاطین (جنات) کو بھی (ان کے ماتحت کر دیا)، اور دوسرے (جنات) کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔“

اس حدیث میں بیت المقدس کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثواب کی نیت

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

”کجاوے کس کر صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے، مسجد حرام، میری یہ مسجد

ماہنامہ () اگست 2014

تاکہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو سکیں اور آپ کا خطبہ (اچھی طرح) سن سکیں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"ہاں۔"

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (منبر کے) تختہ درجے بنا دیے، وہی (تین میٹر حیاں) اب (موجود) منبر کا سب سے بالائی حصہ ہے۔

جب منبر تیار ہو گیا تو صحابہ کرام نے اسے اسی مقام پر رکھا جہاں وہ اب ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر منبر پر جانے لگے تو اس تختے کے پاس سے گزرے جس سے ٹیک لگا خطبہ دیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے آگے بڑھے تو وہ زور زور سے رونے لگا حتیٰ کہ (شدت غم سے) اس کی آواز پھٹ گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنے (کے رونے) کی آواز سنی تو (منبر سے) نیچے تشریف لے آئے، اس (تختے) پر ہاتھ پھیرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر منبر پر تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب مسجد نبوی کو (دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے) مہندم کیا گیا اور مسجد کی عمارت میں تہہ بلی (اور توسیع) کی گئی تو وہ تہہ حضرت ابی بن کعبؓ نے لے لیا، وہ ان کے پاس ان کے گھر ہی میں رہا، حتیٰ کہ بہت پرانا ہو گیا پھر اسے دیوید نے کھالیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

نوائد مسائل:-

خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون خطبہ منبر پر دینا چاہیے۔

بڑھتی کا پیشہ ایک جائز پیشہ ہے۔

سے پہلے تعمیر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچنے سے پہلے چند روز قباء تشریف فرما رہے اور وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ میں ایک بار وہاں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مدینہ میں قیام کے دوران میں مسجد قباء کی زیارت کے لئے جانا چاہیے تاکہ عمرے کا ثواب حاصل ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی مل جائے۔

جامع مسجد میں نماز کا ثواب

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے برابر ہے اور اس کا قبیلے (یا محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔"

سب سے پہلے منبر کیسے بنانا؟

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

جب مسجد نبوی ایک چھپر کی صورت میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک تنے کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، ایک صحابی نے عرض کیا۔

"کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دیں جس پر آپ جمعہ کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوا کریں

ماہنامہ حنا (۱۱) اگست 2014

اب اتباع اور محبت کا تقاضا ہے کہ اس نیکی میں آخر تک ساتھ دیا جائے، اس لئے بیٹھ جانے کو انہوں نے برا سمجھا کہ یہ محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا، حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوچ گئے، عرض کیا گیا۔“

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں (پھر آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں؟)“

فرمایا۔
”کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟“
نوائے مسائل:-

مغیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے گا تو اس کو پہلے سے معاف کرنے کا اعلان کر دیا گیا، اس سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقام کا اظہار ہے یا ”گناہ“ سے مراد وہ اعمال ہو سکتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی تفصیلت کی بنا پر افضل کام کو چھوڑ کر دوسرا جائز کام اختیار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اعلا مقام دے تو اسے چاہیے کہ شکر کا زیادہ اہتمام کرے۔
شکر کا بہترین طریقہ عبادت میں محنت کرنا ہے، خصوصاً نماز اور تلاوت قرآن مجید میں، نماز تہجد میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔



نماز باجماعت میں امام اگر مقتدیوں سے بلند مقام پر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نماز کے دوران کسی ضرورت سے پیچھے ہٹنے یا آگے بڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

منبر پر کھڑے ہو کر جماعت کرانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اچھی طرح نماز کا طریقہ دیکھ اور سمجھ لیں۔

نماز میں لمبا قیام کرنے کا بیان

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

”ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز (تہجد) پڑھی، آپ اتنا عرصہ کھڑے رہے کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کر لیا، (ابوہائل) فرماتے ہیں۔

میں نے کہا۔

”وہ کون سا کام تھا؟“

فرمایا۔

”میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑا رہنے دوں۔“

نوائے مسائل:-

نماز تہجد باجماعت جائز ہے نماز تہجد میں طویل قرأت افضل ہے

شاگردوں کو تربیت دینے کے لئے ان سے مشکل کام کروانا جائز ہے، اگرچہ اس میں مشقت ہو۔

استاد کا خود نیک عمل کرنا شاگردوں کو اس کا شوق دلانا اور ہمت پیدا کرنا ہے۔

صحابہ کرامؓ نیکی کا اس قدر شوق رکھتے تھے کہ افضل کام کو چھوڑ کر جائز کام اختیار کرنے کو انہوں نے ”برا کام“ قرار دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا تھا،

ماہنامہ حسنا (۱۱) اگست 2014

سچ سچ بنا کچھ درکار نہیں

وہ دوست جنہوں نے من میں مرے
مرے درد کا پودا بویا تھا

وہ دوست تو رخصت ہو بھی چکے
اور بار غم دل ساتھ مرا

اب چارہ گرد کچھ بولو نہیں
ان باتوں سے اب تمہیں حاصل کیا

مرے دوست تو شہد کے گھونٹ پیچے
تجھے تلخ مرے کا پتہ ہی نہیں

ترے دوست تو ہوں مے جلو میں ترے
ترا دل تو مگر ہے غموں کا امں

تجھی جو اجنبی لوگ ہیں ان کی بتا
تجھی ان کو بھی یاد کر کے گا کہیں

کبھی طرز سے پوچھیں مے اہل جہاں
ترے دوست کا ہاتھ کہاں ہے بتا

مگر اہل وفا تو جھپکتے نہیں
جہاں سر پہ چمکتی ہے تنگ حنا

بڑے ناز سے دیتے ہیں سر کو جھکا
نہیں مانگتے کچھ بھی اجل کے سوا



عید کی رسمیں اور عادات

عید کا دن رنگوں، خوشبوؤں اور خوشیوں سے عبارت ہے یوں تو عید کے کتنے ہی رنگ ہیں، لیکن عید کا اصل اہتمام خواتین اور بچوں کا ہی ہوتا ہے، گھر کی آرائش و زیبائش عمدہ اور لذیذ کھانوں کی تیاریاں اور مہمان داری سے لے کر سچے سنور نے تک خواتین ہی سرگرم نظر آتی ہیں۔ اسی مناسبت سے عید کے اس پر سرت مولج پر ہم نے مصنفین سے عید سروے کیا آئیے دیکھتے ہیں انہوں نے کیا جواب دیے ہیں۔

عید سروے کا سوال تھا۔
آپ ہر سال عید کے موقع پر خصوصی اہتمام اپنے لئے، اپنے دوست احباب کے لئے کرتی ہوں گی ہمیں اس کی تفصیل لکھ کر بھجوا میں؟

ہے، بڑی سسٹر ناظرہ کا حال بھی مجھ سے کچھ الگ نہیں لیکن پھر بھی جب بھی عید یا کسی شادی بیاہ کی تقریب پر دل سے تیار ہوتے ہیں تو خوب خوب تعریف سننے کو ملتی ہے ہر ایک سے، خیر اپنے چھوٹے بھائیوں اور بابا جانی کے لئے عید کی اپیشل تیاری کرنے کا بہت مزہ آتا ہے اور بھائیوں، آپوں، بھانجیوں، بھتیجیوں اور بھتیجیوں کی ہر چھوٹی چھوٹی چیز پسند کرنے میں ہم پیش پیش ہوتے ہیں، ڈریس ڈیزائننگ سے لے کر ہیر پن تک کی بچوں کی تیاری ان کی پسند کے ساتھ اب تک مکمل کر لی گئی ہے ہم عمر کزنز تو ہمارے نہیں ہیں زیادہ لیکن بھانجے، بھتیجے اور بھانجیوں وغیرہ جو کہ ہم سے بھی بڑے لگتے ہیں ماشا اللہ مل کر خوب ہلہ گلہ اور انجوائے کرتے ہیں، بڑوں کی تیاری ابھی باقی ہے، روزے اس بار چونکہ گرمیوں کے ہیں اور بھانجے بے حد مشکل تو جن جن حضرات نے روزے پورے کیے ہیں وہ تو یقیناً عید کی خوشیوں کے مستحق ہیں اور ہم

عالی ناز..... گوجرانوالہ

عالی ناز کی طرف سے بہت بہت عید مبارک، عید کے اس پر سرت مولج پر حنا میں عید سروے کے ذریعے آپ سب سے ملاقات کر کے عید کی خوشیاں اور بھی دوہالا ہو جاتی ہیں، اس بار سروے میں سوال کیا گیا ہے کہ عید پر ہم نے اپنے یا دوست عزیزوں کے لئے کیا خصوصی اہتمام کیا ہے؟ تو جناب میں ایسی بات آپ کے ساتھ شیئر تو نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب چونکہ آپ غیر نہیں رہے سو آپ سے کیسا پردہ؟

تو سنئے جب سے میری ماما اور جوان بھائی کی آل سوٹ ایک ساتھ ڈھنڈھ ہوئی ہے تب سے اب تک سات سالوں میں ہم نے اپنے میں نے اپنے لئے خصوصی اہتمام کرنا بھی کیا ہے؟ کیونکہ نہ تو مجھے لڑکیوں کی طرح میک اپ، گھڑے، گولڈ جیولری یا ڈریسز وغیرہ کے ذریعے سچے سنورے کا قطعی کوئی شوق ہے اور نہ ہی گرلز کی طرح ناز و انداز آتے ہیں بلکہ بوائےز کی طرح سادہ رہنا زیادہ پسند

ماہنامہ حنا (13) اگست 2014

خوشیوں کے کسی بھی موقع پر ماما اور بھائی یاد نہ آئے یہ کیسے ممکن ہے؟ ان کے بغیر ہر خوشی نامکمل اور ادھوری سی لگتی ہے لیکن خیر جو نعمتیں اور رشتے اللہ تعالیٰ نے اب بھی ہمیں نواز رکھے ہیں میں انہی پر اس کی بے حد شکر گزار ہوں اور خوش بھی، خدا ہم سب کی خوشیوں کو دو بالا کرے اور ہمیں اپنا شکر گزار بنائے رکھے، آمین۔

تقسیم اختر..... فیصل آباد

سب سے پہلے آپ سب کو دل کی بے پناہ گہرائیوں سے بہت بہت عید مبارک، نوزیہ آپنی ہر بار سوالوں کے جوابات کے لئے گھیر لیجی ہیں اور پھر اتنی محبت سے گھیرتی ہیں کہ بندہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی محبت کے جال میں پھنس جاتا ہے، حالانکہ اس بار میری کوشش تھی کہ میں ان کی پکڑ سے باہر ہی رہوں کیونکہ عید اتنی گرمی اور جس کے موسم میں آرہی ہے کہ کچھ بھی خاص کرنے کو دل نہیں چاہ رہا، پھر خاص کیا نکلوں کیا بتاؤں۔ بہر حال بس اتنی تیاری کی ہے کہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے اپنے لئے اور بچوں کے لئے شاپنگ کر لی ہے (ہاں بچوں کے ابا کے لئے بھی) بس ایک دن ہی بازار گئی تھی اور اتنی خواری ہوئی اتنی گرمی لگی کہ دوبارہ بازار آنے سے اس موسم میں توبہ کر لی، بس جو رہ گیا اس کے لئے یہی سوچا ہے کہ کسی بھی قریبی مارکیٹ سے لے لوں گی۔

رقی مات مہندی اور چوڑیوں کی، ان کے بغیر اور کسی کی عید ہو جالی ہو میری نہیں ہوتی، عید کے موسم کے علاوہ عام دنوں میں بھی میں اکثر ہی مہندی اور چوڑیوں کی شاپنگ

سب گھر والے ماشاء اللہ روزے پورے رکھ رہے ہیں اس لئے کم از کم ایک ایک ایکسٹرا چیز تو اپنی پسند کی لیں ہی لیں گے اس سال، اس کے علاوہ گھر کی سینک چینج کی ہے اور صفائی ستھرائی پر عید کی تیاری کے نام کی مہر لگا کر بالخصوص توجہ دی گئی ہے، عید کے روز آنے والے مہمانوں کو کیا کیا سرو کیا جانا چاہیے اس کی فہرست ابھی نہیں بنی البتہ گھیر یا کوئی اور میٹھی چیز صبح ہی صبح یا پھر چاند رات کو ہی بنا کر رکھنی ہے یہ ضرور دو ہرانی رتی ہوں ذہن میں۔

ہائے اللہ، عید کے دن جس قدر مہمان ہمارے گھر آتے ہیں ماشاء اللہ ان کا سوچ سوچ کر ابھی سے ایڈوائس میں ہی تھکاوٹ ہونے لگی ہے، ابھی تو رمضان المبارک کا یہ پہلا عشرہ ختم ہو رہا ہے جیسے جیسے عید کے دن قریب آتے جائیں گے ہماری تیاریاں جو کہ نا چاہتے ہوئے بھی بڑھتی ہی جاتی ہیں اور عید کا دن مکمل ہو جانے تک نامکمل ہی رتی ہے ان میں بھی زور و شور سے اضافہ ہوتا جائے گا، ہماری مصروفیات کا تو قصہ نہ ہی چھیڑے گھریلو امور کی اسی فیصد ذمہ داری مابدولت کے کھاتے میں آتی ہے، لیکن پھر بھی اس عید پر ہم اپنی، گھر کی اور کھانے پکانے کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کے نئے تعمیر شدہ گھر کی تیاریوں میں بھی بے حد بڑی ہیں، ہر سال کی طرح یہ عید بھی بہت سی مصروفیات، خوشیاں اور بہت سے اپنوں کا ساتھ لائے گی لیکن ہر بار کی طرح ماما اور بھائی کی یاد ان سب چیزوں پر حاوی ہو کر ہمیں بے حد رلائے گی، عید خوشیوں کا تہوار ہے اور

ماہنامہ حنا (۱۴) اگست 2014

خود کھاتے ہیں دوسروں کو کھلاتے ہیں، محبت کرتے ہیں محبت بانٹتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اس مختصر سے سوالنامے کے ساتھ اجازت دیں، اس امید پر کہ آپ سب دوستوں، محبت کرنے والوں، چاہنے والوں کی عیدیں بے حد و حساب خوشیوں میں گزریں، بہت سی دعاؤں اور محبت کے ساتھ خدا حافظ۔

مصباح نوین.....جھنگ

سب سے پہلے قارئین کو اور حنا شاف بالخصوص نوزیہ شفیق کو رمضان المبارک اور عید کی ایڈوانس مبارکباد قبول ہو، پیار بھری دھونس اور مان کے ساتھ ملنے والا فوزیہ آلی کا میج، کہ عید سروے میں تمہاری شرکت یقینی ہوئی چاہے سروے لکھ کر فوراً بھیجو، میں نے فوراً کہا جی آلی ضرور، آپ کا حکم سر آنکھوں پر (کہ آپ کی محبت سے انکار ممکن نہیں ہوتا) تھوڑی دیر بعد ان کا دوسرا میج موصول ہوا، شکریہ مصباح، ایک عدد افسانہ بھی، اب میں رونے والی ہو گئی تھی نہ ٹال سکتی تھی نہ صفا چٹ جواب دے سکتی تھی کیونکہ مقابل نوزیہ آلی تھیں، مرتا کیا نہ کرتا حامی بھری کہ کوشش کروں گی، فوزیہ آلی کو مصروفیت کی وجہ سے بتلائی مگر انہوں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی، افسانہ تو لازمی چاہیے۔

خیر پچھلی عید پر بھی بے پناہ مصروفیت تھی اور اس بار بھی ایک برس کا عرصہ گزر گیا مگر میری مصروفیت میں الحمد للہ اضافہ ہی ہوا اور یہ بہت خوش آئند بات ہے میرے لئے کیونکہ اب میں بہت جلد انشاء اللہ چینلو پر اپنی دھاک بٹھانے والی ہوں۔

گھر کی زیبائش و آرائش پر اس عید مجھے کوئی

کرتی رہتی ہوں اس لئے اور کچھ خریدوں یا نہ خریدوں مہندی اور چوڑیاں اپنے لئے، اپنی بیٹی ایشل کے لئے اور ہانی لوگوں کے لئے بھی ضرور خریدوں گی اور پھر چاہوں گی کہ وہ ان کو محبت سے استعمال بھی کریں۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں خدا نے مجھے بیٹی دی ہے اس لئے ہے کہ میں اس کے لئے مہندی، چوڑیاں، مکیڑے اور جیولری خریدتے نہ تھکوں، وہ بھی ماں کی طرح ان چیزوں کی بہت شوقین ہے ساڑھے تین سال کی عمر میں ہی اسے ان سب چیزوں کا جنون ہے اور پہننے کا سلیقہ بھی، نت نئے ڈیزائن کی ٹینیں، ریز اور ہیئر کچر کیسے انہیں بالوں میں سجاتا ہے اور پھر کیسے سنبھال کر رکھتا ہے اپنی یہ چیزیں کسی کو نہیں دینا وہ سب جانتی ہے اور خوب جانتی ہے۔

رہ گئی گھر کی آرائش و زیبائش تو وہ وقتاً فوقتاً جب بھی موقع ملے پورے رمضان المبارک میں ہی چلتی رہتی ہے، کیونکہ سارا دن آفس میں گزرتا ہے اس لئے جتنی بھی بھاگ دوڑ گھر کے لئے ہوتی ہے بس چھٹی والے دن ہی ہوتی ہے۔

اب آ جاتے ہیں چٹ پٹے پکوان کی طرف، جہاں بات ذائقوں کی آ جاتی ہے وہاں سے میرا کام شروع ہوتا ہے، مصروف رہنے کے باوجود جاب کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے ہر قسم کا کھانا پکانا آتا ہے، میں جھکتی ہوں ایک لڑکی کتنا بھی بڑھ لکھ کیوں نہ جائے جس مرضی سیٹ پر پہنچ جائے مگر اپنا کچن اسے آپ ہی سنبھالنا پڑتا ہے، میں بھی عید پہ پلاؤ بریانی، چکن فورمہ، باربی کیو کی قسم کی چاٹ، کباب وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتی ہوں،

ماہنامہ حنا (15) اگست 2014

دی جاتی ہے، اسوہ کو ہر چیز پر ٹیکٹ چاہیے
بالوں کی پن سے لے کر شوژ تک حتیٰ کہ نیل
پالش بھی سیم کلر کی، سو اس کی ساری تیاری
میں بہت بہت شوق سے کرتی ہوں اور پھر
وہ سب کو جا کر دکھاتی ہے تو بہت تعریفیں بھی
وصول کرتی ہے، میری جیٹھانی فریج پھپھو
اور ایمان میں اسوہ کی جان ہے، سو گاڑی
سے اترتے ہی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے
کہ وہ جا کر آنتی فریج اور ایمان آلی کو اپنی
شاہنگ دکھائے، حذیفہ نے بھی بہن کی
تقلید کرنی ہوتی ہے، سب بچے ایک ساتھ
ہمارے گھر اکٹھے ہو جاتے ہیں اپنی اپنی
تیاری دکھاتے ہیں بچوں کی معصومیت، خوشی
اور چہکار مجھے اپنا بچپن یاد دلاتی ہے، جب
میرے بچے راتوں کو اٹھ اٹھ کر بار بار نکال
نکال کر اپنی شاہنگ دیکھتے ہیں تو مجھے وہی
بے فکری کا زمانہ یاد آتا ہے جب ہم بھی ایسا
ہی کیا کرتے تھے۔

چاند رات کو تمام کزنز مہندی لگاتی تھیں ہمیں
چٹکے ہاتھ جگت بازی کیا کیا نہیں کرتی
تھیں، بس مزہ ہی مزہ تھا اور بے فکری ہی
فکری۔

امی مزے مزے کے پکوان بناتی تھیں اور ہم
کھا پا کرتے تھے آج بھی شادی کے پانچ
برس گزرنے کے باوجود بھی میٹھا ہمیشہ امی
کے گھر سے بن کر آتا ہے، میں نے کبھی نہیں
بنایا کھیر ہمیشہ وہی بنا کر بھجھتی ہیں اور کیا کمال
کی بناتی ہیں۔

پکوان اس دفعہ بھی کافی سارے بناؤں کی
خاص میں ارادہ ہے کہ اگلے ہوئے قصبے کے
کباب بناؤں اور روسٹ میرا بہت زیادہ
پسند کیا جاتا ہے میرے بھائی اور بہنوں نے

توجہ نہیں اپنی کیونکہ ابھی ایک ماہ پہلے میں
پورے گھر کو وائٹ ریش کروانے کے ساتھ
فرنیچر کی بھی تھوڑی بہت ترمیم کی ہے،
پردے چھینج کیے کچھ کارپس اور پلاسٹک
فینس خرید کر بچھائے ہیں، سو گھر بہت
خوبصورت ہو گیا ہے اور شاہنگ بھی اس بار
میں نے بہت ڈھیر ساری کی ہے، چونکہ اس
مرتبہ عید گرمیوں میں آ رہی ہے اور وہ بھی
شدید گرمی میں سو، کافی سارے جوڑے
ابھی تک ہنگرز میں لٹکے ہوئے ہیں کہیں جانا
نہیں ہوا اور وہ استعمال نہیں ہوئے سو شاید
عید کا جوڑا نہ بناؤں، مگر یہ بھی ناممکن سی بات
ہے کہ عید ہو اور میں مکمل اور بھرپور تیاری نہ
کروں، دل اس بات پر بھی نہیں مانتا، عید کی
شاہنگ ہم میاں بیوی اور بچے ایک ساتھ جا
کر کرتے ہیں عید سے چند دن پہلے، پھر کھانا
وغیرہ بھی باہر کھاتے ہیں بہت مزہ آتا ہے
آؤنگ بھی ہو جاتی ہے اور شاہنگ بھی اور
مزے کی بات پچھلی دفعہ بہت پیارا تھوڑ
سر پرانگ تھوڑ مجھے میرے شوہر کی طرف
سے ملتا تھا اور جوانیوں نے گھر آنے کے بعد
مجھے دیا تھا اور قارئین حیرت کے مارے میرا
منہ کھل گیا تھا اس وقت، تھا تو وہ عام اور
روٹین میں استعمال کرنے والا پروڈکٹ مگر
میرا سب سے مہنگا پروڈکٹ تھا جو ختم ہو گیا
تھا اور زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے میں نے
دو بارہ خرید ابھی نہیں تھا مگر میرے ہر جینڈ کو
معلوم تھا کہ یہ مجھے پسند ہے اور وہ انہوں
نے عید کے تحفے کے طور پر مجھے دیا تھا، پچھلی
عید اس لحاظ سے یادگار بھی دعا کریں کہ اس
مرتبہ پھر وہ ایسا ہی کریں۔

اسوہ اور حذیفہ کی تیاری پر بہت زیادہ توجہ

ماہنامہ منا (16) اگست 2014

تو یہاں تک کہہ دیا کہ بڑے بڑے ہوٹلز کے
شیف بھی اتنا عمدہ کھانا نہیں بنا سکتے جتنا
مصباح بناتی ہے، بہنوئی نے تو میری بہن
مہرین کو یہاں تک کہہ دیا، کہ تم مر کر بھی
مصباح جیسا روشت نہیں بنا سکتی ہو (لوجی
کر لو گل اللہ بھرم رکھ ہی دیا کرتا ہے) چلیں
آج اسی کی ترکیب لکھ رہی ہوں آپ بھی بنا
کر داد وصول کیجئے گا۔

اشیاء
چکن

لیہوں کا پانی
نمک

ثابت مرچیں سرخ

پسی کالی مرچیں

چائیز سالٹ

سفید زیرہ

سوکھا دھنیا

لبسن اور ک پیٹ

ترکیب

حسب ضرورت

آدھا کب

حسب ذائقہ

پس سے پھیں

چنگلی بھر

چنگلی بھر

آدھا چچ

آدھا چچ

کم از کم پانچ چچ

چکن کو دھو کر نیچوڑ کر کٹ لے لیں اور تھوڑا سا
نمک اور لیہوں ان پر لگا کر رکھ دیں، لبسن اور ک
کا پیٹ بنا لیں اس میں سرخ مرچیں پس لیں
ساتھ ہی نمک تھوڑی سی کالی مرچوں کا پیٹ،
چائیز سالٹ کس کر لیں، پھر چکن پر اچھی طرح
سے لگا کر پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں، اس کے
بعد اس چکن کو دہی میں ڈال کر بغیر پانی ڈالے
بلکی آگ پر گلنے کے لئے رکھ دیں، چکن اپنے ہی
پانی میں گل بھی جائے گا اور تمام مصالحے اندر تک
جذب کرے گا اور چکن کی مخصوص کچے پن کی
بساند بھی ختم ہو جائے گی، جب پانی سوکھ جائے
اور چکن گل جاتے تو کڑائی میں تیل گرم کر کے
اسے تلنا شروع کر دیں، گلا ہوا جو مصالحہ دہی میں

رہ جائے اسے رہنے دیں، چکن گل کر گولڈن
براؤن کرنے کے بعد اسی دہی میں دوبارہ ڈالتی
جائیں جب سارا چکن گل لیں تو بس ہلکا سا اس
گلے ہوئے مصالحے کو بھی گل میں گل لیں اس کے
اوپر پسا سفید زیرہ اور سوکھا دھنیا ڈال کر باقی ماندہ
تیل ڈال کر صرف پانچ منٹ کے لئے دم دے
لیں اس کے بعد سرد کریں لیہوں اور پودینے کی
چٹنی اور کچپ کے ساتھ پیش کریں، چکن کا ہر
پس نرم بھی ہو گا اور ذست بھی، آزمائش شرط ہے،
دیے آج کل روزے ہیں تو میں اکثر افطاری
میں بنالیا کرتی ہوں سو آپ بھی انجوائے کریں بنا
کر اور مجھے ضرور بتانا ہے کہ کیسا بنا؟

باقی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عید کی
خوشی سے نوازے ہر طرف امن سکون اور خوشی
ہو، ہر پاکستانی خوشی سے عید منائے اور وزیرستان
سے در بدر ہوئے ہمارے پاکستانی بہن بھائیوں
اور معصوم بچے بھی جو بغیر کسی وجہ سے گھر بدر
ہوئے ہیں شمالی وزیرستان کے وہ لوگ بھی دل
سے عید منائیں انہیں مہمان سمجھ کر اللہ کی رحمت
جان کر لڑیت کریں کہ ایک نہ ایک دن جب ہم
دشمن پر فتح پائیں گے تو وہ اپنے گھر لوٹ جائیں
گے انشاء اللہ، مگر اس واپسی کے سفر میں ان کے
باس اچھی یادیں اور محبتیں ضرور ہوں جو ہماری
طرف سے ان کو تحفہ ملی ہوں، فطرانہ ضرور دیں،
زکوٰۃ ضرور نکالیں افطاری پر زیادہ اہتمام کریں
مسائیوں کو ضرور کچھ نہ کچھ بھیجیں کہ اس شہر میں
بھی ثواب اور آخرت کی کامیابی ہے، سکون خوشی
کا بے پایاں احساس، آپ کو کسی ضرورت مند کی
مدد کر کے ہی حاصل ہو گا دعاؤں میں یاد رکھیے گا
اللہ تعالیٰ مجھے میری محنت سے بڑھ کر نوازے،
سرا ہے اور کامیاب کرے اور اللہ تعالیٰ ہم سب پر
اپنا رحم فرمائے ہمارا خاتمہ ایمان بالخیر ہو اور

ماہنامہ منا (۱۰) اگست 2014

سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین ثم آمین۔
نوشین اقبال نوشی..... گاؤں بدرمرجان
آپنی آپ کو اور سب قارئین، فریڈنز سب کو
عید کی مبارک کہاد اللہ آپ سب کو ہمیشہ
خوش رکھے آمین۔

جی ہاں واقعی عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی
تیا ریاں شروع ہو جاتی ہیں، بلکہ رمضان
سے بھی پہلے سوچا جا رہا ہوتا ہے کہ اس بار کیا
کیا کرنا ہے، سوا ب کی بار بھی یہی کچھ ہے
کہ رمضان کی برکتوں کو سمیٹ لینے کے
ساتھ ساتھ گھر، صفائی، کام کا بچ پھر تیا ریاں
بھی عید کی سارا ماہ ہی ساتھ چلتی رہتی ہیں،
گھر کی آرائش پر تو سب سے زیادہ توجہ ہوتی
ہے، اپنے کپڑے جوتوں سے بھی زیادہ۔

چند روزہ رمضان کے بعد بس ہم عید کی تیا ری
کے لئے جو پہلا اقدام اٹھاتے ہیں جناب
وہ گھر کی ساری مکمل نئے سرے سے خوب
صفائیاں، سینک کچھ نہ کچھ نئی اور چینیج کرنا،
کو نہ کو نہ خوب رگڑ کر چمکایا جاتا ہے، ویسے
بھی شکر ہے عام دنوں میں بھی ہمارے ہاں
صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے، پھر
بازاروں کے پکڑ بھی ساتھ ساتھ لگ رہے
ہوتے ہیں شاپنگ سب کی کیونکہ میرے بنا
تکمل نہیں ہوتی کیونکہ ہماری چوائس ہی ہر
شے میں اعلیٰ اور بہت شاندار ہوتی ہے
جناب (اپنے منہ میاں مشو ہر گز نہ سمجھئے گا
جی، نیچا بات بتا رہے ہیں) سو بھی اماں جی
کے ساتھ، کبھی بھائی لوگوں کے ساتھ پھر
ممائیاں، پھپھو، خالہ سب کزنز سب لوگ ہی
مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہوتے کہ نوشی پلیز
پلو ساتھ اور نوشی بے چاری مروت کی ماری
انکار بھی نہیں کر سکتی کہ اس قدر گرمی میں

بازار میں مگھوم مگھوم کے شاپنگ کرنا کوئی
آسان بات تھوڑی ہے اوپر سے روزہ بھی،
خود سوچیں میرا کیا حال ہوتا ہو گا، مگر خیر
جناب ہم سب کی شاپنگ میں چوائس کرنے
میں ہر چیز کپڑے جوتے سے لے کر جیولری
ایون ایک رنگ خریدنے میں بھی سب مجھ پر
بھروسہ کرتے ہیں اور میں سب خاندان
والوں کا یہ بھروسہ قائم رکھتی ہوں اللہ کا شکر
ہے بہت۔

اس بار بھی ہمیشہ کی طرح ایسی ہی مصروفیات
ہیں، گھر اور ساتھ عید کی شاپنگ بھی،
دوستوں کے لئے اور اپنی شاپنگ بھی،
ساری فریڈنز کے لئے عید کے کنفلکس ہمیشہ
کی طرح اب بھی لئے ہیں، کپڑے جوتے
جیولری وغیرہ تو ہم سب چیزیں پہلے ہی لے
آتے ہیں مطلب رمضان میں، یعنی پورے
ماہ آرام آرام سے سب تیا ریاں ساتھ
ساتھ، باقی چاند رات کو ہم کچھ نہیں لیتے
بازار سے نہ جاتے ہیں، ہاں مہندی اور
چوڑیاں عید سے ایک دو دن پہلے لے کر
آتے ہیں۔

عید کے دن ظاہر ہے عام دنوں سے ہٹ کر
خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے مہمانوں اور
دوستوں کے لئے ڈھیروں کھانے پینے کی
مختلف ڈشز وغیرہ، ہماری سب فریڈنز کی
پسند بھی الگ ہے جناب، کسی کو ہماری اماں
جی کے ہاتھ کی بریانی پسند، کسی کو چھوٹی بھین
کے ہاتھ کی بنی فیش، کباب، گڑ والے چاول
پسند، کسی کو ہمارے ہاتھ کی کھوئے والی
ایچمیل کھیر، چاٹ، کیک اور ہماری خاص طور
پر بنائی گئی دس ملائی جو کبھی کو بہت پسند آتی
ہے، سوا ب بھی عید سے پہلے ہی سب کی

ایک ایک ڈیمانڈ شروع ہو گئی ہیں، کہ میرے لئے یہ بتانا میرے لئے فلاں ڈش، سوہم سب کی پسند کو مد نظر رکھیں گے ہر بار کی طرح سب کی پسند کی ہی سب ڈشز بنے گی۔

عید کا دن پہلا تو یونہی کچن اور پھر گھر آئے مہمانوں اور دوستوں کے ساتھ گزرتا ہے پھر عید کے دوسرے دن سب اکٹھے ہو کر کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے لازمی جاتے ہیں سارے خاندان والے ہی ایک ساتھ مل کر عید کی خوشیوں کو مناتے ہیں، اس بار بھی عید پر کہیں نہ کہیں گھومنے کا پروگرام بن رہا ہے، اسلام آباد ہو سکتا ہے سب چلیں، ویسے تو بہت بار سب دیکھا ہے پر یوں عید پر سب ہی ایک ساتھ مل کر جب جاتے ہیں کہیں بھی تو بہت اچھا لگتا ہے عید ہمیشہ کے لئے یادگار بن جاتی ہے کہ ماموں، چچا اور خالہ لوگ سبھی اپنی فیملی کے ساتھ اکٹھے ہوتے سب کنزومل کر انجوائے کرتے ہیں تو عید کا مزہ واقعی حقیقی معانوں میں دوبالا ہو جاتا ہے۔

اللہ کرے آئندہ آنے والی سب عیدیں بھی یونہی خیر سے اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں ہی لے کر آئیں سب کے لئے، آمین اور اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور محبتوں کے حصار میں رکھے، آپ سب کے لئے بھی یہی دعا ہے اور ڈھیروں نیک تمناؤں، اللہ سب کو آسانیاں عطا کریں، آپ سب دوستوں، قارئین اور حنا کی پوری ٹیم کو عید کی ڈھیروں مبارکباد قبول ہو۔

روبینہ سعید..... لاہور

عید ہو اور اس کی تیاری نہ ہو یہ تو ایسے ہی

ہے جیسے خوش رنگ پلاؤ بغیر نمک کے سامنے آ جائے، لہذا عید اور تیاری تو لازم و ملزوم ہے، عید کی تیاری رمضان المبارک کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے، ہمارے ہاں رمضان المبارک میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے، چاند نظر آتے ہی گھر میں گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے الحمد للہ میں جوائنٹ فیمیلی سسٹم میں رہتی ہوں لہذا سحر و افطار میں سب کی پسند و نا پسند کا خیال رکھا جاتا ہے، پھر ساتھ ساتھ یہ بات بھی مد نظر رکھتی ہوں کہ جو کچھ بھی بناؤں صحت بخش ہو، سحر میں چونکہ ٹائم کم ہوتا ہے لہذا سب کچھ جھٹ پٹ کرنا ہوتا ہے۔

جی دوستو، میں لاہور میں رہتی ہوں اور یہاں روزہ بہت جلد بند ہو جاتا ہے اس لئے سحر میں سب کی پھرتیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں (پکانے والوں کی بھی اور جی ہاں کھانے والوں کی بھی) ویسے تو عائشہ اور حرا ساتھ دیتی ہیں لیکن پھر بھی میری کوشش ہوتی ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی ہو جائے، سحر میں عام طور پر پرائیڈ، رات کا سالن، انڈے اور کسی ہوتی ہے، البتہ بھجیاں، حلوہ اور رنگین سویاں بھی بنتی رہتی ہیں۔

قارئین مجھے بیٹھا بہت پسند ہے، لہذا میری کوشش ہوتی ہے کہ سحر میں کوئی نہ کوئی بیٹھا ضرور ہو، ویسے اکثر میں جھٹ پٹ بیسن کا حلوہ بناتی ہوں جو ذرا سی دیر میں بن جاتا ہے اور لذت اور غذائیت میں اپنی مثال آپ ہے، ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتائیے گا۔

اشیاء

بیسن
دیکھی

ایک کپ
تین چوتھائی کپ

ماہنامہ حنا (19) اگست 2014

کرتی ہوں۔

جیسے ہی رمضان چوتھے پانچویں روزے کو پہنچتا ہے میری لاریب روح بازار کے چکروں کے لئے پھڑپھڑانے لگتی ہے اسی کہتی ہیں کہ رمضان میں ہم جتنا بھی خرچ کر لیں اس مہینے میں حساب کتاب نہیں ہوتا اور اللہ پاک اس مبارک مہینے میں رزق بھی کشادہ کر دیتا ہے، کچھ لوگ رمضان کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاری کر لیتے ہیں، لیکن میں تو عید کو پورا پورا انجوائے کرتی ہوں، دن تو افطار کی تیاری میں گزر جاتا ہے البتہ افطار کے بعد چائے سے فارغ ہو کر میں بازار جانے کے لئے تیار ہوتی ہوں، چلو بھئی چلو، کیا کیا لانا ہے، ہر دو تین دن کے بعد میں بھی امی کے ساتھ اور بھی شہینہ باجی کے ساتھ بازار ضرور جاتی ہوں، بازار میں پہنچتے ہی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، جو لینے جاتی ہوں اسی چیز کو بھول آتی ہوں، ہنس رہے ہیں آپ، چھوڑیں جی اکثر خواتین ایسے ہی کرتی ہیں، یعنی لینے گئی ہیں کپڑا اور نظر پڑ گئی جوتوں پر ہنس جی فدا ہو گئے وہیں، اب بھاؤ تاؤ شروع ہے ویسے تو میں ایک پیچر ہوں اور سیکنڈری کھاسز کو انگلیش پڑھاتی ہوں مگر بازار میں اپنی ساری بیچنگ ایک طرف رکھ کر خریداری کرتی ہوں اور سچ بتاؤں مجھے بڑا مزہ آتا ہے بھاؤ تاؤ کرنے میں۔

اللہ اللہ کر کے سودا ہوتا ہے تو گھڑی پر نظر پڑتے ہی گھر کی راہ لیتے ہیں اب دو تین دن بعد پھر تازہ دم ہو کر بازار کا رخ کرتا ہے، خدا خدا کر کے عید کی خریداری مکمل ہوتی ہے، کپڑے خرید کر ٹیلر کو دیتا، جوتے، چوڑیاں، مہندی، پردے، چادریں وغیرہ وغیرہ، عید سے دو تین دن پہلے سے سچن کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں، شامی کباب بنا کر فریز کرنا، لہسن اور ک مٹھونا کرنا غرض

حسب ذائقہ

چند دانے

آدھا کپ

آدھا کپ

چینی (پس لیس)

پسا ہوا کھوپرا

سوکھا دودھ

ترکیب

دیکھی تھی کہ برتن میں ڈال کر مین بھون لیں، ساتھ الائچی بھی ڈال دیں، جب مین بھوننے کی خوشبو آنے لگے تو چینی ڈال کر تھوڑا سا پانی ڈالیں، چینی کا پانی خشک ہو جائے اور حلوہ بھاری ہونے لگے تو برتن کو چولہے سے اتار لیں اور پسا ہوا کھوپرا اور سوکھا دودھ ملا کر اچھی طرح مکس کریں اور دم پر رکھیں، کچھی جیسے ہی اوپر آئے تو فنا فٹ ڈش میں ڈالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

یقین جانئے مزہ آ جائے گا سحری میں حلوہ کھا کر، ضرور ٹرائی کیجئے گا، یقیناً گھروالوں سے داد ملے گی اور گھروالے انگلیاں چانتے رہ جائیں گے (ارے بھئی آپ کی نہیں اپنی ایک تو آپ بھی نہ کسی اور ہی خیالوں میں پہنچ جاتے ہیں) افطار میں وہی روایتی چیزیں بنتی ہیں جو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں یعنی سمو سے، کچوڑے، دہی بھلے، فردٹ چاٹ وغیرہ لہذا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

دوستو اللہ پاک رمضان المبارک کے ذریعے ہم پر اپنی بے پناہ نوازشیں کرتا ہے، رمضان کے روزے واحد عبادت ہے جو اپنے اندر عنایات کا جہان سموئے ہوئے ہیں یعنی یہ مہینہ رحمت بھی ہے مغفرت بھی، صبر بھی ہے اور شکر بھی، ذکر بھی ہے فکر بھی، گناہوں کی بخشش بھی ہے اور جہنم سے نجات بھی اور پھر ساتھیوں روزوں کے انتقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے تو ہم نا فرامانی کیوں کریں، میں تو عید کی تیاری بہت زور و شور سے

جتنا کام سٹ سکتا ہے سمیٹ لیتی ہوں۔

انیسویں روزے کی عید کی کیا ہی بات ہے، جیسے ہی چاند نظر آتا ہے گھر میں ایسی چہل پھل ہو جاتی ہے جیسے شادی کا سماں ہے، عائشہ مہندی بہت اچھی لگاتی ہے لہذا اس کے پاس بچیوں کا رش لگ جاتا ہے، خراک پڑے پر لیس کرنے بیٹھ جاتی ہے امی شیر خورمہ بنانے کے لئے میوہ کا ثنا شروع کر دیتیں ہیں۔

عید کے حوالے سے بریانی، کوفتہ کڑا اسی، تورمہ، لب شیریں وغیرہ عید کے تینوں دن کی مختلف ڈشیں ہیں البتہ ہمارے گھر کی عید کے حوالے سے خاص ڈش شیر خورمہ ہے اس کی ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتائے گا۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ

چینی

مکھن

دو لیٹر

حسب ذائقہ

ایک چمچ

تھوڑے سے

تھوڑی سی

ایک کپ

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

آدھا چمچ نمک

دودھ میں الائچی پاؤڈر ڈال کر پکنے دیں، چاول رات کو پانی میں بھگو دیں صبح اسے باریک پیس لیں، پے ہوئے چاول دودھ میں شامل کر کے پکنے دیں، فرینج چین کی سطح پر ایک چمچ مکھن سے چھنی کریں اور سویاں تل لیں، اب سویاں اور سارا میوہ دودھ میں شامل کر کے گاڑھا

ہونے تک پکنے دیں، جب گاڑھا ہو جائے تو چوبیسے سے برتن اتاریں۔

سرد کرنے سے پہلے رات کو جو چھو ہارے بھگوئے تھے وہ اب پھول چکے ہوں گے ڈش میں چھو ہارے ڈالیں اور ان پر شیر خورمہ ڈالیں، سرد اس طرح کریں کہ ایک پیالی میں ایک چھو ہارہ آئے بہت مزے دار ڈش ہے ضرور آزمائیے گا۔

دوستو عید کے دن ہمارے گھر میں ناشتہ نہیں بنتا، ہمارے گھر کی روایت ہے کہ عید کی نماز پڑھنے ابو کے ساتھ سارے گھر کے مرد حضرات جاتے ہیں تو واپسی میں کوئی نہ کوئی سوغات لے کر آتے ہیں لہذا انور، منور، ظفر اور حماد جب آتے ہیں تو ساتھ قسے کی کچوریوں، مٹھائی، حلوے اور کیک وغیرہ بھی گھر پہنچ جاتے ہیں، لہذا ناشتہ کچوریوں کا ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح ملنے ملانے والے آتے رہتے ہیں، سارا دن خوش خوش گزر جاتا ہے، شام اور دوپہر میں بریانی، کڑا اسی، شامی کباب وغیرہ بنتے ہیں اور یونہی عید کا دن بے شمار سرتوں کو ہماری زندگی میں شامل کر جاتا ہے۔

صاحبو، آخر میں ایک بات کہنا چاہوں گی کہ ہم روایتوں کے امین ہیں، ہم نے نئی نسل کو اپنی روایتیں منتقل کرنی ہیں میں عید اگر جوش و خروش سے منائی ہوں تو نہ صرف اس لئے کہ رمضان کے روزوں کے انعام ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہم نے اپنے بچوں کو عید کی اہمیت بتائی ہے تاکہ کل جب ہمارے بچے عید منائیں تو انہیں پتہ ہو کہ عید کیا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے۔

سیس کرنا..... فیصل آباد

پیاری نوزیہ جب تمہارا حکم نامہ ملا کہ سروے میں شرکت، عید کی تیاری تو واقعی عید سے قبل

ماہنامہ حنا (21) اگست 2014

ہی ہوتی ہے بلکہ رمضان کی کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

رمضان سے دو ہفتے قبل لاہور کا چکر لگا کر بہمن بھائیوں کو عیدی دے آئی تھی، بھانجیوں کے پیارے پیارے فراک جنہیں چھو چھو کر وہ لاڈ سے کہتیں تھیں "خالہ آپ کتنی اچھی کتنی پیاری ہیں" وہاں سے واپس پر اگلا ہفتہ ہنگامی تھا، مجھے بھرے بھی لکھنے تھے جو کہ بیمار رہنے کی وجہ سے انکے تھے اور پورے گھر کی کنصلی صفائی سے فارغ بھی ہونا تھا، تھکا دینے والا ہفتہ، الحمد للہ سارے کام سمیٹ لئے رمضان سے قبل، فریج صاف کر لئے، گھر چمکا دمکا، دھلے دھالائے پردے، گوشت دھل کر فریج میں پیکٹ تیار، کچھ اسٹیکس بن گئے، گراسری آگئی، لیجئے میں رمضان کے استقبال کو تیار، محکم سے چور گھر دینی طور پر آسودہ۔

اب عید کی صفائیاں مکمل ہو گئیں تو یہی بڑا کام ہوتا ہے میرا، اپنی کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی، اک دوسوٹ جوتی لی اور بس عید گاہ جا کر عید پڑھ آئے، ہاں بچوں کی شاپنگ آخری عشرے میں کروں گی، تمہیں، تمام قارئین کو حنا کے تمام سٹاف کو ڈھیروں ڈھیروں عید کی مبارک، اپنی خوشیوں اور دعاؤں میں یاد رکھتا۔

سباس گل..... رحیم یار خان
چاند اور عید جب بھی آتے ہیں
اک خوشی کی نوید لاتے ہیں
ہم بھلا کر سبھی آنکھوں کو گل
دل سے عید الفطر مناتے ہیں
سب سے پہلے تو حنا کے سبھی معزز و محترم
ایڈیٹرز، رائٹرز کو بہت بہت عید الفطر مبارک

ہو اور رہی بات عید کی تیاریوں کی تو جناب وہ تو رمضان شروع ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہیں، سب گھر والوں کے لئے عید کے کپڑے جوتے اور گھر کی خواتین بالخصوص ہم لڑکیوں کے لئے چوڑیاں اور مہندی بھی بطور خاص منگوائی جاتی ہے، سوٹ کے ساتھ میچ کرتے بندے، بالیاں یا بالکا خوبصورت اور نفیس سا لاکٹ سیٹ ہو تو کیا ہی بات ہے، ہماری پیاری بہنیں یہ سب چیزیں بہت ذوق و شوق اور اہتمام سے خریدتی اور پہنتی ہیں، ہم ذرا ان کیل کانٹوں کو کم ہی لٹ کراتے ہیں اور ایک ذرا سی لب اسٹک ہونٹوں پر لگا کر سمجھتے ہیں کہ ملکہ وکنور یہ کے حسن کو مات دے ڈالی، چوڑیاں ہمیں بہت پسند ہیں مگر بہنوں اور سہیلیوں کی کلائیوں میں کتنی دیکھ کر ہی دل و نظر کو سیر کرتے رہتے ہیں کہ خود چند گھڑی سے زیادہ بہمن نہیں پاتے، اصل میں ہمیں کچن میں اپنی خدمات پیش کرنا ہوتی ہیں لہذا چوڑیوں کی مسلسل چھن چھن ہمارے من میں شور مچانے لگتی ہے سو شور سے ہم ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید کا لباس اگر بہنیں سی دیں تو جلدی سل جاتا ہے اور اگر ہم خود یہ کارنامہ انجام دیے کی ٹھان لیں تو آخری روزے تک ہی سل جاتا ہے وہ بھی امی حضور کی ڈانٹ سن سن کر جب ہمارے بے ہنر ہاتھوں کو جوش آتا ہے تو بس چوبیس گھنٹے میں سوٹ سی ہی لیتے ہیں، مشرقی و مغرب، شمال جنوب کی جانب منہ اٹھا کے کی گئیں سلاٹیاں ہمارے سلاٹ کی کے ہنر پر چیخ چیخ کر دہائی دیتی محسوس ہوتی ہیں، جی ہاں ہم دیکھنے والوں کو پہلے سے وارن

ماہنامہ حنا (22) اگست 2014

کر دیتے ہیں کہ خبردار کوئی ہمارے لباس کی تراش، سلائی کٹائی پر زیادہ غور فرمانے کی کوشش نہ کرے، خود بھی حیران ہونے سے بچے اور ہمیں بھی شرمندہ ہونے سے بچائے۔

جناب گھر کی آرائش و زیبائش تو ہر عید پر بطور خاص کی جاتی ہے نئے پردے، نئے کٹن کورہنٹی بیڈ ٹیلیس عید سے پہلے یعنی چاند رات تک اپنی اپنی مطلوبہ جگہوں پر اٹھلانے لگتی ہیں، گھر کی دھلائی صفائی بھی رمضان کے آخری عشرے میں کر لی جاتی ہے چالے اتارے جاتے ہیں، فرش دھوئے جاتے ہیں پردے لگائے جاتے ہیں۔

اب اللہ جانے جو چالے ہماری حکومت کے دماغ پر لگے وہ کب اور کون اتارے گا ہمارے دلوں و نظروں کے فرش پر جو بے بسی، بدگمانی اور خود غرضی کی گرد جم چکی ہے وہ کب دھلے گی اور ہماری عقل اور آنکھوں پر جو لالچ، فرقہ واریت، لسانیت کا پردہ پڑ گیا ہے وہ کب بٹے گا؟

(آپ سب سے دعائے خیر کی درخواست ہے) تو جناب گھر کی سجاوٹ بھی ہوگئی اہل خانہ کے عید کے ملبوسات اور دیگر اشیاء کا اہتمام و انتظام بھی ہو گیا، اب رہ گیا عید کا مینو۔

تو فوزیہ آپنی عید الفطر پر تو ہم شیر خورمہ خاص اہتمام سے بناتے ہیں، شامی کباب، چکن روٹر، چکن تورمہ، پلاؤ، دہی بھلے، مٹھائی، پیزا، کھجوریں، کولڈ ڈرنک، چائے، جوس، چائینیز میک فروٹ چاٹ اور چائینیز سمو سے ہم عید پر بہت اہتمام سے بناتے ہیں، کچھ چیزیں بازار سے منگواتے ہیں یعنی مٹھائی،

پیزا، کولڈ ڈرنک وغیرہ، (اب ہم اتنے بھی سکھ نہیں ہیں کہ یہ بھی گھر بنالیں) تو یہ سب مزے مزے کے کھانے ہم سب گھر والے بھی کھاتے ہیں اور عید ٹٹے کے لئے گھر آنے والے دوست احباب کو بھی پیش کر کے ان کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اسی طرح کھاتے پیتے، ہنستے مسکراتے، ملتے ملاتے ہم عید مناتے ہیں، اللہ ہم سب کے گھروں میں عید کی رونقیں سلامت رکھیں اور ہمیں ضرورت مند افراد کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فرح طاہرہ.....ملتان

سب سے پہلے میری طرف سے فوزیہ آپنی، حنا کے سٹاف، تمام رائٹرز اور ایڈیٹرز کو عید مبارک۔

سردار انکل نے بالکل ٹھیک کہا عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں سیشلی خواتین کی، جنہیں کسی بھی تہوار پر گھر کی آرائش و زیبائش کے ساتھ ساتھ کچن میں بنائے جانے والے مختلف کچوان کے ساتھ اپنی تیاری کی بھی فکر رہتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح میری تیاری بھی گھر کی آرائش و زیبائش سے شروع ہو جاتی ہے جو پیسویں روزے سے شروع ہو کر عید کے دن جا کر ختم ہوتی ہے، چھوٹی عید کے کچوان میں چونکہ کبھی چیزیں زیادہ شوق سے کھائی جاتی ہیں، اس لئے سب سے پہلے ہم شیر خورمہ کی تیاری کرتے ہیں جو کہ امی جان چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے کے بعد سے تیار کرنا شروع کر دیتیں ہیں، دوستوں کو گفت دینے والا کام میں پیسویں روزے

ماہنامہ حنا (23) اگست 2014

تک مکمل کر لیتی ہوں اس لئے اس طرف سے ٹینشن نہیں ہوتی، صرف میری تیاری ایسی ہوتی ہے جو آخر تک لگن رہ جاتی ہے کیونکہ ابھی تک میرا ریکارڈ یہی ہے کہ میرا عید ڈریس چاہے میں پہلے روزے سے ہی کیوں نہ تیار کرنا شروع کر دوں وہ آخر چاند رات تک مکمل نہیں ہو پاتا ہے۔

(میری اپنی ہی کسی کی وجہ سے) ابھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند رات میں پوری رات جاگ کر ڈریس کو مکمل کرنا پڑتا ہے یا ابھی ایسا ہوتا ہے کہ عید کی صبح جا کر میرا ڈریس مکمل ہو پاتا ہے، مہندی اور پونڈیوں کو میں خود چاند رات کے لئے چھوڑے رکھتی ہوں کیونکہ چاند رات میں جاگ کر مہندی لگانے کا ایک ہی مزا ہوتا ہے۔

شمینہ بٹ..... لاہور

ارے فوزیہ جی یہ کیا پوچھ لیا آپ نے، تیاریاں اور وہ بھی عید کی، اف بیج ہے جس گھر میں پر یوں جیسی بنیاں ہوں وہاں تو یہ تیاریاں چاند رات تک بھی مکمل نہیں ہوتیں، ارے ابھی بیٹیوں کی مائیں اور بیٹے ناراض نہ ہوں ٹھیک ہے یہ بھی کہ آج کل تو لڑکیوں سے زیادہ لڑکے تیاریاں کرتے ہیں ہر خصوصی موقع پر، تو پھر بھلا وہ عید پر کیسے پیچھے رہیں گے تو جناب یہ سلسلہ تو دائمی چلتا ہے رہتا ہے اور وہ بھی آخر وقت تک۔

میں بھی اپنے بچوں کی تیاریوں میں لگی رہتی ہوں، ساتھ ساتھ گھر کا انتظام اور کام بھی چلتا رہتا ہے اور آپ نے بات کی آرائش و زیبائش کی تو اس مہنگائی کے دور میں اب بندہ یا تو خود کو سجا سنوار لے یا پھر گھر کے در و دیوار چمکائے، (میرا مطلب، پینٹ نئے

پردے وغیرہ سے ہے) تو اس کا آسان حل میں یہ نکلتی ہوں کہ رمضان سے پہلے اور پھر آخری عشرے میں سارے گھر کی بھرپور صفائی کی جاتی ہے، ہر چیز دھو دھلا کر صاف ستھری کر کے چمکادی جاتی ہے، چاند رات کو تمام بیڈ کورز صوف کورز اور پردے دھلے دھلائے صاف ستھرے بدل دیئے جاتے ہیں (جو پہلے سے دھو کر رکھے ہوتے ہیں) بس جی ہو گئی گھر کی تزئین و آرائش مکمل۔

بچوں کی اور اپنی تیاریاں بھی عموماً آخری عشرے تک مکمل ہو ہی جاتی ہیں، نئے لباس، چوڑیاں، مہندی اور دیگر لوازمات ہر سال امی بھی بھجواتی ہیں اور میں خود بھی بناتی ہوں، اپنے اور ارم قطرہ کے کپڑے میں خود سی لیگی ہوں اسد کے البتہ ریڈی میڈ آ جاتے ہیں، یا پھر ٹیلر ماسٹر کی خدمات لی جاتی ہیں، ہاں پچھلے دو سالوں سے میری دیپورانی نادیا ہمارے لئے ریڈی میڈ سوٹ لاتی ہے اور وہ بھی بازار سے سیدھی ادھر ہی آ جاتی ہے کہ اپنی پسند کے ڈریس جن کیس شکر یہ نادیا شاید تمہاری محبت اور خلوص کے لئے۔

ہر سال تقریباً ایک جیسی ہی روٹین ہوتی ہے عید اور عید کی تیاریوں کے حوالے سے، مگر اس بار کافی کچھ بدل گیا ہے، اس رمضان میں میری امی جان اور بھائی خیر سے عمرہ کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، بارہ جولائی کو وہ دونوں عمرہ کے لئے فلائی کر گئے ہیں اور عید کے چار روز بعد ان کی خیر سے واپس ہے، اسی لئے امی نے اس بار عیدیاں عید سے پہلے ہی بھجوا دیں اور اب ظاہر ہے ہم عید کے بعد جب وہ واپس آجائیں گی تو پھر

ماہنامہ حنا (24) اگست 2014

ملنے جائیں گے ان سے۔

عید کے دن فجر کے بعد ارم، فاطمہ صفائی وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی تیاریوں میں مصروف ہو جاتی ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے پہلے پہلے ریڈی ہو جائیں، میں اتنی دیر میں شیر خورہ بنا لیتا ہوں اور پھر خود بھی تیار ہو جاتی ہوں اب اتنی گرمی میں چمک دمک والے کپڑے تو پہنے نہیں جاسکتے اس لئے سب کے لان اور کاشن کے ڈریسز ہی ہوتے ہیں، عید کی نماز کے بعد باری باری میرے بھائی بھتیجے اور دیور عید ملنے آ جاتے ہیں، ان سے عید بھی ملنے ہی اور ان کی خاطر مدارت بھی کی جاتی ہے، گزرتے وقت کے ساتھ جو تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ان میں ایک تبدیلی یہ بھی آئی کہ عید کا پہلا دن ہمارا پہلے امی کی طرف (سرال میں) گزرتا ہے، مگر اب کچھ عرصہ سے دیور عید ملن پارل دیتے ہیں تو وہ دن سارا دن ان کے نام ہوتا ہے، سب بھائی بہنیں اکٹھے ہوتے ہیں ماشاء اللہ بچوں کی خوب رونق لگی ہوتی ہے اور سارا دن پر بھر پور گزرتا ہے، دوسرے دن ہم امی کی طرف انوائسٹڈ ہوتے ہیں اور امی سمیت بھائی، بھابھیاں اور بھتیجے بھتیجیاں صبح سے راہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ پھپھو جانی کب اپنی سواری باد بہاری سمیت تشریف لائیں اور کب عیدی کے لئے پھپھو پر ہلہ بولا جائے، یوں عید کا دوسرا دن بھی بہت اچھا اور بھرپور گزار کر شام ڈھلے ہم واپس اپنے آشیانے میں لوٹ آتے ہیں اور عید کا تیسرا دن ہم اپنے گھر میں گزارتے ہیں، اس دن بچوں کی اور ان کے والد صاحب کی پسند کے

فرمانشی کھانے بنتے ہیں۔

جن میں بریانی اور فروٹ ٹرائفل سرفہرست ہیں (ان کی ترکیب تو سب کو آتی ہے اب کیا لکھوں) ساتھ ساتھ لی دی سے ماتھا پھوڑا جاتا ہے اور اگر کوئی ملنے ملانے آ جائے تو اسے دیکھ بھی کرتے ہیں، لیس جی یہ تو تھا ہماری عید کا احوال، ہاں اسد کی روٹین تھوڑی مختلف ہے وہ صاحب بہادر شام ڈھلے اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر چلے جاتے ہیں اور عید کے چند دن بعد شمالی علاقہ جات روانہ ہوتے ہیں اپنے دوستوں کے ساتھ۔

لیس جی فوڑیہ جی یہ تو ہو گیا عید کا احوال، ویسے عید کے ساتھ جو رشتہ عیدی کا ہے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور یہ عید یاں لینے میں جتنا مزہ آتا تھا، وہ اب دینے میں بھی اتنا ہی سکون اور خوشی ملتی ہے، بچوں کے چہروں پر پھیلنے والی چمک، خوشی اور مسکراہٹ جو اپنی من پسند عیدی وصول کر کے پھیلتی ہے اس کا نعم البدل کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ سب بچوں کے چہروں کی یہ مسکان ہمیشہ سلامت رہے آمین۔

فرحت عمران.....واہ کینٹ

سروے کا اکلوتا سوال ہی مجھے خاصا مشکل لگا، مشکل اس لئے کہ میں نے کبھی عید کی تیاری کے ضمن میں اپنے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا ہے، میں شادی سے پہلے عید کی تیاری (جو کہ کپڑوں اور جوتوں کی خریداری تک محدود ہے) ماہ رمضان سے قبل کر لیتی تھی، مگر شادی کے بعد عمران کے ساتھ چاند رات کو چوڑیاں خریدنے جانے کا

ماہنامہ حنا (25) اگست 2014

یہ روایت اب بھی ہے میرے چچا اپنی فیملی
سمیت دوسرے روز آتے ہیں اور میری
بچیاں مجھے بہت یاد کرتی ہیں، میری چھوٹی
دونوں بچیاں تو مجھ سے چند برس ہی بڑی
ہیں جبکہ بڑی دونوں بچیاں جوان اولاد کی
مائیں اور نانیاں بن چکی ہیں۔

سسرال میں بھی دوسرے روز بہت رونق لگتی
ہے میری دیورائیاں عید کے دوسرے روز
اپنے میکے چلی جاتی ہیں، عمران کے کزن یا
چچا آ جاتے ہیں، دوسرا روز بہت پر رونق
گزر رہا ہے۔

اس بار میری ساس نے ابھی سے میرے
دونوں دیوروں کو آگاہ کر دیا ہے کہ اس دفعہ
عید کا دوسرا روز ثاقب کے ساتھ گزارنا ہے
اس لئے وہ اپنی بیویوں کو دوسرے روز میکے
نہ بھیجیں تاکہ ہم سب گھر والے ثاقب کے
ساتھ مل کر عید منائیں (بھئی وہ دہائی سے
سوشل عید منانے پانچ چھ روز کے لئے
پاکستان آ رہا ہے) آخر اس کے ساتھ بھی تو
عید منانی ہے، ثاقب میرا سب سے چھوٹا اور
بہت ہنس کھد دیور ہے، انشاء اللہ اس بار عید کا
دوسرا روز ہم سب اگلے گزاریں گے اور یہی
اس عید کا دوست و احباب کے لئے خصوصی
اہتمام ہو گا سب گھر والے مل کر آؤنگ پر
جائیں گے۔

قارئین سوچ رہے ہوں گے کہ فرحت نے
دیور اینوں کے عید پر میکے جانے کا ذکر تو کر
دیا مگر اپنے متعلق بتانا بھول گئی ہیں جناب
میں عید کے پانچ چھ روز بعد میکے جاتی ہوں
(واہ کینٹ سے ملتان کا آٹھ نو گھنٹے کا طویل
سفر کرنے کے لئے دل گردہ چاہیے ہوتا ہے،
اگر یہی سفر ٹرین سے کیا جائے تو بارہ گھنٹے

اپنا الگ حزمہ ہے، مجھے زیور میں چوڑیاں بے
حد پسند ہیں، میں دونوں کٹائیوں میں بھر بھر
کر چوڑیاں ڈالتی ہوں، کپڑوں اور جوتوں
کی خریداری میں اب بھی رمضان سے پہلے
کر لیتی ہوں، ایک تو گرمی میں روزے سے
گھر سے نکلنا محال ہوتا ہے اور دوسرے
رمضان میں رش ہونے سے ٹیلرز کے غرے
آسمان پر پہنچ جاتے ہیں جو ٹیلرز آغاز میں
کپڑے نام پر اور صحیح سلائی کرتا ہے وہی
کچھ عرصے بعد ایک ہفتے کا کہہ کر دو ہفتے
گزار دیتا ہے اور سلائی بھی صحیح نہیں ہوتی
ہے، میں چاند رات کو عید کی بالکل کوئی تیاری
نہیں کرتی ہوں چاند رات کو شاپنگ کے
بعد صرف مہندی لگاتی ہوں، میں ہر عید پر
تین سوئس سلوائی ہوں مگر میں نے پہلی بار
اس عید پر پانچ سوٹ سلوائے ہیں مگر یہ کسی
خصوصی اہتمام کے نتیجے میں نہیں ہے، ہم
نے کوشش کی تھی کہ میرے دیور ثاقب کی عید
کے بعد منگنی ہو جاتی مگر لڑکی والوں نے
سہولت سے ہل دیا (ثاقب کی پھپھو کے گھر
زیبانی بات طے ہے جسے ہم لوگ باقاعدہ
فتیشن کر کے خاندان میں بتانا چاہتے تھے)
اگر اس کی منگنی ہو جاتی تو یہی عید پر میرا
خصوصی اہتمام ہوتا۔

رہی بات دوست و احباب کی تو میرے میکے
اور میرے سسرال میں بھی عید کے پہلے
روز کوئی مہمان نہیں آتا ہے میرے میکے میں
دوسرے روز میرے چاروں چچا اپنی فیملی
کے ساتھ آتے ہیں اور عید کے پہلے روز کی
بورنگ دوسرے روز گھر میں ہونے والی ہے

بقیہ صفحے

تراخی

جزیرہ ہوا

ام صبح

چوتھویں قسط کا خلاصہ

جہان ڈالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ڈالے اسے زینب سے نکاح کو فوراً کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پہلا جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

معاذ اور پر نیاں کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بجھانے کے باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

پر نیاں کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پہ زینب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پر نیاں سے غلط فہمی بھی اسی موقع پہ دور ہوئی ہے، اک عرصے بعد شاہ ہاؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا مند کیہتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو ابھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔

تیور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پینتیسویں قسط





www.paksociety.com

www.paksociety.com

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی
سو میں نے جیون وار دیا
میں کیا زندہ آدمی تھا
اک شخص نے مجھ کو مار دیا
وہ عشق بہت مشکل تھا مگر
آساں نہ تھا یوں جینا بھی
اس عشق نے زندہ رہنے کا
مجھے طرف دیا چدار دیا
یہ سچا سچا گھر ساتھی
میری ذات نہیں میرا حال نہیں
اے کاش کہ تم جان سکو
جو اس نے سکھ آزار یاد

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، نگاہ کے سامنے لان کا منظر تھا، جہاں ڈالے کے ساتھ جہان تھا، اس کے ہمرا چہل قدمی کرتا ہوا، کتنا کیسٹرنگ انداز تھا اس کا، بھی اسے سہارا دے کر بٹھاتا بھی اپنے ہمراہ ہاتھ پکڑ کر چلاتا ہوا اس کا جیسے بس نہ چلتا تھا کہ ڈالے کو گود میں اٹھالے، وہ اس کی محبت تو تھی ہی اب تو اس کی نسل کی امین بھی بن چکی تھی، کچھ اور اہمیت کچھ اور خاصیت پا گئی تھی گویا، نرس خالی نظروں سے دونوں کو دیکھتی رہی، یہ مرحلہ اس نے بھی طے کیا تھا، مگر اس کے ساتھی نے بھی اسے یوں سر آنکھوں پہ نہیں بٹھایا تھا، اسے پتہ ہی نہیں تھا شوہر کی محبت اور اہمیت کا احساس کیسا ہوتا ہے، وہ تشنہ تھی اور شاید تشنہ رہنا چاہتی تھی، جبھی تو اس نے جہان کو کسی بھی پیش رفت کی اجازت نہیں دی تھی، ڈالے کی باری کا ایک ہفتہ پورا ہوا تو جہان اس کے پاس آ گیا تھا، وہ با اصول تھا اور دیانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جسے خالی خالی فرض کی ادائیگی نہیں چاہتے تھی، چاہ محبت مان اور خلوص..... سب سے بڑھ کر جہان کا والہانہ انداز کا اظہار محبت..... یہی تو طلب تھی جس کی چاہ اور پھرنا کامی نے اسے آبلہ پا صحراؤں میں بھٹکا کر دایا تھا، کتنا تھک گئی تھی وہ۔

”آج سے آپ یہاں سوئیں گے؟“ وہ اسے دیکھے بغیر سوال کر رہی تھی۔

”ہاں۔“ جہان کا جواب مختصر تھا، نرس کے رویے کی بدولت وہ خود بھی محدود اور محتاط ہو چکا تھا۔

”آپ کو ڈالے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے، یونہی اسے آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔“

”وہ ایگلی نہیں ہے، اتنے بڑے گھر میں بہت سارے لوگ اس کے آس پاس ہیں، ہاں اگر تمہیں

کوئی اور اعتراض ہے تو کھل کر کہو۔“ جہان کی پیشانی پہ تل پڑنے لگے تھے، نرس کا یہ انداز اسے صرف توہین سے ہی نہیں نفرت اور ذلت کے احساس سے بھی دوچار کرنے لگا تھا، نرس کچھ مانیوں کو کچھ کہنے بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔

”میں چاہتی ہوں آپ ڈالے کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں، ان دنوں عورت بہت حساس ہو رہی ہوتی ہے اور.....“

ماہنامہ حنا (31) اگست 2014

”مجھے تو لگتا ہے تم بھی ان دنوں بہت حساس ہو رہی ہو، صرف ڈالے کو نہیں تمہیں بھی میری زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔“ جہان پہلو کے بل ذرا سا ادنچا ہو کر اسے بخور دیکھ رہا تھا، نضب کے تو صبح معنوں میں جھکے چھوٹ گئے تھے اس بات پہ جیسے۔

”ایک تو آپ کی خوش فہمیوں کا کوئی انت نہیں ہے، میں آپ سے جان چھڑا رہی ہوں آپ کو ہری ہری سو جھڑ رہی ہیں۔“ اس نے انجام کی پرواہ کیے بغیر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزرا۔

”نضب اگر تمہیں واقعی اس شادی کی ضرورت نہیں تھی تو انکار کر دیتیں پہلے کی طرح، اس طرح سے میرا امتحان لینے کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ بل کے بل خطرناک قسم کی سنجیدگی میں جھلا ہو چکا تھا، نضب ایک لمحے کو گڑبڑ اسی گئی۔

وہ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے ایک بار پھر اپنا کام خراب کرنے جا رہی تھی، کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ کھلتی رہی تھی، جہان چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا تھا پھر جیسے تھک کر گروٹ بدل لی تھی، نضب ساری رات اس کی جانب سے پیش قدمی کی منتظر رہی تھی مگر جہان یونہی منہ موڑے پڑا رہا تھا اور اس نے جان لیا تھا وہ اپنے لئے مزید اندھیرے خرید چکی ہے، پتہ نہیں اسے ڈھنگ سے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا سلیقہ کیوں نہ آیا تھا، اس نے بے حد یاسیت سے سوچا تھا۔

”بجو آپ کو ماما بلا رہی ہیں اپنے کمرے میں۔“ نضب کو چونکانے کا باعث ماریہ کی آواز تھی جو دروازے میں کھڑی تھی۔

”تم چلو آئی ہوں میں۔“ اس نے گہرا سانس بھر کے کہا پھر بیڈ کے نزدیک آ کر سوئی ہوئی فاطمہ کو اٹھالیا، اسے کتنی دیر ہوئی تھی سوئے اسے باہر جانے کتنی دیر لگ جاتی، وہ نہیں چاہتی تھی بچی بیدار ہو تو کمرے کی تنہائی سے وحشت زدہ ہو کر روٹی رہے۔

”جی ماما آپ نے بلایا؟“ وہ ان کی تلاش میں لاؤنج میں آ گئی تھی، وہاں ماما کے ساتھ ڈالے اور بھابھی کے علاوہ پر نیاں اور زیادہ بھی موجود تھے، عہد بھابھی کی گود میں تھا اور وہ اس سے کھیل رہی تھیں۔

”لائیں زینٹی آپا فاطمہ کو مجھے دے دیں۔“ ڈالے نے اسے دیکھتے ہی فاطمہ کو لینے کو ہاتھ پھیلا دیا تھا، نضب نے کچھ کہے بغیر فاطمہ کو اسے تھا دیا اور خود ماما کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”کچھ کام تھا ماما!“ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا، ماما مسکرا دیں۔

”کیا کام کے بغیر ہماری بیٹی ہمارے پاس نہیں بیٹھ سکتی؟“ وہ کس قدر پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔

”آپ بہت خاموش رہنے لگی ہوں نضب؟ اپنا خیال بھی نہیں رکھتیں؟“ ماما جان کو بھی ٹکڑا کر رہی تھی۔

”حالانکہ اتنا پیارا اور شاندار دولہا مل گیا ہے آپ کو، قسم سے میری سب فریڈ زاتی تعریف کر رہی تھیں جہان بھائی کی۔“ ماریہ نے مڑے سے لقمہ دیا تھا، نضب کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزرا گیا۔

”جہان کے کسی دوست کی شادی ہے لاہور، دو ٹیکٹی جانا ہے اسے لازماً، آپ اپنی تیاری کر لو بیٹے، شادی میں آپ کو ہی شریک ہونا ہے جہان کے ساتھ۔“ ماما کی بات پہ نضب کے اندر غضب کی جھنجھلاہٹ اور احتجاج اٹھ آیا تھا۔

ماہنامہ حنا (31) اگست 2014

”میں کیوں ماما! ڈالے ہے نا، ڈالے چلی جائے گی ان کے ساتھ۔“ اس نے فی الفور انکار کیا تھا، ماما کے ساتھ ساتھ باقی کے سب افراد کو بھی چپ سی لگی تھی۔
 ”ڈالے کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا ہے، پتہ تو ہے آپ کو۔“ ماما نے جیسے اسے نادہی انداز میں سمجھایا تھا مگر وہ اس طرح بے زار نظر آ رہی تھی۔
 ”تو ٹھیک ہے وہ اکیلے چلے جائیں، میرا نہیں سوڑ۔“
 ”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کہا نا وہ ٹھیک ہے، دوست ہے جہان کا بہت قریبی۔“ ماما کے لہجے میں اب کے صرف سختی نہیں تھا، نینب بری طرح زچ ہوئی۔
 ”مگر ماما.....“

”اگر مگر کچھ نہیں نینب، کہہ دیا نا آپ کو ساتھ جانا ہے۔“ ماما نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا، وہ ہونٹ بھیج کر جلتی آنکھوں سے انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، جب وہ کچن میں کام کرتے ہوئے برتنوں کو بیچ کر اپنا غصہ نکال رہی تھی پر نیاں وہیں اس کے پاس آگئی تھیں۔
 ”تم ٹینس کیوں ہو نینب؟“ نینب نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

”مجھے تم پریشان لگتی ہو، جہان بھائی تو بے حد نائس ہیں اور.....“
 ”میں خوش نہیں ہوں ان کے ساتھ پر نیاں، محبت کے بغیر عورت خوش ہو سکتی ہے بھلا؟“
 ”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ پر نیاں کو جھٹکا لگا تھا۔
 ”مجھے یہ بتاؤ پری کیا میرے نصیب میں محبت نہیں لکھی؟“ وہ جیسے رو پڑی تھی، پر نیاں مشدد رہی۔
 ”جہان بھائی نے کچھ کہا تمہیں؟“ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تو یہ اہم سوال کیا تھا۔
 ”یہی تو دکھ ہے، وہ کچھ کہتے نہیں ہیں، پر نیاں انہیں مجھ سے جبراً ہاندھا گیا ہے۔“
 ”ایسا نہیں ہے نینب، جہان بھائی تو مجھے لگتا ہے محبت ہی تم سے کرتے ہیں۔“ وہ اب بھی ابھی سی بولی تو نینب نہ ہر خند سے ہنس پڑی تھی۔

”اچھا.....“ اس کے لہجے میں مسخرکار رنگ اتر آیا۔
 ”اور بہت سے حقوق کی طرح تم بھی یہی سوچتی ہو کیا؟“ پر نیاں قدرے کنفیوژ ہو گئی، پھر بات بنانے کو بولی تھی۔
 ”اچھا چھوڑو، جو بھی حقیقت ہوگی آخر کھل جائے گی، فی الحال تم ماما کی بات مان لو، بہت پریشان ہیں وہ تمہاری وجہ سے۔“

”تم بھی مجھ سے کہہ رہی ہو پری۔“ وہ دکھ سے لبریز ہو گئی جیسے۔
 ”ساری دنیا ڈالے کو ان کی وائف کی حیثیت سے جانتی ہے، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا ہے خود کو جا کر اس حوالے سے متعارف کرانا اور لوگوں کی آنکھوں میں حیرت اور سوال دیکھنے کا۔“ اس نے جیسے اصل مسئلہ بیان کیا تھا، پر نیاں نے گہرا سانس بھر لیا۔

”سوری زین، میری ڈیلیوری کی وجہ سے تم لوگوں کا دلیرہ منسوخ ہو گیا تھا، ورنہ تمہارا تعارف وہاں

ماہنامہ حنا (32) اگست 2014

سب سے ہو جانا تھا، پھر دیکھو آخر تک تم اس صورتحال سے بھاگو گی، اسے تو فیس کرنا ہی ہوگا۔" وہ بہت نرمی اور سجاؤ سے اسے سمجھا رہی تھی، زینب نے بھیگی پلکوں کو آہستگی کے ساتھ رگڑا تھا۔

"ٹھیک ہے تم ماما سے کہہ دینا میں چلی جاؤں گی۔" اس نے بالآخر ہار تسلیم کر لی تھی، پر نیاں جیسے بے اختیار ریٹیکس ہو کر گہرا سانس بھرنے لگی۔

☆☆☆

ریسورس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس کی رنگت بالکل زرد ہو چکی تھی، یہ محض اتفاق تھا یا پھر وہ واقعی تیمور کو بھلا چکی تھی کہ کال ریسیو کر لی تھی، وہ اس کی آواز پہچانتے ہی اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

"بہت خوب، تو جہان صاحب کے ساتھ نکاح کر کے رنگ رلیاں منانی جا رہی ہیں۔" زینب کے کانوں سے پہلی بات نے ہی دھواں نکال دیا تھا، اس نے ایک دھماکے سے ریسورس کریدل پہنچ دیا تھا، مگر اس وقت تیل پھر سے زور و شور سے بجتی چلی گئی تھی۔

اس نے ریسورس اٹھا کر سائیڈ پر رکھا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی، تب اس کا سائل فون بجنا تھا سچ فون تھی اس نے ٹیکسٹ کھولا انجان نمبر تھا، اس نے حیرانی سے عبارت پر نگاہ دوڑائی۔

"میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گا زینب، بہتر ہے مجھ سے بات کر لو۔" زینب نے نفرت زدہ انداز میں پیغام کو کاٹ دیا تھا، اسی وقت اس نمبر سے اگلا پیغام موصول ہو گیا۔

"اگر چاہتی ہو کہ میں تمہاری فیملی کے کسی فرد کا قتل نہ کر دوں تو مجھ سے بات کر لو، میرا پہلا نشانہ تمہارا چہیتا جہان ہی ہوگا، اکیلی تم نہیں وہ دوسری لڑکی بھی بیوہ ہو جائے گی خواہ مخواہ۔" الفاظ تھے یا تیر بر چھیاں جو زینب کے وجود میں پیوست ہو گئے تھے، اس کے جسم پر جیسے لرزہ سا چھا گیا، وہ یکھنت نیچے بیٹھ گئی تھی، تیمور جان کی سفاکی سے وہ بخوبی آگاہ تھی، کسی کو معمولی سی بات پہ جان سے مار ڈالنا اس کے لئے عام سی بات تھی، خوف و وحشت کا احساس بن کر اس کے وجود میں دھیرے دھیرے نیچے گاڑنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو؟" تیمور کی مزید چند ایسی ہی دھمکیوں کے جواب میں اس نے ہار تسلیم کر کے اسے لکھا تھا، چند لمحوں کے توقف سے ہی اسکرین چمکی اور تیمور کا جواب نگاہ کے سامنے تھا، ایک طویل قہقہے کے بعد اس نے بڑے خیانت بھرے انداز میں لکھا تھا۔

"اُف اتنی محبت کرتی ہو اس لئے سے، سخت جیلنس ہو رہا ہوں، خیر نکاح ہو گیا تمہارا بھی تب میں کہنا چاہتا تھا تم سے مگر تم سنتی ہی نہ تھیں، اب اس سے طلاق بھی لے لو جان من تا کہ حلالہ کی شرط پوری ہو اور تم پھر سے میری ہانپوں میں آ سکو۔" تیمور کے الفاظ نے زینب کے چہرے پہ گویا آگ سلگادی تھی، اس نے طیش کے عالم میں سائل فون کو دیوار سے دے مارا تھا، اندر داخل ہوتے جہان نے کس قدر حق دق ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

"خیریت اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟" وہ اس کے قریب آ گیا، زینب کسی طرح بھی اتنی تیزی سے خود کو سنبھال نہیں سکی تھی جیسی شہنشاہی گئی۔

"پریشان ہو زینب؟" جہان نے اسے شانوں سے تمام کر مقابل کیا، انداز میں اتنی توجہ اتنی اپنائیت اور محبت تھی کہ جتنی شاید زینب کے اندر ٹوٹ چکی تھی، جیسی وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

ماہنامہ جہان (33) اگست 2014

”مجھے ڈر لگ رہا ہے جے؟“ اس نے بلا جھجک اپنی کیفیت بیان کی تھی۔
 ”ڈر؟ مگر کس سے؟“ جہان حیران رہ گیا تھا۔

”خود اپنے آپ سے، کاش میں ہی مر جاؤں، سارے مسائے خود ہی حل ہو جائیں گے۔“ وہ ضبط کھوتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ اڑھانپ کر رو پڑی تھی، جہان کے اعصاب یکا یک تناؤ کا شکار ہو گئے۔
 ”نوں کس کا تھا؟“ جہان کے سوال نے نضب کو نہ صرف حنا کیا بلکہ مضطرب بھی کر دیا۔
 ”کسی کا نہیں، آپ بتائیں جانا کب ہے؟“ اس نے جلدی سے بات کا رخ موڑ کر گویا اس کا دھیان بنایا۔

”آج ہی جانا تھا، کیا تم تیار ہو؟“ جہان نے جواب دے کر سوالیہ نگاہوں کو اس پہ جمایا۔
 ”پینک کرفولی تھی میں نے کل اور کیا کرنا ہے؟“ وہ بتا کر اسے دیکھنے لگی تو جہان کے لبوں کے گوشوں میں شریسی مسکان چل گئی تھی۔

”اور میرا ساتھ دینا ہے بس، دو کی؟“ سوالی معنی خیز تھا، نضب کی پٹکیں ایکدم سے جھکیں۔
 ”کتنے بجے کی فلائیٹ ہے؟ بتا دیں میں اس حساب سے تیار ہو جاؤں گی۔“ وہ طرح دے گئی تھی، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، جانے سے قبل جہان ڈالے کے پاس کمرے میں آیا تھا۔
 ”یہاں سب ہی تمہارا بہت خیال رکھتے ہیں، مجھے پتہ ہے ڈالے مگر پھر بھی اپنا خاص طور پہ خیال رکھنا، میں خود بھی کانیٹ میں رہوں گا مگر تم بھی مجھے کال کرتی رہنا۔“

”او کے جناب آپ نضب آپی اور فاطمہ کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔“ ڈالے نے اس کے کوٹ کے جن بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کر مطمئن کیا، جہان نے محض سر اثبات میں ہلایا تھا۔
 ”شاہ نضب بہت اداس لگتی ہیں ابھی بھی، حالانکہ میں سمجھتی ہوں اب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“
 ڈالے نے کب سے اپنے دل میں اٹکا ہوا سوال اس کے آگے رکھا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔
 ”کیوں اب اسے کون سا قارون کا خزانہ مل گیا ہے بھلا؟“

”آپ کسی قارون کے خزانے سے کم ہیں کیا؟“ ڈالے نے مصنوعی خلگی سے گھورا تو جہان تسنفر سے ہنس پڑا تھا۔

”ہر کوئی تمہاری طرح سوچتا ہے نہ ہی تمہاری طرح مانع اور شاکر ہوتا ہے۔“
 ”اچھا اب آپ ان کی برائیاں نہ کریں میرے سامنے۔“ ڈالے نے منہ بنا لیا تھا، جہان آہستگی سے مسکرانے لگا۔

”میں محترمہ کی برائیاں نہیں کر رہا، صرف تمہارے سوال کا جواب اور اس کا مزاج بتایا ہے۔“ وہ کاندھے اچکا کر بولا تو ڈالے نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”شاہ ان کے لئے آپ نہ سہی مگر وہ آپ کے لئے، ضرور اہم اور خاص ہیں، آپ کو یہ بات انہیں ضرور بتانی چاہیے۔“

”مجھے سمجھتیں نہ کیا کرو ڈالے، مجھے خود بہتر پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔“ جہان روڈ نظر آنے لگا، ڈالے پزل ہو کر رہ گئی۔

”میں چاہتی ہوں نضب آپ خوش رہا کریں، آپ نہیں جانتے ہیں شاہ ماما اور ماما جان کے علاوہ اس

ماہنامہ حنا (34) اگست 2014

گھر کے ہر فرد کی نگاہ میں کتنی فکر ہوتی ہے ان کے لئے۔ "وہ عاجزی ہو کر کہہ رہی تھی۔
 "یہ تمہاری یا پھر باقی سب گھر والوں کی خواہش تو ہو سکتی ہے، مگر یہ ذنب کی اپنی خواہش نہیں ہے،
 میں اپنی سی کوشش کر چکا ہوں اور کیا چاہتی ہوں؟" جہان کو غصہ آنے لگا تھا، ڈالے خائف تو ہوئی تھی مگر
 اپنی بات پھر بھی کہہ ڈالی تھی۔

"آپ ان کو انڈر اسٹینڈ کرنے کی کوشش کریں شاہ، ان کے اصل پر اہم کو سمجھیں، ابھرن ختم ہو
 جائے گی۔" جہان نے سرد آہ بھری، پھر اس کو دیکھنے لگا۔
 "اک بات پوچھوں؟"

"جی ضرور۔" ڈالے نے مسکراہٹ دہائی۔

"میں نے ہمیشہ یہی سنا پڑھا اور دیکھا ہے کہ ایک شوہر کی بیویاں آپس میں اک دوسرے سے
 رقابت اور حسد محسوس کرتی ہیں مگر تم لوگوں کا معاملہ الٹ کیوں ہے؟ وہ تمہاری اور تم اس کی فکر میں ہلکان
 آپس میں لڑنے کی بجائے تم مجھ سے لڑتی ہو، ہے ناجرت انگیز بات۔" وہ بے بس سا ہو کر کہہ رہا تھا،
 ڈالے زور سے ہنس پڑی۔

"انڈر اسٹینڈنگ کا کمال ہے جناب، یہی آپ پیدا کریں ان سے۔" ڈالے نے مفید مشورے
 سے نوازا تھا، جہان نے آہ بھر کے کاندھے اچکا دیئے۔

☆☆☆

"ہیلو۔" جہان نے بہت مصروفیت کے عالم میں کال ریسیو کی تھی، انجان نمبر تھا جیسی وہ ضروری کال
 سمجھ کر انکور بھی نہیں کر سکا تھا۔

نظر سے دور رہ کر بھی کسی کی سوچ میں رہنا
 کس کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا
 جواب میں بڑے جذب سے شعر پڑھا گیا تھا، جہان نے حیرت بھرے انداز میں سیل فون کو کان
 سے ہٹا کر عجیب نظروں سے دیکھا یوں جیسے وہ فون نہ خود کال کرنے والی ہو۔
 "کون؟ آپ نے شاید غلط نمبر ڈائل کر لیا ہے محترمہ۔"
 "آہ....."

تمہاری بے رخی پہ مٹی مٹا دی زندگی ہم نے
 ہمارا حال کیا ہوتا اگر تم مہرباں ہوتے
 اس کی رکھائی کے جواب بڑے درد بھرے انداز میں شعر لڑھکا گیا، جہان کا موڈ یکایک بگڑا تھا۔
 "واٹ مان سینس، کون ہیں آپ؟ بات کرنے کی تیز نہیں ہے کسی سے؟" وہ بھنا کر فون بند کرنے
 لگا تھا کہ اس نے بے اختیار شکوہ کیا تھا۔

"ایک تو میں شاہ صاحب آپ کی اس یادداشت سے عاجز ہوں، اتنی جلدی انسان یا تو بڑھا پے
 میں بھولتا ہے اس وقت اگر وہ کسی کو اہمیت نہ دے رہا ہو، نیلما ہوں جی میں۔" جہان کے اعصاب ایکدم
 سے تنفر اور کشیدگی سمیٹ لائے، ایک لفظ کہے بغیر اس نے کال ڈسکلیٹ کی تھی اور فون کو سائیلنٹ یہ لگا
 دیا، جانتا تھا اب وہ مشکل سے ہی پیچھا چھوڑے گی، لاہور آیا تھا تو سوچا ٹیکسٹ کی کا بھی چکر لگا لے اسی چکر

ماہنامہ حسنا (35) اگست 2014

میں اچھا خاصہ لائٹ ہو گیا تھا، یہ رات کی روانگی کا ٹائم تھا اور وہ ابھی اپنے کاموں میں الجھا ہوا تھا، اس نے گاڑی کی رفتار کچھ اور بڑھائی مگر گھر پہنچ کر اسے ایک حریف الجھن کا سامنا کرنا پڑا تھا، نذیب فی دی لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز گھریلو جلیے میں فی دی کے آگے جی بیٹھی تھی۔

”تم تیار کیوں نہیں ہوئیں؟ کال کی تھی نا میں نے تمہیں۔“ بے تحاشانہ تے غصے کو دہا کر اس نے کس قدر نرمی سے استفسار کیا تھا مگر اس کی یہ نرمی نذیب کے جواب نے خاک میں ملا کر رکھ دی تھی۔

”اس لئے کہ میں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ۔“

”کیا مطلب ہے اس بات سے؟“ وہ کسی طرح بھی خود کو بھڑکنے سے نہیں روک سکا، نذیب کسی کا بھی دماغ خراب کرنے کی بھرپور صلاحیت سے مالا مال تھی یہ اسے یقین ہو چکا تھا۔

”آپ کے ساتھ جانے کا مطلب ہے، اس حوالے کا تعارف، جس کا مجھے ہرگز شوق نہیں ہے۔“

اس نے ہونٹ سکڑ کر کہا تھا اور جہان کی رنگت تو چین کے احساس سے لال ہو گئی تھی۔

”اگر یہ حوالہ اتنی ہی شرمندگی کا باعث تھا تمہارے لئے تو شادی نہیں کرنی تھی پھر مجھ سے۔“ وہ زور سے بھنک رہا تھا، نذیب نے جواباً اسے ذہر آلود نظروں سے دیکھا تھا اور بدلتی سی چیخ پڑی تھی۔

”معتقلی ہو گئی تھی مجھ سے، بلکہ یہ کہنا چاہیے جبر کیا گیا تھا مجھ پہ، بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے، چھوڑ دیں مجھے طلاق دے دیں۔“ وہ شاید خواہشوں میں تھی یا نہیں البتہ جہان کو ضرور اس نے آگے سے باہر کر دیا تھا، اس نے طیش زدہ انداز میں زور سے اس کا بازو دبوچا اور ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کھینچ لیا۔

”کیا کہا تم نے؟“ وہ یکھت سرخ ہو کر دہک اٹھنے والی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

”طلاق مانگی ہے، بہت شوق ہے آپ کو بار بار میرے منہ سے یہ بات سننے۔“ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی، جہان کا ہاتھ زانے کے پھٹری صورت اس کے چہرے پہ پڑا تھا، ایک دو تین، وہ اتنے طیش میں تھا اتنا پھر اٹھا تھا کہ اس اٹھے ہوئے ہاتھ کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، نذیب تو جیسے سکتے

میں آگئی تھی، خود جہان کا تا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا تھا اور ہونٹ بھیچے ہوئے تھے، اس کا چوٹھی بار کو اٹھا ہوا ہاتھ معاذ نے مداخلت کر کے روکا تھا، وہ ششدر سا باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا،

نذیب وحشت زدہ سی کھڑی رہی خوف اس کے وجود پہ کچھ کی صورت طاری ہو چکا تھا اور آنکھیں طوفان کی زد میں آئے ہوئے سمندر کا کس پیش کر رہی تھیں، غیر یقینی رنگ حیرت اس کے چہرے کے ہر نقش میں جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

”تم اندر جاؤ نذیب۔“ معاذ اس شاک سے نکلا تو با مشکل نذیب کو مخاطب کر پایا تھا، وہ بھی اس پہل جیسے حرکت کرنے کے قابل ہوئی تھی ایک دم پلٹ کر بھاگتی دروازے سے نکل گئی، معاذ نے حتماً نگاہ سے جہان کو دیکھا تھا، جس کے چہرے کے عضلات میں تناؤ اور براہی کا تاثر ہنوز تھا۔

”بیٹھ جاؤ بے۔“ معاذ نے پہلے گلاس میں جگ سے پانی اٹھایا تھا پھر اسے کہنی سے پکڑ کر خود صوفے تک لایا، جہان یوں گہرے سانس بھر رہا تھا جیسے خود پہ قابو پانے کی کوشش میں مصروف ہو۔

”ریلیکس یار۔۔۔۔۔ کام ڈاؤن، میں ایک آپریشن کے سلسلے میں یہاں آیا تھا، سوچا تم لوگوں سے ملتا چلوں مگر۔۔۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر پھر اسے حیرانی سے دیکھا۔

”پلیز معاذ لیوی الون۔“ وہ سخت عاجز ہو کر بولا تھا، معاذ نے شاکی ہو کر اسے دیکھا، البتہ کہا کچھ

نہیں تھا۔
 ”او کے فائن، مگر پلیز کنٹرول یور سیلف او کے؟“ اس کا کاندھا چپکٹا ہوا اٹھ کر نینب کی تلاش میں باہر آ گیا۔ وہ اسے بیڈروم میں بستر پہ اونڈھی پڑی سکتی ہوئی ملی تھی، اس کی محض ایک پکار کے جواب میں وہ بے تابی سے اٹھ کر اس سے لپٹتے ہی دھڑکیں مار کر کچھ اس وحشت سے روکی کہ معاذ کو اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔

”آپ نے خود دیکھا نا لالے، جے نے مارا ہے مجھے، کیا فرق ہے ان میں اور تیمور میں، بتائیں مجھے۔“ بری طرح سے ہلکتی ہوئی وہ بار بار ایک ہی سوال کرتی ایک ہی بات کو دہرائی رہی تھی۔
 ”تم لوگ لازماً مجھے پاگل کرو گے، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں، جے خواخواہ نہیں ہاتھ اٹھا سکتا تم پہ، یقیناً تمہارا قصور ہو گا کوئی۔“ معاذ کا یقین اتنا کامل ہو گا یہ تو خود جہان کو بھی اندازہ نہیں تھا، وہ اس درجہ شدید ٹینشن کے باوجود عجیب سے انداز میں مسکرا دیا تھا اور وہیں سے پلٹ گیا، جبکہ نینب سخت بدگمان ہو کر معاذ کے کاندھے سے الگ ہو گئی تھی۔

”ہاں میں ہی غلط ہوں، آپ بھی سزا دیں نا مجھے کوئی۔“ وہ آنسو پونچھتے ہوئے زور سے چلائی تھی، معاذ نے جواباً تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”اپنا مزاج بدلو نینب، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔“ نینب جواب میں کچھ کہے بغیر ہاتھوں میں چہرا ڈھانپنے لگی۔

”ہوا کیا تھا، ساری بات بتاؤ مجھے، جے کو تم نے کس بات پہ ناراض کیا کہ وہ اس حد تک چلا گیا، مائی گاڈ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ وہ جے تھا، اتنا کول بندہ مگر اس وقت اتنے غصے میں۔“ معاذ واقعی عی پریشان اور مضطرب ہو چکا تھا۔

”نینب کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟“ نینب کی خاموشی پہ معاذ نے ایک بار پھر اسے جھڑکنے والے انداز میں مخاطب کیا تو وہ ایک بار پھر چیخ پڑی۔

”اگر آپ کو مجھ سے زیادہ ان پر اظہار و یقین ہے تو پھر انہی سے کریں یہ سوال جا کر۔“ اس کے جواب نے معاذ کا بھی دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔

”بہت بد تمیز ہو تم زینی، دل تو چاہ رہا ہے دو چار تھپڑ تمہیں میں بھی لگا دوں، اسی قابل ہو تم۔“ وہ تلخی سے کہتا کمرے سے گیا تب نینب کے چہرے پہ کرب آمیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(بس جے اب آپ نہیں میں خود بری بنوں گی، غلطی میری تھی نا، سزا بھی مجھے یہ بھگتنی ہے چاہے وہ آپ سے الگ ہونے کی ہو چاہے خود کو بار بار سولی چڑھانے یعنی تیمور کی تحویل میں دینے کی یہ بھی تو خود گئی کے برابر ہی ہے۔)

☆☆☆

”کھانا تو ڈھنگ سے کھاؤ تم، کیا ہو گیا ہے یار۔“ معاذ نے اسے چند نوالے لے کر ہاتھ کھینچتے دیکھا تو ٹوک دیا تھا۔

”بس اتنی ہی بھوک تھی مجھے۔“ وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔

”نینب نے بھی کھانا نہیں کھایا، میں تو حیران ہوں تم لوگوں کا بنے گا کیا؟ وہ اتنی احمق ہے، اپنا

ماہنامہ سنا (37) اگست 2014

جواب زبان سے نہیں عمل سے دیا تھا، اس نے اتنی توجہ، اتنی نرمی اتنی محبت سے اسے چھوا تھا اسے برتا تھا کہ وہ خود پہنازاں ہو جاتی، جہان نے بتایا تھا تیمور اگر وحشی درندہ تھا تو وہ عشق کی معراج کو چھو کر لوٹا تھا، تیمور نے اسے لوٹا تھا تو وہ اسے انمول کر رہا تھا، تیمور نے اسے بے پایا کیا تھا، تو وہ اسے مستہر کر رہا تھا، بس یہی فرق تھا، اس میں اور تیمور میں۔

☆☆☆

اگلے دن کی صبح بے حد حسین تھی، چٹیلی روشن اور دکتی ہوئی، جہان نماز پڑھ کے لوٹا تو زینب ہنوز بستر میں موجود تھی، جہان نے ہنس کر آہستگی سے اس کا گال چسپایا تھا۔
 ”صبح بخیر میم!“ اس کی آنکھوں میں صرف شرارت نہیں تھی، بھرپور آسودگی اور خمار آلودگی بھی تھا، زینب اسے دیکھتی رہ گئی، دھیرے دھیرے رات کے سارے منظر اس کی نگاہ میں روشن ہوئے تو اس کے وجود پہ سنانے سے چھا گئے تھے، پہلے نگاہ جھکی پھر وہ خود میں کھٹی تھی اور جیسے اس نقصان پہ ششدر رہ گئی تھی، یہ کیا ہوا تھا، بنا بنایا کھیل اس نے خود بگاڑنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی، اس نے بے دردی سے ہونٹ کھینچے تھے، کل جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے پیچھے تیمور کی شدید اور خوفناک دھمکیاں تھیں اور وہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اس کی خواہش کے مطابق ماحول کو خراب کر کے جہان کو پریشان کرنا شروع کر چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ قصہ اور نشہ ہی انسان کے ایسے دشمن ہیں جو اسے بربادی کی آخری حد تک لے جاتے ہیں، تیمور نے نشے میں اسے چھوڑا تھا وہ جہان کو غصے میں لا کر یہ کام کرانا چاہتی تھی، ورنہ تیمور جیسا درندہ صفت انسان وہ کرنا جو اسے دھمکیاں وہ دے چکا تھا، اس نے بہت سوچا تھا مگر وہ جہان کو نقصان پہنچانے کے تصور سے ہی لرز اٹھتی تھی، جہان سے صرف اس کی ذات نہیں وابستہ تھی، ڈالے لے لے لے لے لے لے لے لے والا بچہ اور خود اس کی پوری فیملی، جبکہ وہ اگر تیمور کی بات مان لیتی تو کیا ہوتا، وہ خود برباد ہوئی نا تو اس میں کیا تھا، وہ تو پہلے بھی برباد ہو چکی تھی، فیصلہ ہوا تو اس نے دل پہ پتھر رکھ لیا، مگر جہان کے ہاتھ اٹھانے کے بعد اس کے اندر کی حالت ہی بدل گئی تھی، عقل پہ جذبات غالب آ گئے تھے، یہ وہ جہان تھا جس کی نگاہ نے بھی کبھی سختی سے نہیں چھوا تھا اسے، کہاں اتنی وحشت کہ وہ اس پہ ہاتھ اٹھا چکا تھا، وہ تو جیسے پاگل ہونے لگی تھی دکھ اور صدمے سے ایسے میں جہان کی ذرا سی توجہ اسے پیاسی دھرتی میں بدل گئی تھی، اگر جہان مہربان بادل بن کر چھایا تھا، اس پہ تو حواسوں میں وہ بھی نہیں رہی تھی، جیسی تو صدیوں کے فاصلے مت گئے تھے، تمام گلے دور ہو گئے تھے، گنتا مہکتا ہوا تھا وہ حصار جس میں مقابل کی بے خودی کے گہرے تاثر میں بھی دھیان اور توجہ کے رنگ واضح اور اہم تھے، ہاں بس ایک شکایت پھر بھی اسے ہو گئی تھی، اس درجہ قربت میں بھی جہان نے اس پہ اظہار محبت کا ایک مولیٰ بھی پنچھا اور نہیں کیا تھا، اس نے پھر جانا تھا کہ جہان کی محبت جو کوئی بھی تھی مگر وہ نہیں تھی۔

”آج ناشتہ نہیں ملے گا جناب!“ جہان نے اسے چونکانے کو باقاعدہ کھنکار کر کہا تب وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔

”رات کیوں آئے تھے میرے پاس آپ؟“ وہ لہجہ و انداز بدل کر نامن کی طرح سے پھنکار اٹھی، جہان تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟“ وہ ٹھنک کر بولا، چہرے پہ سکی کا احساس چھلک پڑا تھا۔

ماہنامہ حنا (39) اگست 2014

”ابھی بھی مجھ سے مطلب پوچھتے ہیں، مطلب پرست تو آپ لکھے، مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ کا نفس اس قدر کمزور ہوگا۔“ وہ جہان بوجھ کر ایسے الفاظ کا استعمال کر رہی تھی جس سے جہان کو زیادہ طیش آ سکے۔

”نہیں حواسوں میں ہوتم؟ اندازہ ہے کیا کہہ رہی ہو؟“ جہان ہا مشکل خود کو کنٹرول کر رہا تھا، البتہ اس کا چہرہ اب لہجہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

”ابھی تو حواسوں میں لولی ہوں، آپ نے میری کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، میں پوچھتی ہوں آپ نے میری اجازت کے بغیر مجھے چھوا بھی کیسے؟“ اس نے بھڑکتے ہوئے سائیڈ پہ پڑا گلدان اٹھا کر زور سے زمین پہ مارا تھا، جہان کا ضبط بھی بس یہیں تک تھا۔

”چیفو مت، اپنی گھٹیا اور فصول بکواس بند رکھو، معاذ یہیں ہے اس تک تمہاری آواز نہیں جانی چاہیے۔“ وہ آگے بڑھ کر اس کے بازو کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے بولا تھا۔

”چیخوں نا، بکواس بند کرنا چاہتے ہیں؟ میں ساری دنیا کو آپ کی اصلیت دکھاؤں گی۔“ وہ طیش میں آئی وہ اسے دھکا دے کر اگلے قدموں پیچھے ہٹ گئی تھی کہ اس کی ہلے اختیار کر رہی تھی بے دم سی ہو کر نیچے بیٹھ گئی، وہ ننگے پاؤں تھی، کچھ دیر قبل نوٹے دان کے نوکیلے ٹکڑے اس کے پیروں میں کھب کر اسے زخمی کر گئے تھے، خون بہت تیزی سے نکل کر ماربل کے سفید فرش کو رنگین کرنے لگا، جہان جو شاکڈ کھڑا تھا سب کچھ بھلا کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

”مائی گاڈ..... کیا کیا ہے یہ تم نے؟“ وہ جیسے صدے سے چور آواز میں بولا تھا، نہیب بے حس سی بیٹھی رہی۔

”انٹھو ادھر بند پہ آؤ۔“ جہان نے اس کے پیروں سے پہلے نوکیلے کاغذ کھینچے تو خون کا اخراج کچھ اور تیزی سے بڑھا تھا جسے ایک نگاہ دیکھتے اسے سہارا دینا چاہا مگر وہ بری طرح سے چلی تھی۔

”زونت نیچے می او کے؟“ اس کے نیچے میں غراہٹ تھی، جہان سخت عاجز ہوا تھا پھر جیسے اس کی بات پہ دھیان رہے بغیر اٹھا کر اسے قمر میں صوفے پہ بٹھا دیا اور خود معاذ کو بلانے بھاگا تھا، نہیب نے دھند آلود نظروں سے اپنے زخمی پیروں پہ نگاہ کی تو جیسے گلیجہ منہ کو آنے لگا، زخم بے حد گہرے تھے اور خون اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا، تکلیف کا احساس تو ایک طرف تھا اسے تو اتنے خون نے عجیب سی وحشت سے دو چار کیا تھا، تب ہی سلیپنگ گاؤن کی کھلی ڈوریوں کو غلجٹ میں باندھتا بکھرے بالوں اور سرخ آنکھوں میں پریشانی کا تاثر لئے معاذ وہاں آیا تھا اور نہیب کی حالت دیکھ کر وہ چند ثانیوں کو بھونپکا رہ گیا تھا۔

”زینی پیر ادھر کرو۔“ معاذ تیزی سے حرکت میں آتے ہوئے چھوٹی ٹیبل گھسیٹ کر سامنے رکھنے کے بعد خود اس کے پیر اٹھا کر اس انداز سے نکائے تھے کہ زخموں کا معائنہ کرنے اور مرہم پٹی کرنے میں سہولت رہے اور اسی بل وہاں میڈیکل باکس کے ساتھ پہنچنے والے جہان سے باکس لے لیا تھا، یہ فرسٹ ایڈ کا سامان اس کے پاس ہر وقت کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں کام آنے کو موجود ہوا کرتا تھا۔

”اسجنگ ہوگی جے تم ایسا کرو زینی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں بستر پہ لٹا دو، زخم بہت گہرے ہیں، اسے پہلے انجکشن لگنے ہوں گے۔“

میڈیکل باکس نوکھول کر اپنی مطلوبہ دوائیں اور اوزار نکالتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی کے ساتھ

جہان سے مخاطب ہوا تھا، جہان اپنی جگہ پہ مضطرب سا کھڑا رہ گیا، نینب کی جو ذہنی حالت تھی کچھ پتہ نہیں تھا وہ معاذ کے سامنے بھی کیا کچھ بول جاتی تھی وجہ تھی کہ وہ اس کے پاس جانے کے خیال سے بھی خائف نظر آ رہا تھا، معاذ انکشاف تیار کر چکا تھا اس کی اس پس و پیش کو پٹ کر حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔

”جے..... کچھ کہا ہے تم سے میں نے۔“ وہ نرمی سے جھنجھایا تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اسے پہلی بار جہان پہ غصہ آیا تھا، نینب کی تکلف اور حالت کے باوجود اس کی یہ خاموشی جو بے حسی کی طرف اشارہ کر رہی تھی معاذ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی جہان نے ہونٹ کیلے پھر کسی قدر گریز کرنی نظروں سے نینب کو دیکھا تھا، وہ سر جھکاتے ہوئے بیٹھی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات کا وہ ہرگز بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔

”میں خود وہاں چلی جاتی ہوں لالے!“ وہ بھگی اور مدہم آواز میں بولی اور اسی ارادے سے اٹھنا چاہا تھا کہ معاذ نے گھبرا کر اسے تھاما تھا۔

”زینی تم فی الحال تو کیا اب اگلے بہت سارے دن تک چلنے کے قابل نہیں رہی ہو اگے؟“ اس نے کس قدر دکھ اور تاسف میں جتا ہو کر یہ بات کہی تھی، جہان نے اس انکشاف پہ پہلو بدل کر معاذ کو دیکھا تھا۔

”تم کس سوچ میں گم ہو جے؟ کچھ کہا ہے تم سے، اگر میرے سامنے شرمارہے ہو تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔“ اب کے معاذ کے لہجے میں جتلاتی ہوئی ناراضی تھی، جہان کو دل کڑا کر کے آگے بڑھنا پڑا، نینب کو اٹھاتے ہوئے اس کی نگاہ ایک لمبا کو اس کے چہرے پہ ٹھہری تھی، اسے ہونٹ بھیج کر چہرے کا رخ پھیرتے دیکھ کر اسے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا اور جب وہ اسے بستر پہ لٹا کر سیدھا ہو رہا تھا، جو اس وقت اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا اس کی شرٹ نینب نے منہیوں میں بھیج رکھی تھی، اتنی شدت سے کہ جہان کو باقاعدہ زور لگا کر پھڑپھڑی تھی، اس نے حیران آنکھیں زدہ نگاہ سے نینب کا چہرہ دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا اور لمبی ریشمی پلکوں سے بھی آنکھیں سختی سے بند تھیں، جہان کو عجیب سے احساسات نے گھیر لیا اس نے انہی احساسات سے چچھا چھڑانے کو نینب کے ہاتھوں کو زور سے جھٹکا تھا اور فاصلے پہ ہو گیا، جب تک معاذ نینب کے زخموں کی مریم پٹی کرتا رہا نینب کے آنسو اسی شدت سے بہتے رہے تھے۔

”زینیکس زینی گڑبا! میں تمہیں چین بھر دیتا ہوں، ابھی درد ختم ہو جائے گی۔“ معاذ نے اپنے تئیں اسے تسلی دی تھی، پھر چند منٹیں نکال کر جہان کے آگے رکھی تھیں۔

”یہ نینب کو کھلا دو جے، نیند کی بھی دوا ہے اس میں۔“ جہان کو ناچار دوا لیتی پڑی تھی، پانی کا گلاس اٹھایا اور جھک سے پانی نکال کر اس کے پاس آگیا تھا، جہان نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر گولیاں ہتھیلی منتقل کی تھیں اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، نینب کی آنسوؤں سے چھلکتی نظریں مستعلیٰ اسی پہ جمی ہوئی تھیں، جہان کو اس کی انہی نگاہوں سے تپ چڑھ رہی تھی۔

”کیا ثابت کرنا چاہتی تھی وہ معاذ کے سامنے کہ سارا قصور اسی کا تھا۔“

(وہ وقت گزر گیا نینب بیگم جب تم ہر الزام مجھ پہ رکھ کر بری ذمہ ہو جاتی تھیں، تمہاری اب کی کوئی بھی بد تمیزی کے جواب میں میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔)

ماہنامہ حنا (41) اگست 2014

اس کا دماغ کیسے دھویں سے بھرنا جا رہا تھا، زینب نے دوا بھاگی اور پانی کے چند گھونٹ بھرے، گلاس واپس رکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے بھیگی آنکھوں کو رگڑا تھا، اس دوران کاٹ سے فاطمہ کے رونے کی آواز آنے لگی، زینب کے ساتھ معاذ اور جہان نے بھی چوٹ کھ کر اس سمت دیکھا تھا، معاذ نے دانستہ تعافل برتا تھا، جہان البتہ اس کی کیفیت سے انجان آگے بڑھ چکا تھا، فاطمہ کو کاٹ سے اٹھا کر اس نے اپنے طور پر بہلانے کی کوشش کی مگر بچی بے چین ہو رہی تھی ماں کی آغوش کو۔

”تم دونوں آپس میں ابھی تک بات نہیں کر رہے ہو؟“ معاذ نے جہان کے گریز اور زینب کی بے نیازی سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے فاطمہ کو زینب کی گود میں دیا اور جواب میں کچھ کے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

”تمہیں نہیں لگتا ہے جے کہ تم لوگ ایک معمولی جھگڑے کو طول دیئے جا رہے ہو؟“ معاذ بے بسی سے کہتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”تمہاری بہن کا دماغ خراب ہو گیا ہے معاذ! میری بجائے بہتر ہے یہ بات تم اسے سمجھاؤ۔“ وہ بھڑک کر پھٹ پڑنے کے انداز میں بولا تو معاذ نے اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا سمجھاؤں؟ مجھے کسی بات کا سرا بھی تو تھاؤ، ایسی کون سی رازداری کی بات ہے آخر؟“ معاذ کے سوال پر جہان کا چہرہ ایکلخت سرخی مائل ہو کر رہ گیا۔

”میں ناشتہ بنانے جا رہا ہوں، جو کھانا ہے بنا دو۔“ اس کا سوال یکسر نظر انداز کیے وہ ایک نئی بات کر رہا تھا، معاذ بری طرح سے جھلا گیا، جہان کمرے سے جا چکا تھا، معاذ ہاتھ لے کر تیار ہونے کے بعد وہاں آیا تو جہان ناشتے کی ٹرے وہیں لے آیا تھا۔

”مجھے ابھی واپس جانا ہو گا جے، تم لوگ تو رکو مگے نا؟“ معاذ کرسی تھپٹ کر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کر چکا تھا۔

”مجھے بھی رک کر کیا کرنا ہے، آج شام تک ہو سکتا ہے آجائیں۔“ جہان نے سلاکس پہن لگا کر پیٹ اس کے آگے رکھی۔

”چائے پوڈ کے پا جوس دوں؟“

”تم ناشتہ کرو یا ر میں لے لوں گا اور واپس کیسے آؤ گے، زینب ایک قدم چلنے کے بھی قابل نہیں ہے، اگر یہ واز نوٹا تھا تو تم لوگوں کو چاہیے تھا اس کی گرجیاں کم از کم سائیڈ پہ کر دیتے، حد ہے ادا پر وانی کی۔“ معاذ کو پھر سے تاسف گھیرنے لگا۔

”یہاں بھی تو میں نہیں رک سکتا نا، اتنے دن، پھر ہر روز اس کی ڈریسنگ چینج ہوتی ہے، میں کہاں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا، اگر یہاں کے آپس بھی جاؤں تو پیچھے اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟“

جہان کے لہجے میں اتنی جھنجھلاہٹ اور بے زاری تھی کہ معاذ کی آنکھیں حیرت کے واضح اظہار کے طور پر پھیلتی چلی گئیں، اسے یقین نہیں آ سکا تھا یہ جہان ہے، وہی جہان جسے زینب کو کھودینے کے احساس سے بے حال ہو کر بار بار مرتبہ آنسو بہاتے وحشت زدگی کے عالم میں وہ دیکھ چکا تھا، اسے ایسی چپ لگی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکا، ناشتے سے بھی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا، تب ہی جہان کو اپنے رویے کی شدت کا اندازہ ہوا تھا جیسی نفٹ کا گہرا احساس رگ و پے میں سرایت کرنا چلا گیا۔

ماہنامہ منا (42) اگست 2014

”جانہیں رہے ہو تم؟“ جہان اسے اٹھ کر لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز ہوئے دیکھ کر مدہم سے انداز میں استعجابی لہجے میں بولا تھا۔

”میں شام کو تمہارے ساتھ ہی چلوں گا، نینب اور فاطمہ کو اکیلے تم کہاں سنبھال سکو گے، کسی بھی فلائیٹ سے تم سیس کنفرم کرا لو۔“ معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ بچھنچھ لئے تھے، صاف پتہ چلتا تھا وہ اس کی گفتگو سے ہرٹ ہوا ہے، جو بھی تھا اس میں معاذ کا قصور کہیں بھی نہیں نکلتا تھا، اسے کم از کم معاذ کے سامنے یوں ہاتھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

”آلی ایم ساری نار دیٹ۔“ جہان نے اس کے ہاتھ کو تمام کرنزی سے دبایا تھا، معاذ نے لمحہ بھر کو سرخ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”اس اوکے، میں سمجھ سکتا ہوں تم لازماً کسی کریمٹھل چویشن کو فیس کر رہے ہو، میں نے مانیڈ نہیں کیا بس تمہارا بوجھ ہانپنا چاہتا ہوں۔“ اس کا لہجہ صرف مدہم نہیں تھا بوجھل بھی ہو رہا تھا۔

”مجھے نینب بہت پریشان کر رہی ہے معاذ، کل ڈائورس کا مطالبہ کر رہی تھی مجھ سے۔“ اس نے بچھنے ہوئے لہجے میں کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ سکتے میں آگیا تھا۔

”کیا کہہ رہے ہو جے؟“ اس کے حلق سے سرسراہٹ آواز نکلی تھی، جس میں غیر یقینی اور استعجاب کا تاثر چھلکتا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ اس کے چہرے پہ بے بسی سی بے بسی تھی۔

”کہیں وہ اس بات سے تو خائف نہیں کہ تمہاری غل ہوئی توجہ اسے پریشان کرتی ہے؟“

”لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ سکری فائز ڈالے نے ہی کیا ہے۔“ کچھ تاخیر کے بعد معاذ نے پھر کہا تو اس کی آواز میں دہاد باغصہ تھا۔

”اتنا تو میں بھی جان سکتا ہوں کہ اس کی کیفیات متضاد ہیں، وہ کسی بات پہ شدید ٹینشن میں مبتلا ہے، ایک لمحے اگر غصے میں ہوتی ہے تو دوسرے لمحے اس قدر بے چین حراساں اور مضطرب، معاذ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے شیر نہیں کرے گی، تم یہ کوشش کر کے دیکھو۔“ جہان نے کسی خیال کے تحت کہا تھا، معاذ گہرا سانس بھر کے سرکونگی میں جنبش دینے لگا۔

”وہ مجھ سے ہرگز بھی اتنی بے تکلف نہیں ہے کہ اپنی الجھن یا پھر پریشانی کو مجھ سے کہنے پہ آمادہ ہو جائے، میری نسبت وہ تم سے زیادہ کلوزر ہی ہے ہمیشہ تم خود کیوں نہیں کرتے یہ کوشش۔“

”افوہ یار۔۔۔۔۔ اس کی ٹینشن کا باعث ہی میری ذات ہے، مجھ سے کیسے کہے گی وہ، مجھے کبھی تو لگتا ہے وہ اب بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، ایک بار پھر اس پہ زبردستی ہو گئی ہے۔“ جہان بیک وقت پریشانی، فکر اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔

”ایسی فضول باتیں مت سوچو جے، نینب ایسا مزاج نہیں رکھتی کہ اس پہ زور زبردستی چل سکے۔“

”پھر تم اسے جانتے ہی نہیں ہو، وہ پہلے والی نینب کہیں سے بھی نہیں رہی، بالکل بدل گئی ہے۔“

جہان کے پر زور اور پر یقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بھرتی چلی گئی تھی۔

”میں تو پہلے ہی اعتراف کر چکا ہوں جناب کہ مجھ سے کہیں زیادہ آپ اسے جانتے ہیں، سو آپ کی بات پر اتفاق کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔“ اس کے شکستہ لہجے نے جہان کے چہرے پر نجات کی سرخی بکھیری تھی وہ جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگا۔

”محترمہ نے کچھ کھائے پیئے بغیر ہائی پونسی کی دوائیں نگل لی ہیں، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، ناشتہ دے آؤں۔“ وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولا تو معاذ نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

”رات بھر وہ تمہارے ساتھ تھی، تمہیں خیال کرنا چاہیے تھا اس بات کا اگر وہ بھوکی تھی تو دوا نہ کھلاتے، مجھے کیا پتہ تھا۔“ معاذ اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

”پریشانی ہی ایسی تھی کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہ پایا۔“ جہان نے سخت زدہ انداز میں گویا اپنی صفائی پیش کی، معاذ کو ایک دم وہ بہت اچھا لگا تھا۔

”جے کل اور پھر آج صبح جو کچھ میں نے دیکھا اس کے بعد کئی بات ہے میں بہت خائف ہو گیا تھا تم سے یہ بھی حقیقت ہے نضب کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت کو جاننے کے باوجود مجھ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، پہلے اور بعد میں بھی میں اسے تمہارے حوالے کرنے کے حق میں اسی لئے تھا کہ جانتا تھا تم اس کی بہت اچھے انداز میں کیئر کر لو گے، کل سے تمہارے رویے نے مجھے الجھایا ہی نہیں پریشان بھی کر دیا تھا مگر اب..... جے مجھے پھر تسلی ہوئی ہے کہ تم وہی جے ہو کیئرنگ اور لوگ جے جس کو نضب سے خصوصی طور پر محبت ہے، اس کی بدتمیزی کو سدھارنا ضرور ہو گا، ہمیشہ کے لئے اس سے خفا نہیں ہونا کہ وہ پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہے، اس نے اپنی تھوڑی سی غلطی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتا ہے۔“ معاذ کی آواز مدہم ہوتے آخر میں بالکل بوجھل ہو گئی تو جہان نے ٹرے واپس رکھ کر اسے تمام کر گلے سے لگا لیا تھا۔

”تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے معاذ، وہ جتنی بھی بدل گئی ہو، میں وہی ہوں اور انشاء اللہ وہی رہوں گا بھی، صرف اس کے لئے نہیں باقی سب کے لئے بھی، کیا میں نہیں جانتا نضب میری پوری فیملی کے لئے سنی اہم ہے۔“ وہ اسے تھپکتے ہوئے تسلی بھرے انداز میں بولا تو معاذ نے اس کے کانڈھے سے سر اٹھایا تھا۔

”صرف فیملی کے لئے؟“

”نہیں میرے لئے بھی، میرے باپ۔“ وہ جھینپ کر اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے بولا تو دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

ہٹا ہٹا ہٹا

جہان نے سرے سے اس کے لئے تازہ ناشتہ تیار کر کے لایا تو اسے وہ بیڈ پر نظر نہیں آئی تھی، وہ حیران پریشان سا نظریں گھما کر اسے پورے کمرے میں دیکھنے لگا، زخمی پیروں کے ساتھ وہ بھلا کہاں جا سکتی تھی، ٹرے رکھ کر وہ سیدھا ہو رہا تھا جب واش روم کے دروازے کا ہالٹ کرنے کی آواز پہ چونک کر پلٹا، کیلے بالوں کو تو لیے میں لیٹے وہ چہرے پہ تکلیف کے آثار لئے دروازے کا سہارا لئے بچوں کے بل کھڑی نظر آئی تو جہان کا تشویش کے ساتھ غصے سے بھی برا حال ہو کر رہ گیا تھا، وہ سرعت سے اس کی جانب آیا تھا اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے ہاتھوں پہ اٹھا لیا تھا، نضب کو اس کی اس حرکت نے پہلے

ماہنامہ منا (44) اگست 2014

ششدر کیا پھر وہ بری طرح سے پھر کر رہ گئی تھی، مگر جہان نے اس کی مداخلت کو خاطر میں لائے بغیر بیڈ پہ ہی لا کر اسے چھوڑا تھا۔

”کیا بد تمیزی تھی یہ.....؟ میں کہہ چکی ہوں نا میرے ساتھ زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیل کر نفث زدہ چہرے کی گریز پائی کے ساتھ دے لے لے لے میں چلائی۔

”دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے شاید، سنا نہیں تھا کیا کہا تھا معاذ نے، اگر دانش روم جانا تھا تو مجھے کہا ہوتا، ناں مار لیا ہو گا زخموں کا، مجھے لگتا ہے نکلے نکلے گلے ہیں۔“ جہان نے اس کے پیروں پہ موجود سفید پٹیوں کو پھر سے خون سے رنگین ہوتے دیکھ کر پریشانی سے کہا تھا۔

”میں مر بھی رہی ہوں گی نا، تب بھی آپ کا سہارا لینا مجھے گوارا نہیں ہو گا، سمجھے آپ؟“ اس کی ذہنی حالت پھر سے بگڑنے لگی، جہان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر یونہی دیکھتا رہا۔

”میں جانتا ہوں نذیب تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو، لیکن پریشان کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے، میرا نہیں کم از کم خود سے وابستہ دوسرے لوگوں کا ہی خیال کر لو، معاذ بہت اپ سیٹ ہے اس وجہ سے۔“ اس نے خود کو کپوڑا رکھتے ہوئے بہت تسلی سے اسے سمجھانا چاہا تھا اور ناشتے کی ٹرے اس کے آگے رکھی۔

”مجھے نہیں کھانا یہ، اٹھائیں اسے۔“ نذیب نے بے حد بد تمیزی سے ٹرے کو دور سر کا یا، جہان ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

”آخر کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟“ وہ جیسے تنگ پڑنے لگا تھا۔

”میں کل بتا چکی ہوں آپ کو، بھول گئے ہیں یا پھر سے سنا چاہتے ہیں؟“ نذیب نے طنز آمیز نظروں کو اس پہ بھایا، جہان کو پھر سے اپنا ضبط آزما نا پڑ گیا تھا۔

”تم جو مرضی کر لو، میں بھی تمہاری یہ فضول بات نہیں مانوں گا، شادی تمہارے نزدیک کوئی کھیل ہو گی مگر میرے نزدیک ایک مقدس بندھن ہے، جسے بار بار بنایا اور بگاڑا نہیں جاتا۔“ نذیب نے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر باہر چلا گیا تھا، ایسے میں تیمور کی کال پھر سے آنے لگی تو نذیب نے انجام کی پرواہ کیے بغیر سیل فون اٹھا کر دیوار سے دے مارا تھا۔

☆☆☆

”میں اب چل سکتی ہوں لالے؟“ معاذ اس کے پیروں کی ڈریننگ بدل کر سیدھا ہوا تو نذیب نے اکتاہٹ آمیز انداز میں استفسار کیا تھا۔

”نا نکلے گلے ہیں زخم بھی بہتر ہے پہلے سے، مگر تم کچھ اور ریٹ کر لو گی تو تمہارے حق میں اچھا ہو گا۔“

”میں اکتا گئی ہوں لالے، پلیز مجھے چلنے دیں نا۔“ اس نے بے بس سے انداز میں منت کی تھی، وہ لوگ پرسوں ہی واپس کراچی آ گئے تھے، نذیب کی اس دن سے خصوص دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

”تھوڑا بہت چل پھر لیا کرو، مگر زیادہ نہیں، کوشش کر دو کسی کا سہارا لے لو، اس سے زخموں پہ زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔“ معاذ نے اس کی حالت پہ رحم کھاتے ہوئے جہاں اجازت دی وہاں ساتھ میں ہدایت بھی جاری کی تھی۔

”زینی آیا آپ میرا سہارا لے کر آ جائیں، میں آپ کو لان میں لے چلتی ہوں، موسم بھی بہت اچھا

ماہنامہ حسنا (45) اگست 2014

ہو رہا ہے۔" ڈالے جو اس کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی، نرمی سے بولی تھی، زنب نے جواب میں سر دھکا ہوں سے اسے دیکھا۔

"تم اپنی ساری ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھو سمجھیں، ضرورت نہیں ہے مجھے ان کی۔" بدلتا علی کے اس مظاہرے نے صرف ڈالے کو ہی فحشت زدہ نہیں کیا معاذ کو بھی اپ سیٹ کیا تھا۔

"ڈالے بھابھی آپ کو بے کچھ دیر پہلے بلا رہا تھا، شاید آپ کچن میں تھیں تب۔" معاذ نے اس کی اڑتی ہوئی رنگت اور فحشت زدہ تاثرات سے خود شرمسار ہوتے ہوئے نرمی سے کہہ کر گویا خود زنب کے رویے کی عافی کرنا چاہی تھی، وہ محض سر ہلا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"حسن کے احسان کے بدلے برائی کرنے والے لوگ کم ظرف اور پست سوچ کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں زنب، تمہیں کم از کم ڈالے بھابھی سے یہ رویہ سوٹ نہیں کرتا۔"

"حسن؟ کون سا احسان کیا ہے اس نے مجھ پہ لالے؟ اسی کی وجہ سے زندگی تنگ ہو کر رہ گئی ہے مجھ پہ۔" وہ بھڑک کر اس یہ الٹ بڑی تھی۔

"ڈالے بھابھی کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہے کی بیوی ہوتی تو آج تمہاری بھی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی تھی۔" معاذ نے نا چاہتے ہوئے بھی اسے آئینہ دکھایا تھا، زنب کی رنگت جانے کس احساس کے تحت سرخ پڑ گئی۔

"ہمدردی کی آڑ میں جو چہرہ اس نے میری پشت میں کھوپا ہے اس کی حقیقت سے آپ کہاں آگاہ ہو سکتے ہیں، کاش ایسا نہ کرتی وہ۔" اس نے ہنسنے لگا کہنے پہ معاذ نے جواباً اسے بہت غصے سے دیکھا تھا۔

"تمہارا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟"

"میں اس موضوع پہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی لالے۔" زنب نے قطعیت بھرے ٹھوس انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا، معاذ نے ہونٹ پیچنے لگے پھر اٹھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں جتلا کر گویا ہوا تھا۔

"اگر تم اپنے مسائل شیر کرنے پسند نہیں کرتیں تو پھر بہتر ہے اپنا رویہ درست رکھو، مجھے آئندہ شکایت نہیں ملنی چاہیے۔" اس کی سخت تنبیہ کے جواب میں زنب نے دانت پیچنے لگے تھے، معاذ کمرے سے نکل کر باہر ان میں آیا تو ڈالے کرسی پہ اکیلے بیٹھی فون پہ بات کرنے میں مصروف تھی اور کسی قدر مضطرب لگتی تھی۔

"میں نے کب کہا می کہ آپ نے غلط سنا ہے، میں آپ کو جتلا بھی نہیں رہی، اوکے ہم پھر بات کر لیں گے میں خود آپ کو کال بیک کروں گی می، ڈونٹ وری۔" معاذ کو دیکھ کر اس نے گفتگو سمیٹ دی تھی اور سیل آف کر کے جبری مسکان لبوں پہ سجا کر اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی، وہ جانتا تھا وہ بہت روادار تھی مگر وہ اس حد تک اعلیٰ ظرف ہوگی اسے اندازہ نہیں تھا، زنب کی سخت ست من کر بھی اور معاذ کی خاموشی کے باوجود بھی وہ جیسے سب کچھ فراموش کیے اپنی اس نرم مسکراہٹ اور لہجے کی چاندی لٹا رہی تھی، معاذ کے دل میں اس کی عزت و توقیر کچھ اور بڑھنے لگی۔

"مجھے آپ سے زینہ کے ایٹی ٹیوڈ پہ ایکسکیوز کرنا تھا بھابھی، اچھو نیلی وہ ان دنوں بہت اپ

ماہنامہ حنا (46) اگست 2014

سیٹ.....

”کم آن معاذ بھائی..... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“

”شرمندہ تو میں ہو رہا ہوں آپ سے بھابھی، آپ کی اچھائی اور اعلیٰ ظرفی کے سامنے۔“ معاذ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، ڈالے خفیف سانس پڑی۔

”آپ مجھے انسان ہی رہنے دیں، فرشتوں میں شامل نہ کریں پلیز، جب آپ سے اس قسم کی باتوں کو سختی ہوں تو مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے میں اس گھر کے فریقین سے الگ ہوں، جسے اس کی کسی اچھائی کا خصوصی بدلہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہو، بھائی اپنوں کے لئے تو سب ہی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں ناں اس میں احسان یا شکر یہ کی بات نہیں ہوئی، پھر یہ میں نے کوئی خصوصی کام کیا بھی نہیں ہے، شاہ میرے شوہر ضرور ہیں مگر جاگیر ہرگز نہیں تھے کہ میں نے انہیں کسی اور کے نام کر کے قربانی دی ہو۔“ معاذ نے اس کی بات کے جواب میں مسکرا کر اسے تو صلی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”آپ کی سوچ بھی اعلیٰ ہے ماشاء اللہ! مگر اپنوں میں اگر شکر یہ نہیں ہوتا تو اچھائی کے بدلے اچھے جذبات ضرور ہونے چاہیں، اس سے نیکی کے جذبے کو تقویت ملتی ہے اور نیکی پروان چڑھتی ہے، زینب کا ایسی نیوڈ غلط ہے، مگر وہ کچھ آپ سیٹ ہے، کہنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ پلیز ہرٹ نہیں ہونے گا۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں بھائی! آپ پلیز میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔“ ڈالے نے مسکرا کر اس کی تسلی کرائی تب معاذ کسی قدر ریلیکس ہو کر وہاں سے اٹھا تھا، اس کے جاتے ہی ڈالے کا فون پھر سے بجنے لگا، ڈالے نے نمبر پر دھیان دیئے بغیر معاذ کی باتوں کو سوچتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

”ڈالے کیسی ہو میری جان؟“ نیلما کی خوش باش چمکتی آواز پہ ڈالے بری طرح سے خائف ہو کر رہ گئی تھی۔

”کیوں فون کیا ہے؟ تمہیں پتہ ہے نامہری شادی ہو چکی ہے اب۔“ اس کی بے چین نگاہیں ادھر ادھر پھسلیں، دور دور تک کوئی نہیں تھا مگر وہ پھر بھی بری طرح پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

”شادی ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہوتا سویت ہارٹ کہ اپنوں سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔“ نیلما نے اس کی بات کا یقینا پرانا تھا جیسی جھٹلانا ضروری سمجھا۔

”میرا تم سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں تھا، یہ بات میں متعدد بار تمہیں بتا چکی ہوں۔“ اب کے ڈالے نے گویا اسے اس کی اوقات یاد دلانی تھی، دوسری جانب جانے نیلما پہ کیا کیا ہوتی تھی۔

”تمہارے کہنے سے تعلق ختم نہیں ہو جائیں گے، میں جب تک زندہ ہوں تم سے تعلق بھائی رہوں گی، اب تک ملک سے باہر تھی، اتنا عرصہ یاد نہ کرنے کی وجہ یہ ہی تھی۔“

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ اس بات کو کیوں نہیں سمجھتیں؟“ وہ جھلا اٹھی تھی۔

”اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہاری شادی کو، اپنا دولہا بھی نہیں دکھایا، ملنے تو خیر کیا آؤ گی، اپنی شادی کی تصویر ہی بھیج دو مجھے، آنکھیں ترس رہی ہیں تمہاری صورت کو۔“ اس کی دل شکن بات کے جواب میں وہ اسی تڑپ سے کہہ رہی تھی جو اس کے لئے ہمیشہ نیلما کے لہجے و انداز سے چھلکا کرتی تھی۔

”اگر میں نے تمہیں تصویر بھیجی تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے، اس کی وجہ کیا ہے، کتنی عجیب ہے تمہاری فطرت، جان بوجھ کر ہرٹ ہوتی ہو مجھ سے۔“ ڈالے نے اسے سخت ترین الفاظ میں بے نقط سنا

کر رابطہ منقطع کر دیا تھا، سیل فون واپس رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نمی پھیل کر دوپٹے میں گم ہو گئی، کچھ آنسو اتنے بے مایا ہوتے ہیں کہ اپنی حیثیت لمحوں میں کھو جاتے ہیں، بننے کی وضاحت کیے بغیر، یہ آنسو بھی ایسے ہی تھے، بے مایا، حقیر بغیر وضاحت کیے اپنا وجود کھودینے والے۔

ہٹ ہٹ ہٹ

میرے ظرف کا یہ قصور تھا کہ میں درد دل نہ چھپا سکا
میرے ظرف نے بھی دغا دیا میں تو ظرف بھی نہ بچا سکا
میرا نفس اک الاؤ تھا میری روح تک کو نگل گیا
کہ میں خواہشوں کے الاؤ کو نہ جلا سکا نہ بجھا سکا
میں مجھ کو جو بھی اذیتیں تھیں وہ انہوں کی عنایتیں
میں تمام عمر اسی خوف سے کوئی اپنا پھر نہ بنا سکا
مجھے مفلسی نے تھکا دیا میرے دلوں کو سلا دیا
مجھے لوگ کہہ کے جدا ہوئے کہ یہ رشتے نہ بچھا سکا

بہت طوفانی موسم تھا، آندھی بارش اور بجلی کی گرج چمک، وہ ٹھیکس پہ کھڑی بارش میں بہہ جھکی رہی عجیب سی بے چینی اور وحشت اس کے وجود میں چمک پھریاں کھائی پھرتی تھی، اک طرف دل تھا اک طرف تیمور خان کی دہشت کے حصار میں جکڑنے والی روز بروز پڑھتی ہوئی دھمکیاں..... وہ ہر صورت اسے دوبارہ سے حاصل کرنے کو پاگل ہوا چاہتا تھا، ابھی کچھ دیر قبل پھر اس کے پیچ تسلسل سے آتے رہے تھے، جن میں اپنے مطالبے کی شدت کا اظہار مجھوتا نہ کیفیت میں اس تک پہنچایا گیا تھا۔
(اتنی دیر کیوں کر رہی ہو تم؟ ایسا نہ ہو صرف پچھتاوے تمہاری جھولی میں آگریں، خود کشی کے متعلق سوچنا بھی مت، میں تمہاری پوری نیکی کو زندہ درگور کر دوں گا۔)

اسے تیمور خان کے الفاظ ازبر ہو چکے تھے، آنسو بارش کے پانی کے ساتھ گھلنے لگے، کون تفریق کرتا بارش کی بوندوں اور کرب آمیزی کی انتہا پہ جا کر بہتے آنسوؤں میں..... بظاہر تو وہ بارش ہی انجوائے کر رہی تھی۔

ممانے اسے بھیگتے دیکھ کر ٹوکا بھی تھا مگر اس پہ جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آرہی تھی وہ ایسا کیا کرے، جس سے سوائے اس کی اپنی ذات کے نقصان کے سب ٹھیک رہے اور تیمور کا مطالبہ بھی پورا ہو جائے۔

”زینی اندر جاؤ اب، بے موسم کی بارش میں اتنی دیر بیٹھنا بیمار کر دے گا تمہیں۔“ معاذ وہاں سے گزرا تو زنی سے ٹوکا تھا، وہ چونک گئی اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی، کمرے میں اندھیرا تھا، فاطمہ جانے کہاں تھی، اس نے لابیٹ آن کی اور اپنے لئے کپڑے نکالنے لگی، معاذ کی بات غلط نہیں تھی، اسے ٹھنڈ محسوس ہونا شروع ہو چکی تھی، جیسی جو لباس ہاتھ لگا کھینچ کر واش روم میں چلی گئی، ہاتھ لے کر کپڑے بدلے وہ باقاعدہ ٹھنڈ کر رہ گئی تھی، ابھی لابیٹ بند ہوئی تو ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا، اس نے گہرا سانس کھینچا اور دروازہ کھول کر اندازے سے چلتی بیڈ تک آئی تھی، ٹھنڈ اور درد سے ٹوٹتے بدن کو بستر پہ گرا کر اس کی خواہش سکون پانے کی تھی مگر اس کا سر زور سے کسی کے بازو سے ٹکرایا تو جیسے ری سی

ماہنامہ حسنا (48) اگست 2014

کسر بھی نکل گئی، اس کے اعصاب چنچ کر رہ گئے تھے، شاید نہیں وہ یقیناً جہان تھا جس نے بہت استحقاق بھرے انداز میں اسے بہت نرمی اور سجاؤ سے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر خود سے نزدیک کر لیا تھا، حالانکہ وہ فاصلہ بڑھانے اور دور ہونے کو بے قرار ہوئی تھی۔

"اس لو کے، فیک اسٹ ایزی۔" جہان کے بھاری لہجے میں قربت کے خمار کا تاثر اتر آیا تھا۔
 "مجھے چھوڑ دیں۔" اس کے لہجے میں اشتعال تھا نہ مگر اس کے برعکس عجیب سی بے بسی تھی، جیسے اسے کوئی کند چھری سے ذبح کر رہا ہو اور وہ اس اذیت کے خوف سے نڈھال ہو کر التجاء پہ اتر آئی ہو۔
 "نہیب.....!"

"پلیز بے..... مجھ پہ جبر نہ کریں، میں نہیں خوش رہ سکتی آپ کے ساتھ۔" وہ جیسے تھک کر اسی کے کاندھے سے چہرہ گزرتے ہوئے ہلک پڑی تھی۔

"تم جانتی ہو میں تمہارا یہ مطالبہ قیامت تک نہیں مانوں گا، البتہ اپنی پریشانی کی وجہ ضرور بتاؤ مجھے۔" جہان نے بھی جواباً غصہ اور مٹی بھلا دی، اس کے لہجے میں ایسی ہی نرمی اور سجاؤ تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو اس کی شرارت یا ضد سے باز رکھنے کو محبت سے سرزنش کی جائے۔
 "آپ کو یاد ہے جے اس رات آپ نے اک بات کہی تھی مجھ سے۔"

"کون سی بات؟" جہان کی توجہ اس کی بات سے زیادہ اس کے چہرے پہ تھی، اس کی نرم بھگی پلکوں کو اس کے سینم میں نہائے ہونٹوں کو اور مسکتے مشکوہ بالوں کو وہ ایک بے خودی کے عالم میں چوم رہا تھا، نہیب نے اسے روکنے کی سعی کی تھی مگر وہ ایسی رکاوٹ کو خاطر میں کہاں لا رہا تھا، شاید اس نے خود سے عہد کر لیا تھا، نفرت اور بے زاری کی کاٹ کو محبت سے کند کرنے کا، نہیب کو ایسے ہی لگا تھا۔

"آپ نے کہا تھا آپ کو مجھ سے محبت ہے، یہ سچ ہے ہے؟"
 "مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا اب وہ اس کے نرم بالوں سے کھیل رہا تھا۔

"اگر میں اس محبت کے عوض آپ سے کچھ مانگوں تو دیں گے؟" نہیب کے سوال پہ جہان کی گرفت اس کے وجود پہ حریہ سخت ہو گئی۔

"کیا چاہتی ہو مجھ سے نہیب؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا، ایسٹ ایکدم سے آگئی تھی، پورا کمرہ اس روشنی سے جگمگا اٹھا مگر وہ دونوں اسی طرح ایک دوسرے کے نزدیک رہے تھے، جہان کے چہرے پہ اس سول کے بعد اک الجھن اور کس قدر اضطراب در آیا تھا، نہیب کی رنگت البتہ گلابی گلابی سی تھی، جہان اندازہ نہیں کر پایا یہ اس کی قربت کے باعث حجاب کا رنگ ہے یا پھر ضبط اور ناگواری کا تاثر۔

"مجھے اس محبت کا ثبوت چاہیے، دے سکتے ہیں؟" وہ اسے عجیب سے امتحان سے دوچار کر گئی، جہان اس کا مطلب سمجھ کر ہی ساکن ہوا تھا، مگر پھر خود کو سنبھال لیا اور اپنا چہرہ اس کے کچھ اور قریب لا کر سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولا تھا۔

"حیرت ہے، تمہیں اسی رات ثبوت دے چکا تھا میں لیکن خیر پھر سہی۔" اس نے کاندھے اچکائے اور اس پہ مزید جھک کر خاص گستاخی بھرے انداز میں اس کے ہونٹوں کو چوم لیا تھا۔

"بس اتنا ثبوت کافی ہے یا اور فراہم کروں؟" اس کے لہجے و انداز میں جھلانا ہوا ہی نہیں شرارت کا

ماہنامہ حنا (49) اگست 2014

بھی رنگ گہرا تھا، زنب کو اس سے کہیں ایسے جواب کی امید تھی، پہلے ہونٹ ہونٹ پھر اسی لحاظ سے نفٹ زدہ شرم سے اس کا چہرہ ادبک کر سرخ ہوا تھا تو پلکوں پہ جیسے ایکدم بوجھ اتر آیا، جہان کی نگاہوں شوق و شرارت اور گستاخی کے بھرپور احساس کی پگھلی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئیں، اس نے بے دردی سے ہونٹ کانٹے تھے، مگر یہ کیفیت وقتی تھی اگلا احساس شدید سکی کا تھا، جہان کی اس فضول حرکت نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

”آپ کو جرأت کیسے ہوئی اس گھٹیا حرکت کی؟“ وہ چیخ کر بولی تھی، جواب میں جہان کے مغرور چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ اسے جلا کر خاکستر کر گئی تھی۔

”محترمہ اظلاما عرض ہے آپ بیوی ہو میری، اس قسم کی حرکتیں میں پہلے بھی سرانجام دے چکا ہوں مگر اس وقت محض آپ کی فرمائش پہ یہ سب ہوا ہے، یاد دلاؤں کہ ثبوت مانگ رہی نہیں آپ۔“ وہ اپنی سحر انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا تو زنب اتنا جھلائی تھی کہ اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت بات کہتی دروازے پہ بڑے زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ جہان نے بھی چونک کر دروازے کی جانب دیکھا، زنب کو اسی پل اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو سنبھل کر تیزی سے فاصلے پہ ہوئی اور کچھ فاصلے پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پہ پھیلائے لگی، جہان اٹھ کر دروازہ کھول چکا تھا۔

”جہان بھائی آپ کو اور زینی بچہ دونوں کو لالے نے نیچے لاؤنج میں بلوایا ہے۔“ حسان پیغام پہنچا کر پلٹنے لگا تو جہان نے بے اختیار روکا تھا۔

”خیریت ہے نا حسان؟“

”یہ تو آپ کو نیچے آکر پتا چلے گا۔“ حسان نے کہا تھا اور آگے بڑھ گیا، جہان نے اس کے جانے کے بعد گردن موڑ کر زنب کو دیکھا تھا۔

”چلو نیچے چلتے ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات بھی کرنے کی۔“ وہ پھنکارا تھی، جہان نے مسکراہٹ دبائی۔

”اس سے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں ایسے بہت سے کیلو کو جانتا ہوں جن کی ایک لمبھی کی بھی نہیں بنتی، کوئی آپس میں بات چیت نہیں مگر ہر سال ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے۔“

”یہ کیا بکو اس ہے؟“ زنب نے اس عجیب و غریب جواب پہ خونخواری سے اسے گھورا تھا۔

”مطلب ظاہر ہے میری جان! مجھے ابھی چند دن پہلے اندازہ ہوا کہ تم بہت حسین ہو، اسی وقت جب اچانک مجھے تم سے محبت ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے یہ انکشاف ہوا تھا، مجھے صاف لگتا ہے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود میں تم سے دور نہیں رہ سکوں گا۔“ وہ جیسے بہت خاص انداز میں بہت پتے کی بات اسے بتا رہا تھا، زنب کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا اور رگوں میں خون کی جگہ انگارے سے دوڑنے لگے، نجات کا احساس اس کی رنگت میں خون چھلکا گیا۔

”ہاں بے عزتی کی ایک یہ بھی نشانی ہو سکتی ہے۔“ اس نے دانستہ جہان کو آگ لگائی تھی، مگر مجال ہے اس نے برا مانا ہو، جیسی بے نیازی سے بولا تھا۔

ماہنامہ حنا (50) اگست 2014

انا ہستی تھی ہر اک خون کے قطرے میں میرے
خیر یہ عشق سے پہلے کی باتیں ہیں
اب کے وہ سراسر اسے جلانے کے سامیں کر رہا تھا، وہ اتنا جھلائی تھی کہ اسے دھکیلتی ہوئی اس سے
پہلے باہر نکل گئی، جہاں اس کے پیچھے لاؤنج میں آیا تو وہاں کے ماحول میں بہت عرصے بعد گرما گری
دیکھنے میں آئی تھی، زیادہ نور یہ ماریہ حسان کے علاوہ معاذ اور پرناں کے ساتھ ڈالے اور بھابھی کے ساتھ
نہنب اور جنید بھائی بھی موجود تھے، ٹیبل پہ موسم کی مناسبت سے پکوان کے علاوہ بیکری سے بھی اسٹیکس
منگوا کر اچھا خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔

بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے
زیادہ اس کا استقبال بہت لہک کر کیا تھا، جس میں معاذ نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔
دو ہی لذو تھے کھا لئے میں نے
اک تیرے آنے سے پہلے دوسرا تیرے جانے کے بعد
اس نے پلیٹ میں بچی آخری گلاب جامن گومند میں منتقل کیا اور برجنگلی سے شعر لڑھا دیا۔
ایک زبردست مشترکہ قہقہہ اٹھا تھا، جہاں بھی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور ڈالے کے ساتھ کونے والی
نشست پہ براجمان ہو گیا مگر اس طرح کہ نہنب بھی ٹکا ہوں کی زد پہ تھی۔
”جیسا کہ محفل میں بیٹھنے کی شرط ہے کچھ نہ کچھ عرض کرنا تو اس کے اصول کے مطابق کون آغاز
کرے گا؟“ معاذ کے سوال پہ سب نے اسی کا نام لے کر شور مچانا شروع کر دیا تھا۔
”میں تو سنا ہی دوں گا جناب بات تو ان کی ہونی چاہیے، جو ہر بار دامن کترا کر نکل جاتے ہیں۔“
معاذ نے مزے سے کہا پھر جہاں کی سمت روئے سخن پھیرا تھا۔
”چلو بے آج تم آغاز کرو۔“ وہ جو ڈالے کی گود میں سوئی ہوئی فاطمہ کو جھک کر پیار کر رہا تھا گڑبڑا
کر سیدھا ہوا۔

”میں..... کہیں نہیں بھاگا جا رہا اللہ کے بندے، تو سنا دے میں ذرا ذہن کو کھنگال لوں۔“
”ادا میں دکھانا بند کر، مجھے اچھی طرح سے پتہ ہے تمہاری یادداشت کا چل سنا۔“ معاذ کے پیچھے
پڑنے پہ جہاں کے پاس راہ فرار نہیں بچی تھی، جیسی آہنگلی سے مسکرا دیا۔

جدا ہونے کا شوق بھی پورا کر لو
گفتا ہے تمہیں ہم زندہ اچھے نہیں لگتے
اس نے نہنب پہ بظاہر سرسری نگاہ ڈال کر کہا تھا مگر در پردہ اسے بہت کچھ جتلا دیا، نہنب نے بہت
خوبی سے اس کا مطلب سمجھا تھا اور اپنی جگہ یہ بے چین سی ہو کر رہ گئی۔

”یہ کیا بھی اتنا چھوٹا سا شعر، ہم نے ایکسپٹ ہی نہیں کیا، کچھ اور سناؤ۔“ جنید بھائی کو واقعی مزہ نہیں
آیا تھا، جیسی احتجاج کیا، جہاں بھی پتہ نہیں کس رو میں تھا کہ اگلی لفظ کو گلا کھکا کر شروع کیا تھا۔
میرے عشق کو نہ بڑھ حال کر بھی بے حجاب و مال کر
میری آنکھ کو پینائی دے میرے قلب کو اجال کر
نہ۔۔۔ دے فنا کا میرا عشق میں برا حال کر

مجھے دے سزا کوئی سختی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بہشتی میں ڈھال کر
مجھے بھی پلا کوئی ایسی شے
بھی میری آنکھیں بھی لال کر
تیری طلب میں ہوں میں در بدر
بھی اس سمت بھی خیال کر

گو کہ اس مرتبہ جہان نے دانستہ پانا دانستہ ایک بار بھی اس کی جانب نگاہ نہیں اٹھائی تھی مگر نہ بک
دل پھر بھی دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا، وہ خوش فہم نہیں تھی پر یقین تھی کہ یہ جہان نے اسی پاپی کیفیت آشکار
کی ہے، جیسا اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا، جنید بھائی کو اتنی پسند آئی تھی یہ نظم کہ جہان کے پیچھے پڑ گئے
تھے وہ اسے لکھ کر دے۔

”آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی ہے اس بڑھاپے میں؟“ معاذ نے انہیں پھیلنے کا آغاز کیا تھا، وہ
بدک اٹھے۔

”تمہارے خیال میں میں بڑھا ہو گیا ہوں؟“

”تو اور کیا بھی کنپٹیاں دھیان سے دیکھی ہیں؟ آدمی سے زیادہ سفید ہو رہی ہیں۔“ معاذ نے
مسکراہٹ دہائی تھی، جبکہ جنید بھائی نے منہ لٹکا لیا تھا۔

”مما جان بتاتی ہیں میری اور تمہاری عمروں میں صرف چھ سال کا فرق ہے، اس کا مطلب چھ
سال بعد تم بھی بڑھے ہو جاؤ گے۔“ اپنی بات کا حوالے کر وہ خود ہی کھلکھلائے تھے۔

”میں خود کونٹ رکھوں گا تو یک ہی نظر آؤں گا، ویسے بھی تینیس چونتیس سال کوئی بڑھاپے کی اتج
نہیں ہوتی وہ بھی مردوروں کے لئے، یہ تو آپ نے ہی اپنا حال برا کر لیا، تو ننگی ہوئی کنپٹیاں سفید اور
سب سے بڑھ کر ماتھے سے سنہری سے اڑتے ہوئے بال۔“ معاذ انہیں جان بوجھ کر جلا رہا تھا، جبکہ ان کا
رنگ واقعی تشویش زدہ انداز میں اڑتا جا رہا تھا، بھابھی شوہر کی حمایت میں میدان میں اتری تھیں، پہلے
انہیں تسلی سے نوازا پھر معاذ کو کھری کھری سنائی تھیں، معاذ اس اتفاق پر دانت نکالتا رہا تھا۔

”دیکھ رہی ہو پری؟ کیسی ہڑک جاگی ہے بھابھی کو، پاراخمی سے کچھ بہتی تم بھی سیکھ لو، مجھ پیارے
کی زیادہ نہیں تھوڑی سی ہی سائیڈ لی ہوئی۔“ اس کے بسور کر کہنے پر پرناں محض جھینپ کر مسکرا دی تھی،
پھر جنید بھائی کے ہی کہنے پر معاذ نے کچھ سنانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔

”بھنداسے اپنے اعزاز میں نہ سمجھ لیجئے گا، آپ کی فرمائش میں نے ضرور مانی مگر یہ ڈیڈی کیٹ نہیں
کر رہا آپ کو۔“ اسے پھر سے شرارت سوجھ گئی تھی جیسا انہیں چھیڑنے کو کہا تھا، جنید بھائی اتنا جھینپے تھے
کہ اسے ایک دھب لگا دی۔

”انہو سناؤ تو آخر ہے کیا جس کے لئے پہلے سے حد بندیاں لگنا شروع ہو گئیں۔“ زیادہ کا اشتیاق
بے برہ حال ہونے لگا، معاذ بڑے ناز سے کھنکھار رہا تھا پھر شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

ماہنامہ سنا (52) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"اصولاً تو مجھے یہ اپنی شادی کے موقع پہ پر نیاں کو سنانی چاہیے تھی مگر کم بخت یادداشت نے دعا دے دیا، لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ دیر آئند درست آید کے مطابق ابھی سہی۔" اس کی شوخ نگاہیں پر نیاں پہ اٹھی تھیں، جو حجاب سے سرخ مڑنے لگی۔

"ہے کیا سنائیں تو یمن ممکن ہے کسی اور پہ فٹ آجائے اب۔" زیاد نے بالخصوص نور یہ کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی تھی، معاذ نے اس کی بات سے زبردست اختلاف ظاہر کیا۔

"ہرگز نہیں، یہ میں سنار ہا ہوں تو بس پر نیاں کے لئے ہے۔"

"او کے، سنائیں تو، آپ یہ سمجھتے رہے گا ہائی جس کا جو دل چاہے سمجھے یا سمجھائے۔" زیاد نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی تو معاذ نے اسے گھورتے ہوئے بڑے جذب سے کہنا شروع کیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹوں کی نشانی چھوٹ آیا ہوں

اس نے مانگی تھی محبت کی نشانی مجھ سے

نہیب کی بے ساختگی میں نگاہ اٹھی تھی، یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ جہاں اس کی سمت متوجہ تھا، نگاہ میں جسم شوخی اور اسی لمحے کی جسارت کا بھرپور تاثر اور جھلکا ہوا احساس تھا، نہیب کا چہرہ حجاب شرم اور خفت سے جل اٹھا، چلیں لرز کر سرعت سے عارضوں پہ جھکی تھیں، معاذ اسی بھرپور انداز میں کہہ رہا تھا گویا جہاں کے جذبات کا ہی اظہار کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

ابن انشاء کی کتابیں طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- حلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگرانی نگرانی پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دل و جشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

ماہنامہ حنا (53) اگست 2014

گواہی رفاقِ سرو کابلِ غید

”اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتی، اس کی نظریں نو وارد کے شوز پر جمی تھیں اور شدت ضبط سے جھکا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔“

”حیرت ہے مجھے اتنا سب ہونے کے باوجود آپ مجھ سے نارمل زندگی شروع کرنے کی توقع رکھتی ہیں، آپ کو کیا لگتا ہے جن حالات میں ہماری شادی ہوئی اس میں آپ کو یوں میرا انتظار کرنا چاہیے۔“

اس نے آتے ہی لفظوں کی گولہ باری شروع کر دی، اس کے شعلے انگلی زبان کے دار انشال کو تھما سنے لگے تھے، اس کے بے بسی اور کرب کے اظہار کو افغان نے اپنے ہی معافی

”انشال یہ ڈریس کافی بیوی ہے پہن کر لو۔“ زونہ نے پیار سے اس کا رخسار تھپتھپایا اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی، مگر وہ مروہنا بھی مسکرا نہیں سکی، بس بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر قطرہ قطرہ ٹپکتے آنسوؤں کو پینے لگی۔

اسی اثناء میں ہولے سے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر دھیرے سے دروازہ کھل گیا، انشال فوراً سیدھی ہوئی، اس کا دل شدتوں سے دھڑک اٹھا، اس احساس کے تحت نہیں کہ آنے والا شخص اس کا مزاجی خدا تھا بلکہ اس احساس نے اس کا حلق خشک کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، اس کے وجود پر منوں بوجھ آن

مکمل ناول





www.paksociety.com

www.paksociety.com

”تھوڑا سا میک اپ کر لو انشال بہت پیاری لگے گی۔“ زونہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

”نہیں آپنی کچھ مت لگائیں۔“ اس نے گھبرا کر فوراً انکار کیا۔

”اچھا صرف لب گلوں ہی لگا لو۔“ زونہ نے بے حد اصرار سے نیچرل ہنک کلر کا گلوں اس کے ہونٹوں پر لگا دیا۔

”ٹائکس۔“ اس کا جائزہ لیتے ہوئے وہ تو صلی انداز میں بولی۔

”چلو سب ناشتے پر ہمارا ویٹ کر رہے ہیں، وائٹ پیس کا ایک اصول ہے کہ ناشتہ سب اکٹھے کرتے ہیں۔“

”آپنی۔۔۔۔۔ میں اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں پلیز مجھے جانے کے لئے مت کہیں۔“ اس بار وہ بولی تو لہجے کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی نمی پھیلی تھی۔

”اوکے نہیں جاتے ہٹ ڈونٹ ویپ۔“ انشال نے فوراً آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑ ڈالیں، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی وہ دونوں چونک اٹھیں، پھر طاہرہ خاتون اندر داخل ہوئیں، انشال نے فوراً دوپٹہ سر پر اوڑھا۔

”انشال بیٹے آپ کے بڑے پاپا اور پاپا جان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ ماما جان نے مطلع کیا، ساتھ ہی پاپا جان کو بھی بلا لیا۔

”بیٹے ہم جانتے ہیں جس صورتحال میں آپ کی اور افنان کی شادی ہوئی اس کے بعد ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑی مشکل ہوگی، اس کے لئے آپ دونوں کو کچھ وقت چاہی، لیکن ہم نے آپ کو دل سے بیٹی مانا ہے، جو پیار رشتے اور ماں افنان سے منسلک ہیں وہ سب آپ کے بھی ہیں، ابھی اپنے پاپا جان کی طرف سے یہ چھوٹا سا

پہنائے تھے۔ لب بھیجے وہ اس سے مزید تفحیک کی توقع رکھتی تھی مگر خلاف توقع وہ وارڈ روم سے ٹائٹ ڈرنس اٹھائے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا، اس کی تلخ آواز میں بے زاری کے نشتر اسے اب بھی اپنے وجود میں گزرتے محسوس ہو رہے تھے اس قدر بے وقعتی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ضبط اس کے دامن سے چمٹ گیا۔

”انشال! تم نے چیخ نہیں کیا؟“ اسے جوں کا توں سسکتے دیکھ کر زونہ نے حیرت سے استفسار کیا۔

”کیا ہوا؟ افنان نے کچھ کہا ہے؟“ اسے بے طرح تشویش ہوئی، انشال نے ٹی وال فور ٹی میں گردن ہلائی۔

”پھر۔۔۔۔۔“ اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا اور اسے ہانہوں میں بھر لیا، وہ اس سے لپٹ گئی جیسے کسی سپارے کی متلاشی ہو اس کے رونے میں مزید شدت آئی تھی، جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد اسے رونے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔

”فی الحال اس سے کام چلاؤ، پھر ماما جان کے ساتھ جا کر تمہارے لئے شاندار شاپنگ کروں گی۔“ مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زونہ نے سرخ اور نیلے احتراز کا مناسب کا مدار سوٹ اس کی سمت بڑھایا، جسے انشال نے خاموشی سے تمام لیا۔

”واؤ انشال تمہارے بال تو بہت خوبصورت ہیں ان سیاہ زلفوں میں میرے بھائی کو ابھالینا۔“ وہ فریٹ ہو کر آئی تو زونہ اس کے بال ڈرائیر سے خشک کرتے ہوئے آگے دبا کر شرارت سے بولی، جواباً وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

تہذیب قبول کریں ویسے پر ہم اپنی بیٹی کو من چاہا
گفت دیں گے۔" پاپا جان نے اس کے جھکے سر
پر ہاتھ رکھا اور ہرے ہرے ٹوٹوں کی گڈی اس کی
گود میں رکھ دی، اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔
"ہیلو بھابھی..... چہرہ تو اوپر کریں، کل
رات سے ہمارے گھر میں ایک دلہن آئی ہے اور
ہم ابھی تک ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پائے۔"
"انشال یہ ارٹھی ہے ہمارا، دوست کم
کزن۔" زونہ نے مداخلت کر کے تعارف
کروایا۔

انشال نے ہولے سے سر اوپر اٹھایا اور اس
کی متورم و سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔
"ابھی تھوڑا کام سے بھابھی، رک نہیں
سکتا، شام کو آپ سے لمبی گفتگو کریں گے۔" اس
کی جھجک کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے مزید گفتگو
کا ارادہ موقوف کر دیا اور زونہ سے مصافحہ کرنے
کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

"انشال اس گھر کو اپنا سمجھو، یہ لوگ بھی
تمہارے اپنے ہیں یہ کیسے تمہیں اپنے اندر سمولیں
گے تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ریلیکس رہو، آرام
کرو اور سرلیس مت لو۔"

جب سے وہ آئی تھی زونہ اس کے پاس
تھی، وہ حتی المقدور کوشش کر رہی تھی کہ اسے
غیریت اور اجنبیت کا احساس نہ ہو، کسی نے
اسے گزرے اعصاب شکن لمحات کا طعنہ دینے کی
کوشش نہیں کی تھی۔

پہلے ہی اس کا زخم بہت گہرا تھا اس پر ان
لوگوں کی محبت ضرب پر ضرب کا کام کر رہی تھی
اس کھلے منہ کے زخم میں مرچیں سی بھر رہی تھیں
ندامت اور شرمندگی کی صورت میں۔

"یہ آپ نے کیا کیا ایسا، آپ نے اور
قسمت نے مل کر مجھے ان لوگوں کا قرض دار بنادیا

ہے۔" پہلی ہی میزمری کی مسافت پر وہ ہاپنے لگی
تھی۔

سمجھوتے کا یہ سفر طویل اور کٹھن ہونے چلا
تھا، اس نے آئینے میں اپنے ادھورے سے عکس کو
دیکھا اور آنکھوں میں تیرتی نمی کو خود سے چھپانے
کے لئے نظریں جھکا گئی۔

☆☆☆

عدنان شہوار کی چار اولادیں تھیں، سب
سے بڑے لیضان عدنان تھے جو زیت کے سفر
میں اپنی زوجہ ام امان اور تین بچوں شامل، نوریا،
اور ارٹھی کے سنگ بے حد خوش و خرم تھے،
دوسرے نمبر پر ارسلان عدنان تھے ان کی
زوجیت میں طاہرہ خاتون تھیں ان کی کائنات
افغان، منان اور زونہ نے مکمل کی، تیسرے نمبر پر
نضہ تھیں جو دانیال کے سنگ پیادہ کر چکی تھیں،
ان کا ایک بیٹا شاہ میر تھا۔

سب سے چھوٹے نعمان عدنان تھے ان کی
شریک حیات یحیٰ تھیں، جنہوں نے روخیل کا
گفت دے کر ان کا خاندان مکمل کیا۔

شائل، روخیل اور منان ہم عمر تھے، افغان
اور ارٹھی کزنز ہونے کے ساتھ بہترین دوست بھی
تھے، افغان سی اے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے
پاپا جان کے آبائی امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس
کو بھی توجہ دے رہا تھا جبکہ ارٹھی بی فارمیسی کے
بعد ایک ملٹی نیشنل میڈیسن فرم میں مینیجر کام کر رہا
تھا، زونہ شادی شدہ تھی، اس کا جوڑ خدا نے شاہ
میر کے ساتھ بنایا تھا اور اس کی پھپھو جان اس کا
بے حد خیال رکھتی تھیں۔

طاہرہ خاتون اور پشوار کا بچپن کا دوستانہ
تھا، اتفاق سے دونوں کی شادی بھی ایک ہی شہر
میں ہوئی یوں ان کی دوستی مزید مضبوط ہو گئی،

ساتھ، پلیز یہ بکھیرا میں نہیں سنبھال سکتی، آپ کو ایک لڑکی نہیں ربوٹ چاہیے جو آپ کے کہنے پر اٹھے، بیٹھے، کھائے پیئے وغیرہ، لیکن وہ ربوٹ بہر حال میں نہیں۔"

اس کے اس قدر تلخ رویے پر طاہرہ خاتون کا دل دکھ سے بھر گیا، تاجا جان اور بڑے پاپا کے سامنے انہیں بے پناہ سگی کا احساس ہوا جبکہ پیشوار بھی حق و حق تھیں۔

دوسری طرف اس طرح رنجش کے جانے پر افغان خوب تلخ پاپا ہوا، مشال یہاں بچپن سے آ رہی تھی ان کے مچھوٹے سے گندھے رشتوں اور وہ جی کے بنائے گئے گھر کو اس نے بھوت بنگلے اور بکھیرے سے تعبیر کیا تھا انہیں بے پناہ دکھ تھا، افغان صرف ماما جان کے احترام میں خاموش تھا۔ کچھ عرصے بعد مشال کی شادی اپنے اکلوتے ماموں کے بیٹے سے ہو گئی تو وہ لندن سے ہمارے لڑکی جبکہ انشال جو بھی کبھار والدین سے ملنے آتی تھی، ان کی تنہائی کا خیال کر کے ہمیشہ کے لئے پاکستان آ گئی، احمد حسن (والد) نے اس کی شادی اپنے قریبی دوست کے بیٹے سے طے کر دی مگر مین بارات کی آمد کے دن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا "کہ ہمارا لڑکا کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتا تھا اسی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ہم بارات نہیں لا سکتے۔"

احمد حسن نے آدھا شہر اپنی بیٹی کی شادی پر مدعو کیا تھا، ان کی عزت خاک میں ملنے والی تھی، وہ اکلوتے تھے ان کا کوئی بھائی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا، پیشوار کا بھی ایک بھائی تھا جس کے بیٹے سے وہ پہلے ہی اپنی ایک بیٹی بیاہ چکی تھیں۔

ان کی پریشانی اور وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے طاہرہ خاتون نے انہیں افغان کا پر پوزل پیش کیا، ان کی اس قدر اعلیٰ قدرتی پر پیشوار احمد

پیشوار احمد کی دو بیٹیاں تھیں، انشال اور مشال، انشال بہت چھوٹی تھی جب اس کے ماموں اسے اپنے ساتھ لندن لے گئے، جبکہ مشال اپنے والدین کے ساتھ لاہور میں ہی مقیم تھیں۔

مشال جدید دور کے تقاضے پورے کرتی ایک بے حد خوبصورت اور بولڈ لڑکی تھی، جب وہ اپنی بیسز گرین آنکھیں اٹھا کر دیکھتی تو مخالف کو چاروں شانے جیت کر دیتی سرخ و سفید رنجش اور مناسب نہیں نشوونما کے ساتھ اس میں بلا کی کشش تھی، طاہرہ خاتون کی اولین خواہش تھی کہ مشال ان کی بہو بنے اور وائٹ پیس کے کسی فرد کو اس پر اعتراض نہ تھا کہ اس لڑکی کو بچپن سے دیکھتے آ رہے تھے۔

مشال کے نو خیز سراپے نے جب شباب کی سرحدوں کو چھوا تو حسن دو چہند ہو گیا، طاہرہ خاتون کا انتظار ختم ہوا اور انہوں نے پاپا جان اور بڑے پاپا کے ہمراہ جا کر مشال کا ہاتھ مانگا۔ پیشوار احمد کے کسی بھی مثبت یا منفی رد عمل سے پہلے مشال کے دو ٹوک انکار نے وائٹ پیس کے مینوں کو ششدر کر دیا، شادی بیاہ کے معاملات میں بچوں کی دخل اندازی ان کا اصول نہیں تھا ان کی پسند اور جذبات کو ضرور مد نظر رکھا جاتا مگر اس قدر بولڈ فیس کی انہیں اجازت نہ تھی۔

"پلیز آئی ایسا سوچنے کا بھی مت، آپ کے ساتھ کے وہائی کے گھر میں، میں نہیں رہ سکتی، ایک سوئس صدی میں آ کر بھی اتنے فیکل روڈز اینڈ ریگولیشنز، اوہ گاؤں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اور آپ کا وائٹ پیس تو مجھے کوئی بھوت

بھگانا ہے۔" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر شرارت سے بولے، ان کے بے حد اصرار پر وہ وائٹ پیلز کے عقب میں بنے وسیع و عریض گراؤنڈ میں کھیلنے کی نیت سے آگئی۔

دونوں لڑکوں نے شاندار کھیل پیش کیا، جبکہ نوریا نے بھی اچھی بیٹنگ کی، شامل پہلی بال پر آؤٹ اور ردیل اس کے سامنے آ کر باقاعدہ بھنگڑے ڈال رہا تھا۔

"روحیل عدنان نے کیا شاندار وکٹ اڑائی، شامل عدنان پہلی بال پر ہی ڈھیر۔" منان نے کسٹری کر کے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"اس بیٹ سے میں تمہارا بھیجا کھول دوں گی منان، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"لڑنا بھنگڑا چھوڑو اور انشال کی باری ہے اب، اسے بال کرواؤ۔" نوریا نے ہر وقت مداخلت کر کے میز فائر کروایا۔

"اوہ شامت آ ہی گئی۔" انشال نے بے ساختہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو منان مسکراتے ہوئے پوزیشن لینے لگا۔

دو تین بالز لگا مار بیٹ ہوئیں تو انشال کو بھی غصہ آ گیا، اس کے کرکٹ کے شعور پر نا بلند ہونے پر منان اسے کافی ہلکی گیندیں کروا رہا تھا چوتھی بال سیدھی پلے پر پڑی تھی اور انشال نے پوری قوت سے بلا ٹھمایا، بیٹ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی پوری محوم گئی۔

"چھکا۔" اڑتی ہوئی بال وائٹ پیلز کے سینڈ فلوور پر بنے کمرے کے ٹیرس کی کھڑکی سے ٹکرائی شیشے کی دھڑ کو چکنا چور کرتی کمرے میں گھس گئی۔

"ہم جیت گئے۔" شامل نے منان اور ردیل کو انگوٹھا دیکھایا، نوریا مسکراتے ہوئے

ندامت سے رو پڑیں اور ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، آناٹا باؤنڈن کا نکاح انشال کے ساتھ ہوا، غم و غصے سے اس کا برا حال تھا جبکہ وائٹ پیلز کے مکینوں کے لئے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی، دل میں تو طاہرہ خاتون بھی خوف زدہ تھیں مگر وقت کا یہی تقاضا تھا، ہر شخص اپنی جگہ انشال سے ملنے کے لئے بے چین تھا، ماسوائے افغان کے، اس گھر میں ہوئی اپنے والدین کی چٹک اور اس لڑکی کی بڑی بہن کے مادر خیالات اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

آہ بیٹ

"بھابھی دیکھیں کتنا خوبصورت موسم ہو رہا اور آپ اندر بیٹھ کر بور ہو رہی ہیں۔" منان باہر سے ہی بولتا چلا آ رہا تھا۔

"اوہ لگتا ہے ہم نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا، آپ اسٹڈی کر رہی تھیں۔" اس کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر ردیل نے کہا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں بس ایسے ہی ناول پڑھ رہی تھی۔" اس نے Crime & Punishment کا ناول بند کر کے ٹیبل پر رکھا۔

"یہ بور کام چھوڑیں اور ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلیں۔" منان نے شاہانہ آفر کی۔

"میں اور کرکٹ..... نہیں نہیں، میں نہیں کھیل سکتی۔" وہ گھبرائی۔

"بھابھی کھیلیں گی نہیں تو آئے گی کیسے؟" ردیل نے ماسحانہ انداز اپنایا۔

"مجھے تیز بال پر نہیں کھیلنا آتا۔"

"اف جیسی بال میں آپ کو کروا دیں گا چھکا تو پکا ہے۔" منان نے اس کی ہمت بندھائی۔

"اب آ بھی جائیں بھابھی، نوریا آتی بھی کھیل رہی ہیں، آج اس شامل کی بیٹی کو تو خوب

”آئندہ کم از کم میرے سامنے یہ چائلڈز (احتمالاً) حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں، ماسٹڈ اٹ۔“ انگشت شہادت سے اسے وارن کرتے ہوئے وہ پلٹ گیا وہ اسے رونے کے لئے تنہا چھوڑ گیا۔

”انشال.....!“ ”نور نے اس کے ساکت وجود کو اپنی طرف موڑا اور ہولے سے پکارا، اس نے بھرائی آنکھوں سے اسے دیکھا، دو گرم آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک گئے۔

”میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں۔“ اس نے دھیرے سے خود کو چھڑایا اور آہستہ آہستہ سے چلنے لگی۔

اس کی شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے، وائٹ ہلیس کا ہر فرد اس کے ساتھ فرینک ہو چکا تھا، طاہرہ خاتون کے دل میں جو دوسو سے تھے اس کی سادہ فطرت کے سامنے سب بھر بھری پریت ثابت ہوئے، مگر انان تو اب بھی ناقابل تسخیر تھا۔

☆☆☆

وائٹ ہلیس شاعری طرز کی بنی قدیم فن تعمیر کا شاندار شاہکار تھی، چاروں طرف خوبصورت باغ، پھل اور پھول لگے تھے اور درمیاں میں دا جی نے یہ عمارت بنوائی تھی، چام، پوٹیس اور کئی موکی پھلوں کے درخت باؤڈری کے ساتھ ساتھ لگے تھے، بوگن دیلیا اور عشق چپاں کی بلیس گیلری پر چڑھی بہار دکھا رہی تھیں، چاند کی نیلاگوں روشنی میں وائٹ سنگ مرمر سے بنی یہ بے تحاشا خوبصورت تین منزلہ عمارت چاند سے گفتگو کرتی محسوس ہوئی، مشرقی کونے سے نکلتے دالان کی سیز جیوں پر بیٹھی وہ اس گھر کا جائزہ لے رہی تھی، لمبوں کی جلی اور ترش سی مہک اس کے آس پاس بکھر گئی، اسے اقرار کرنا پڑا کہ اس نے اس سے

انشال کے پاس آگئی۔

”شاندار بیٹنگ۔“

”نکا لگا ہے یار۔“ وہ تبصرہ کر رہی تھیں اور وہ تینوں جھگڑ رہے تھے جب نجانے کب انان وہاں آگیا۔

”یہ بال کس نے پھینکی ہے اوپر۔“ تیکھے چتون لئے وہ استفسار کر رہا تھا، وہ تینوں منہ لٹکائے کھڑے تھے، بیٹ ابھی تک انشال کے ہاتھ میں تھا اس نے بے ساختہ بیٹ سائیڈ پر رکھا۔

خوف کا نامعلوم سا احساس اسے جھڑ گیا، یہ شخص اسے سب کے سامنے ذلیل کرے گا سوچ کر اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔

”بھائی وہ ہم کرکٹ.....“ منان نے صفائی دینے کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

”اندر چلو تم سب۔“ اس نے حکم دیا۔

”بھیا نے ہمیں اندر کیوں بھیجا۔“ روہیل منان کے کان میں گھس کر بولا۔

”بھابھی سے کانفرنس جو کرنی ہے۔“ مسکراہٹ دبائے وہ منمنایا اور شاکل کو ساتھ لئے اندر کی سمت بڑھنے لگے۔

”انان اس میں انشال کی کوئی غلطی نہیں۔“ اس کے تھے ہوئے نقوش دیکھ کر نور نے اس کی مدد کرنا چاہی، نور کو نظر انداز کرتا وہ انشال کے قریب آیا، بالوں کی چٹیا بنائے سر پر کیپ لئے نظریں اور سر جھکائے وہ گندی رنگت کی لڑکی بالکل خاموش تھی۔

”وہ تو بچے ہیں انہیں یہ سب سوٹ کرنا ہے، مگر آپ تو بچی نہیں ہیں۔“ وہ بڑے آرام سے اس کی تہذیب پر چوٹ کر رہا تھا اس کا چہرہ نفی ہو گیا۔

ماہنامہ (۱۱) اگست 2014

"اچھا میں نے ایسا کہا۔" اس نے
محسوسیت سے آنکھیں پٹی میں اور پھر وہ دونوں
ہی ایک دوسرے پر ہنسی چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

"مما جان آپ کے کہنے پر میں نے شادی
کر لی، اب ولیمہ کیا ضروری ہے۔" پیشانی پر
شکنتوں کا جال پھیلائے وہ دھیسے مگر مشتعل لہجے
میں بولا۔

"جی بالکل ضروری ہے، ہماری طرف سے
تو یہی نمکشن آپ کی شادی پر مہر ثبت کرے گا نا،
بچے کیلئے سے ہا ہر آپ کے رشتے کو منوانے اور
انشال کو سب سے متعارف کروانے کا یہی طریقہ
ہے۔" جواب بڑے پاپا کی طرف سے آیا۔
"پاپا جان آپ تو میری پوزیشن سمجھیں۔"

وہ جھنجھایا۔

"بچے ہم نے آپ کی شادی بے شک
ایمر جنسی میں کی لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ
معاملہ ہمیشہ فلکتا رہا، آپ کو ازدواجی زندگی میں
خوشحال دیکھنا ہماری اولین خواہش ہے، وہ بھلی
بچی زبان سے چاہے کچھ نہ کہے مگر اس کے
زوجیت کے حقوق تو آپ کو پورے کرنے
چاہئیں، ہم ہمیشہ اسے یوں بے سرو سامان رکھ کر
گناہ گار نہیں ہو سکتے۔" پاپا جان نے تدبیر سے
اسے سمجھانا چاہا۔

"بڑی ممّا میں صرف کچھ وقت چاہتا
ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"دو ماہ کم وقت نہیں ہے افنان، ہماری بھی
معاشرے میں کوئی عزت ہے جسے برقرار رکھنے
کے لئے آپ کی ایمر جنسی میں کی شادی کو اپنی
خوشی ثابت کرنا بہت ضروری ہے۔" ام امان نے
اسے اصل پہلو سے روشناس کروایا۔

"تو پھر ایسی لڑکی سے شادی کر، کہ

زیادہ خوبصورت گھر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔
"تم یہاں بیٹھی ہو یار، ادھر تمہارا ولیمہ
ڈیپائیڈ ہو رہا ہے۔" نوریا نے اس کے قریب
میئرگی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں..... میں کیا کر سکتی ہوں۔"
"لو اب یہ بھی میں بتاؤں، تم اپنے لئے
ڈریس تو سلیکٹ کر سکتی ہونا۔"

"مجھے نہیں کرنا۔" وہ بددلی سے بولی۔
"کیا بھائی کی وجہ سے پریشان ہو۔" نوریا
نے توجہ پیش کی۔

"نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اگر ایسا ہے تو اپنا دل صاف کر لو، افنان
بہت اچھا اور ذمہ دار لڑکا ہے، وہ تمہیں پٹکوں پر
بٹھا کر رکھے گا۔"

"تمہارا بھائی ہے تم تو یہی کہو گی۔" وہ
مایوسی سے بولی۔

"اف اتنی بدگمانی۔" نوریا نے اس کے سر
پر ہلکی سی چپت رسید کی۔
"بدگمانی نہیں اسے حقیقت پسندی کہتے
ہیں ڈیئر۔"

"اتنی بھی حقیقت پسند مت بنو، کبھی کبھی
خواب دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔" وہ نجانے اس
سے کیا اگلوانا چاہتی تھی۔

"لگتا ہے بارش ہو گی۔" اس نے بات
پٹی۔

"تم اتنی محسوس کیوں ہو انشال؟"
"کیوں..... کیا ہوا؟" اس نے ناک
سکیزی۔

"تم اس ناپک سے بھاگنا چاہتی ہو مگر
تمہیں بھاگنا بھی نہیں آتا، کڑی دھوپ ہے اور تم
کہہ رہی ہے بارش ہو گی۔" اس نے اس کی غلط
پیشن گوئی کی نشاندہی کی۔

ماہ: (۱۱) اگست 2014

لگ رہا تھا، ماما جان نے اپنے بے حد شاندار بیٹے کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں چلائی شروع کیں۔

”سوری مت کہیں بیٹا، آپ کی پر سنائی کے مطابق آپ کا جوڑ نہیں تلاش کر پائی، آپ مجھے معاف کر دیں آپ پر زور زبردستی کر کے میں نے آپ کے جذبات، خواہاں اور وقار کو ترک پہنچایا ہے۔“

”ایسا مت کہیں ماما جان، آپ کی اولاد پر سب سے پہلا حق آپ کا ہی ہے آپ کو تمام اختیارات حاصل ہیں، لیکن ماما جان میں وہ انسٹ نہیں بھول سکتا جو اس گھر کے لوگوں نے آپ کی اور میری کی، ماما جان مثال پاکستان میں رہ کر اس قدر بولڈ اور ماڈرن بھی تو یہ تو لندن میں ملی بڑھی ہے، ماما جان میں چاہوں بھی تو مجھ سے سمجھوتہ نہیں ہوتا، مجھے اس سے کوئی انیسیت محسوس نہیں ہوتی، اپنے رشتے کے حوالے سے نہ کسی اور طریقے سے۔“ اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

”کاش میں جلدی بازی نہیں کرتی، اپنے بیٹے کو شہزادوں کی طرح دولہا بناتی۔“ ماما جان کو افسوس ہوا۔

”ماما جان آپ رنجیدہ نہ ہوں۔“ اس نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

”آپ کو تو طول کیا ہے ما میں نے۔“ ان کا افسوس کسی صورت زائل نہیں ہو رہا تھا۔

”ماما جان پلیز آپ ولیہ کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ اس نے نرمی سے کہا وہ ماما جان کو متاثر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”کھانا کھایا آپ نے؟“ ماما جان نے پوچھا، اس کی بے زاری سمجھتے ہوئے انہوں نے بھی مزید گفتگو کا ارادہ موقوف کر دیا۔

ضرورت تھی جس کے لئے شہادتیں لینی پڑیں، نجانے کیا بات تھی جو پہلے شادی کے دن بارات نہ آئی اور ہمارے گلے باندھ دی۔“

وہ ایسی سخت بات کہنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے انشال سے سخت جھنجھکی اسی لئے ذرا بد لحاظ ہو گیا۔

”افنان!“ بڑے پاپا حلق کے بل دھانڈے اور ان کے زور دار گھنٹہ نے اس کے چہرہ طبعی روشن کر دیئے۔

”کسی معصوم لڑکی کے کردار پر کچھ اچھا لانا۔۔۔ یہ تربیت نہیں کی ہم نے آپ کی، ہم نے آپ کو ہمیشہ نسوانیت کا احترام کرنا سیکھایا ہے۔“ پاپا جان بھی غصے سے بھڑک اٹھے۔

اس کے دل میں انشال کے لئے بدگمانی کچھ اور بڑھ گئی تھی، وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گیا۔

”آج تک بڑے پاپا سے میں نے صرف تعریف اور مان ہی سمیٹا ہے یہ تمہارا میری زندگی میں شامل ہونے کا پہلا انعام ہے مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔“ اس کی سوہلوں میں بھی انشال برپا تھا بے حد غصے میں اس نے گاڑی ریورس کی اور وائنٹنکس سے نکل گیا۔

بے منزل راستوں پر کافی دیر گاڑی دوڑانے کے بعد دو کے قریب گھر پہنچ تو ماما جان کو لابی میں اپنا انتظار کرتے پایا۔

”کہاں تھے آپ اتنی دیر؟“ ماما جان نے پہلے دو کے ہند سے کوچھوٹی گھڑی اور پھر افنان کو دیکھا۔

”سوری ماما جان، میں آپ کو ہرث نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گمرے لاکنگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدو خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

”ماما جان، میں آپ کو ہرث نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گمرے لاکنگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدو خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

”ماما جان، میں آپ کو ہرث نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گمرے لاکنگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدو خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

”ماما جان، میں آپ کو ہرث نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گمرے لاکنگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدو خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

”ماما جان، میں آپ کو ہرث نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گمرے لاکنگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدو خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

”نہیں فی الحال کچھ کھانے کا موڈ نہیں بس آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ ان سے لپٹتے ہوئے وہ محبت سے بولا۔

”او کے بیٹا گنڈ ناٹ۔“ انہوں نے افغان کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچا تو اسے ہلکی ہلکی آوازیں آئیں، فطری تجسس کے تحت وہ آگے بڑھا، دروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہو گیا۔

”ہاں میں نے ڈائریکٹ دیکھ لئے ہیں، ایک بلند نگ بہت خوبصورت ہے میرے خیال میں وہی گھر نمیک رہے گا، اس کی بنگ کردا لیتے ہیں۔“ انشال کی دھیمی آواز اس کی سماعتوں سے ٹھہرائی، اسے غصہ دلانے کے لئے تو انشال کی پرچھائی ہی کافی تھی اب تو وہ الگ گھر لینے کی بات کر رہی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے فون اس سے چھینا اور بیڈ پر دے مارا، اس اچانک افتاد پر انشال بری طرح بوکھلا اٹھی۔

”آتے ہی گھر توڑنے کی باتیں شروع کر دیں، کس ہیں پر الگ گھر لینے کی بات کر رہی ہو، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس گھر کی بنیادیں کس قدر مضبوط ہیں انہیں تم جیسی لڑکی تو کم از کم چھو بھی نہیں سکتی۔“ اسے بالوں سے دبوج کر وہ اس کے کان میں تمس کر غرایا، انشال نے درد کی شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

”افغان پلیز آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ اس نے اپنی صفائی میں بولنا چاہا، لیکن اس کے زوردار تھپرنے اس کی زبان حلق میں ہی ڈال دی۔

”زبان مت چلاؤ میرے سامنے۔“ وہ غصے سے پھنکارا اور جھٹکے سے اسے چھوڑا، کم مائیگی کا احساس بول کی طرح اس کے وجود میں گڑھ گیا، اپنی نفرت اور بے زاری وہ اس پر برسا

کر چا چکا تھا، رخسار پر ہاتھ رکھے آنسوؤں سے تر آنکھوں سمیت اس نے پلٹتے ہوئے افغان کی ہیبہ دھندلائی آنکھوں سے دیکھی۔

وہ شخص جسے دیکھ کر شہزادوں کے قصوں پر یقین کرنے کو دل چاہتا تھا، وہ شخص جس کی بوٹوں کی دھمک میں انشال کا دل الجھ گیا تھا جس کی آواز پر وہ اندر تک کانپ اٹھتی تھی جس کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی وہ اس کے لئے ہر لمحہ اذیت اور ذلت کا سامان کیے رکھتا تھا، رہانت اور بے وقتی کے ناگ نے بری طرح ڈسار، اس کا وجود نیلونیل ہو گیا، وہ سسکتی ہوئی بیڈ پر گر گئی۔

☆ ☆ ☆

رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا، آج تیسرا روز تھا، وائٹ پیس کی چہل پہل اور رونق قابل دید تھی سب گنگلو کے دوران سحری کرنے میں مصروف تھے، جب اچانک ارگلی نے انشال کو مخاطب کیا۔

”انشال آپ نے ڈائریکٹ دیکھ لئے، اگر ضرورت ہے تو میں مزید منگوا سکتا ہوں۔“

”نہیں کافی ہیں میں نے مثال کو سینڈ کر دیئے ہیں۔“ نظریں اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا۔

”کس چیز کے Designs ارگلی۔“ بڑے پاپا نے استفسار کیا۔

”بڑے پاپا مثال الگ گھر لے رہی ہے لندن میں تو اسے انشال سے مشورہ چاہیے تھا، انشال نے مجھ سے کہا تو میں نے اس کی ہیلپ کر دی۔“ اس نے تفصیلی جواب دیا۔

آم کی قاش اٹھاتے ہوئے افغان کے ہاتھ وہیں تھم گئے تھے، اس نے دانستہ طور پر انشال کو دیکھا جو خوبانی ہاتھ میں اٹھائے کھا نہیں بلکہ کتر رہی تھی، افغان کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آن

ماہنامہ دنیا (3) - 2014

لیا وہ سحری چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

عید کی شام کو ریسپشن تھا، بلیک ٹوپس میں ملبوس وہ جیسے اپنے حسن اور مردانہ وجاہت کی داد وصول کر رہا تھا میروں اور اسکن کا مدار لینگے میں انشال کی گندی رنگت حیا کے رنگوں سے لبریز عجب یا ٹلپن لئے ہوئے تھی، ہر چہرے پر خوشی کی چمک تھی، مگر جن کے لئے یہ فنکشن منعقد کیا گیا تھا وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے لاتعلقی بنے بیٹھے تھے۔

رات گئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا، ٹھکن سے برا حال تھا مگر ابھی مزید محاذ آرائی باقی تھی اسے اس لڑکی کا سامنا کرنا تھا، مگر جب ہولے سے دستک دے کر اندر داخل ہوا تو کمرے کو خالی پایا۔

ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کر کے اس نے کمرے میں قدم رکھا، تازہ گلاب اور کلیوں کی بیج نوچ کر صوفے پر رکھی جا چکی تھی، کمرہ دلہن کی موجودگی سے خالی تھا، اس نے اسے ہر طرح کی مشکل سے بچا لیا تھا اپنے رشتے کو برتنے کے راستے کا تعین وہ خود ہی کر چکی تھی، کوٹ اتار کر اس نے بیگ کیا اور بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ٹکٹے کا انتظار کرنے لگا جو واش روم میں یقیناً پہنچ کر رہی تھی، چند لمحوں بعد سادہ سے لی پنک سوٹ میں ملبوس وہ برآمد ہوئی، ہاتھوں میں بھاری بھر کم لہنگا تھا، بال کھلے تھے اور ان سے پانی ٹپک رہا تھا، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر بنی پلکوں کی جھال پر پانی کا قطرہ اتکا اسے بہت معصوم اور پاک بناتا تھا، چہرے پر ہلکے سے میک اپ کے اثرات، وہ افغان عدنان کو ڈسٹرب کرنے لگی تھی۔

وہ ٹائٹ ڈریس اٹھائے اس کی سمت بڑھا، نجانے کیوں انشال اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

”اگر آپ یہاں سے سائیڈ پر ہو جائیں تو یقیناً مجھے گزرنے میں آسانی ہوگی۔“ طنز یہ لہجے میں کہتا وہ اسے ہوش میں لے آیا، وہ تیزی سے نکلی اسے لمحے افغان نے کھس کر دروازہ دوبارہ مقفل کیا، وہ فریش ہو کر آیا تو پورا بیڈ خالی پڑا تھا، افغان نے اسٹڈی میں دیکھا تو کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں وہ صوفہ کم بیڈ پر بیٹھی تھی، افغان نے بے ساختہ اطمینان کا سانس لیا وہ اس کی ناپسندیدگی سے واقف تھی اسی لئے کم سے کم اس کا سامنا کرنا چاہتی تھی، افغان کو یک گونہ سکون محسوس ہوا، وہ اس کے لئے ایک بوجھ سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی، مزید کچھ بھی سوچے بغیر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا، کچھ ہی دیر بعد گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆☆☆

اگلی صبح پشاور اور احمد حسن آ کر اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

”قلمت کرنا میں اور افغان جلد آپ کو لینے آئیں گے۔“ ماما جان نے اس سے ملے ہوئے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

”چھوٹی ماما پلیر بھابی کو لے آئیں، ہمارے ایگزامز سر پر ہیں۔“ منان نے پریشانی سے منہ بسور۔

”کیوں ایگزامز میں وہ تمہاری کیا میلپ کریں گی۔“ اخبار تہہ لگا کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے افغان نے اچنبھے سے پوچھا۔

”بیٹے انشال نے ان کی اکیڈمی چھڑوا دی ہے شامل اور روہیل کو انگلش جبکہ منان کو میٹھ کرواتی ہے، باقی سبیکٹ میں بھی میلپ کروا دیتی ہے۔“ جواب چھوٹی ماما نے دیا تھا۔

شامل، منان اور حنان بی ایس سی میٹھتھس کر

ماہنامہ سنا (14) اگست 2014

نے استفسار کیا، ماما جان اور پاپا جان اسے جا کر لے آئے تھے۔

”جی بیٹا بس کچھ کام کر رہا ہوں۔“
”کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں۔“
کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”کل انیول میٹنگ ہے تو پریزنٹیشن بنا رہا ہوں، یہ کام تو افنان کا تھا لیکن آپ تو جانتی ہیں وہ اسلام آباد چھٹا ہوا ہے۔“ پاپا جان کی سرخ آنکھیں ان کی تھکاوٹ کی غماز تھیں۔

”اگر آپ کو پرانہ لگے تو پاپا جان یہ کام میں کروں۔“ اس نے احترام سے کہا۔
”آپ کر لیں گی؟“ پاپا جان کو حیرت ہوئی۔

”پاپا جان آئی ایم ایم بی اے فرام لندن۔“ اس نے مصنوعی غلغلے سے کہا۔
”اوہ مائی گاڈ، میں تو بھول ہی گیا۔“
”آپ مجھے بیزنس شیٹ اور اکاؤنٹس کی ڈیٹیل دے دیں میں کر لوں گی۔“
”میں ایک بات سوچ رہا تھا۔“ انہوں نے پرسوج انداز اپنایا۔

”کیا پاپا جان۔“
”کل آپ ہی افنان کی طرف سے پریزنٹیشن دے دیں۔“
”نہیں پاپا جان، میں نہیں کر پاؤں گی۔“
وہ فوراً گھبرا اٹھی۔

”آپ کر سکتی ہیں اور میں جانتا ہوں آپ بالکل بھی پریشان نہیں ہوں گی۔“
پاپا جان نے بہت بڑی ذمہ داری اس کے ماتواں کندھوں پر ڈال دی تھی، ان کے مان بھرے اصرار پر اس نے ہتھیار ڈال دیئے، پاپا جان نے ضروری ڈیٹیل ڈسکس کرنے کے بعد وہ لیپ ٹاپ اپنے کمرے میں لے آئی، اس کی

رہے تھے، شائل کی انگلی سے جان جاتی تھی ہمیشہ پاسنگ بارس ہی لگتی، ان کی ذمہ داری انشال نے لی تھی اور وہ بہت پرکشش انداز میں انہیں پڑھاتی۔

”بھائی پلیز بھابھی کو لے آئیں We need her۔“ منان نے التجا کی۔

”بھابھی نہ ہوتی پھر بھی تو تم نے پڑھنا ہی تھا۔“ اس کی اضافی خوبی سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے الٹا سوال کیا۔

”جو بات نہیں ہے اس کو کیوں سوچتے ہیں جو موجود ہے اس پر توجہ دیں بھائی۔“ منان شرارت سے بولا۔

”لاؤ کیا پراہم ہے میں سمجھا دیتا ہوں۔“
”نہیں نہیں بھابھی سے ہی پڑھنا ہے۔“
”یہ تو سازش ہوئی میرے خلاف۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہی سمجھ لیں۔“ منان نے کندھے اچکائے۔

”ماما جان!“ بچن کی طرف جاتی ماما جان کو افنان نے پکارا۔
”جی بیٹے۔“ وہ بیٹھیں۔

”آپ انشال کو کل لے آئیے گا، میری آج اسلام آباد کی فلائیٹ ہے آفس کا کچھ کام ہے، مجھے کچھ دن لگ جائیں گے۔“ اس نے در پردہ انکار ہی تو کیا تھا۔

”آپ آجائیں پھر لے آئیں گے۔“
”ماما جان، میں لیٹ بھی ہو سکتا ہوں۔“
”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے مزید بحث سے احتراز کیا۔

☆☆☆

”پاپا جان، آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟“ دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے انشال

ماہنامہ منا (65) اگست 2014

انہمیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں،
ذہانت سے جگمگاتی سیاہ آنکھیں اسکرین پر جمی
ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”یہ چابی آپ کے لئے۔“ پاپا جان نے کار
کی چابی اسے تھما کر کہا انشال کو بے پناہ حیرت
نے آن پھیرا۔

”یہ کس لئے پاپا جان؟“

”ہماری جینی اتنی میلنڈ ہے ہمیں تو معلوم ہی
نہیں تھا، امان جس طرح انشال نے کمپنی کی
اینول رپورٹ پیش کی اور تمام شیئر ہولڈرز کو
مطمئن کیا امیزنگ۔“ پاپا جان نے چھوٹی مہم کو فخر
سے بتایا، ان کی آنکھوں کی چمک ان کی اندرونی
خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

”پاپا جان سب آپ کی سپورٹ اور پیار کا
نتیجہ ہے ورنہ میں کچھ بھی نہیں کر پاتی۔“ سب کی
توسیفی نگاہیں اس پر جمی تھیں، وہ خواجواہ کنفیوڈ
ہونے لگی۔

”یہ آپ کے پاپا جان کا حق ہے انشال
رکھ لو۔“

”لیکن ماما جان مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں
ہے۔“ انشال نے پس و پیش سے کام لیا۔

”آپ ہمیں احمد حسن نہیں سمجھتی کیا، اگر وہ
آپ کو گنٹ دیتے تو آپ انکار کر دیتیں؟“

”ایسی بات نہیں ہے، آئندہ ایسا سوچنے کا
بھی مت۔“

”بہت شکریہ پاپا جان۔“ اتنے بے ساختہ
پیار سے اس کی آنکھیں نمی سے پر ہو گئیں بڑے
پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”ایجوٹل سین بعد میں Continue
کریں گے پہلے ہالی ڈے ان میں ہمیں
زبردست ساؤنڈ ٹرک وائس بھائی اور اپنی ڈرائیو بھی

ٹرائی کریں۔“ روہیل فوراً پہنچا اور اپنی منطق ان
تک پہنچائی۔

”ٹھیک ہے لیکن پہلے بڑے پاپا سے تو
پوچھ لو۔“ وہ فوراً راضی ہو گئی۔

”ہاں چلے جاؤ لیکن ارہمی کو ساتھ لیتے
جانا۔“

”میں اور منان بھی بڑے ہو گئے ہیں،
بڑے پاپا، کوئی ہمیں کنڈنیپ نہیں کر لے گا جو ارہمی
بھائی کا جانا ضروری ہے۔“ اپنا چھوٹا سمجھا جانا
اسے سخت کھٹا تھا تب منہ بنا کر بولا۔

”جیسے آپ لوگوں کی مرضی بٹ کیئر فل
اباؤٹ ہانم۔“ تایا جان آج بہت خوش تھے تب
ہی اجازت بغیر کسی رکاوٹ کے مل گئی۔

”میں شائل کو بلا کر لاتا ہوں۔“ روہیل خوشی
سے شائل کے کمرے کی سمت بھاگا اور پھر رات

مگر وہ ڈیئر سارا وقت بیتا کر واپس آئے، سب
نے صبح معنوں میں لطف اٹھایا، خوشی نور بن کر ان
کے چہروں پر نقش کر رہی تھی، انشال کو عرصے بعد
زندگی اسے اندر چپتی محسوس ہوئی تھی، اس کے
لیوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی، وہ مسکراتے ہوئے
کمرے میں داخل ہوئی۔

مگر بیڈ پر دراز افنان کو گہری نیند میں مبتلا
دیکھ کر وہ ٹھنک گئی۔

”آں..... یہ کب آئے۔“ اسے حیرت
ہوئی، دایاں ہاتھ چہرے کے نیچے رکھے کھڑے
بالوں اور سکون خدو خال سمیت وہ ساحرا سے
اپنی طرف بچھ رہا تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم
رکھتی بنا، آواز کیے اس کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی،
اس کی چوڑی پیشانی، عتالی ہونٹ، لمبی اور نیکی
پاک، گھنے آبرو، غلافی آنکھیں جو اس سے بند
تھیں اسے بے حد خوبصورت بنا رہی تھیں، اس کا
دل چاہا وہ اسے دیکھتی رہے اس کے نقوش چرا

لے نہ جانے کتنی دیر وہ اسے لگا ہار دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں بھی مسکان چھپی تھی۔

”نہیں یہ میرا مقام نہیں.....“ ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا، درد کے شدید احساس نے اسے ہکان کر دیا تھا، وہ بیڈ پر آکر ڈھلے گئی، محبت کی مار اسے مار گئی۔

وہ عام گلی اس کا عام ہونا اسے شکست دے گیا، آج اس نے ایک نیا سبق پڑھا۔
”محبت کا معیار خوبصورتی ہے۔“

آنکھوں سے محبت پر ماتم ہوا، ساون جل قفل تھا محبت اپنی نارسائی پر نوحہ کناں تھی، آج انشال پر بے قدری قیامت بن کر ٹوٹی، اس نے چاروں اور نگاہیں دوڑائیں وہ تنہا تھی۔

☆☆☆

کافی عرصے سے نویرا کا پرپوزل آیا ہوا تھا، بڑے بابا اور ارگن چھان بین میں مصروف تھے، احتشام فرزکس میں ماسٹرز کرچکا تھا اور ایم فل کے لئے ابراؤ جانے کا ارادہ تھا، خاندانی ورثے میں بے شمار آبائی زمینیں تھیں اکلوتا تھا، اس لئے ابراؤ جانے سے قبل اس کے والدین بیٹے کے سر پر سہرہ سجاتا چاہتے تھے۔

یہ رشتہ ہر لحاظ سے موزوں تھا، لہذا چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا کام ہوا، وائٹ پیلس میں ایک دم بالکل عجیب گئی، اتنے کم وقت میں ڈھیروں تیاریوں نے سب کو اپنی اپنی جگہ مصروف کر دیا تھا، نزدیکی بھی شادی میں بھرپور شرکت کے لئے آچکی تھی۔

افنان دیکھ رہا تھا انشال نے بڑی بہو ہونے کا بھرپور ثبوت دیا تھا، اسے تو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا، آج مہندی کا فنکشن تھا، جو تین بجے تک جاری رہا اب سب تھکے ماندے سو رہے تھے، افنان نے بھی کمرے میں آکر چینیج کیا۔

انشال ہمیشہ کمرے میں اس کے سونے کے بعد آئی تھی اور اس کے اٹھنے سے قبل ہی بستر چھوڑ دیتی، وہ کم سے کم اس کا سامنا کرتی اور اگر غلطی سے وہ سامنے آ بھی جاتا تو اس کی طرف دیکھے بنا غائب ہو جاتی۔

تھکاوٹ اور نیند کی زیادتی سے اس کا برا حال تھا، مگر اسے انشال کا انتظار تھا جو اسے نظر انداز کرنے کے چکر میں نہ جانے کتنی دیر نیچے الجھ رہتی، جب وہ کالی دیر نہیں آئی تو وہ بھنجھلاتا ہوا خود ہی نیچے آ گیا، توقع کے عین مطابق وہ ملازمہ کے ساتھ کچن صاف کروا رہی تھی۔

”انشال کچھ دیر آرام کر لو، یہ کام صبح بھی ہو سکتا ہے۔“ حیرت سے اس کی آنکھیں امل پڑیں۔

”بس تھوڑا سا کام رہ گیا، میں ابھی آتی ہوں۔“ اس نے بمشکل اپنی حیرت پر قابو پایا۔
”کھانا کھایا تم نے۔“ اسے یقین تھا وہ اپنے بارے میں لاپرواہی سے کام لے گی، جواباً وہ سر جھکا گئی۔

”ثمینہ ایک ٹرے کھانے کی سیٹ کر کے اوپر کمرے میں لے آؤ اور تم ہاتھ دھوؤ چلو میرے ساتھ۔“ پہلے ثمینہ اور پھر وہ انشال سے سختی سے مخاطب ہوا، انشال کو تو حیرت سے شش آنے والی تھی۔

”تم مجھ پر ترس کھارے ہو افنان عدنان، مگر میرے پاس خود سے بھاگنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔“ اس کا دل کرب کے سمندر میں ڈوب گیا اور پھر اس سمندر میں آنسوؤں کی لہریں بکھرنے لگیں۔

☆☆☆

نویرا کی شادی بخیر و عافیت انجام پا گئی لیکن اس کے جانے سے بیشتر ذمہ داریاں انشال کے

ماہنامہ دنیا (67) اگست 2014

کندھوں پر آگئیں جن میں سے ایک ذمہ داری افغان کی تھی، اب تک اس کے تمام کام ماما جان یا نویرا کرنی تھیں مگر ماما جان کی خراب طبیعت اور نویرا کی شادی نے یہ کام اس کے حصے میں ڈال دیا تھا، بہت خاموشی سے اسے فرائض انجام دے دیتی، اس نے خود کو ایک متعین سمجھ لیا تھا جسے افغان سے کوئی توقع تھی نہ خود کسی جذبے سے زیر ہونا چاہتا تھی۔

اپنا معاملہ اس نے قسمت پر چھوڑ دیا، وہ بہت غیر محسوس انداز میں وائٹ پیلس کے مکینوں کی ضرورت بن گئی تھی، بڑے پایا کی کوئی ڈیل انشال سے مشورہ کیے بغیر نہیں ہوتی تھی، شائل، منان اور روہیل کی وہ بہترین دوست اور ٹیوٹر تھی، بڑی ماما، ماما جان اور چھوٹی ماما کے بچن کا مینو انشال تھی، ارٹھی کی بہن تھی، نویرا اور زونہ کی نگہباز اور دکھ سکھ سننے والی محسن۔

اور افغان..... ہاں اس کی شاید وہ کچھ نہیں تھی، وہ چاند تھا تو انشال چکور، جو صرف اسے دیکھ کر خوش ہو سکتی تھی، وہ جمع تھی تو افغان پر وانیہ اسے تو بس اس کی محبت میں جلتا تھا وہ دھرتی تھی تو افغان امبر، جو ایک دوسرے سے گہرے تعلق رکھنے کے باوجود صدیوں کے فاصلے سمیٹے ہوئے تھے، وہ دور تھا بہت دور، انشال کی رسائی سے بہت پرے۔

"دیکھو بارش کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔" زونہ نے اسے اندر آ کر دیکھا جو ستون سے ٹیک لگائے وائٹ پیلس کو بارش کے سنگ بھگتے دیکھ کر نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

"ہاں سب کچھ دھل کر بہت صاف اور خوبصورت لگ رہا ہے۔" وہ دھیسے سے مسکائی۔

"تم بھی آؤ نا باہر، بارش میں نہاتے ہیں۔"

"نہیں مجھے بجلی کی کڑک سے بہت ڈر لگتا

ہے۔"

شائل، منان، روہیل اور زونہ بارش میں خوب بھیک رہے تھے یہ سادون کی پہلی بارش تھی، اتنے میں شاہ میر زونہ کو لینے آ گیا تو وہ چیخ کرنے اندر چلی گئی۔

"ڈر پوک۔" جاتے جاتے اس نے تبصرہ جھاڑا، وہ بری طرح پام کے درخت پر چپکتے بارش کے قطرہوں کو دیکھتے میں محو تھی جب باؤل کی زور دار گزراہٹ نے اسے اندر تک ہلا دیا ساتھ ہی بجلی بھی چمکنے لگی تھی، اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب افغان اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا، وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی، اس کا دل خوف کی شدت سے زبردوں سے دھڑک رہا تھا اور وجود میں ہلکی سی لرزش تھی، افغان اور انشال کو ایک دوسرے قریب دیکھ کر شائل، روہیل اور منان نے مسکراتے ہوئے شرارت سے رخ موڑ لیا، جبکہ افغان بری طرح شٹاپا، ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا۔

وہ دھاڑا۔

"اس ڈرامہ بازی کا کیا مقصد ہے؟" اس کے خوف کو اس نے ڈرامہ بازی سے تعبیر کیا، انشال ششدر رہ گئی۔

"مجھے بجلی سے....." آفسوؤں کی شدت سے اس کی آواز رندھ گئی تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"اوہ تو پھر کمرے میں جا کر بیٹھو یہاں کیا رو میٹنگ سین شوٹ کروانے کے لئے کھڑی ہو۔"

وہ بھنایا، جبکہ اس کی بات پر انشال آب آب ہو گئی، اس سے اپنے قدموں پر کھڑے ہونا دشوار تھا، وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، جبکہ شائل اور منان کی شرارتی مسکراہٹ اسے کتنی ہی دیر سلگاتی رہتی۔

ہو رہا تھا

دن جس قدر گھبراہٹ اور خوفناک تھا، شب اتنی ہی شدید طوفانی اور ہولناک تھی، آسمان کی سیاہ چادر پر سرمئی پادل منڈلاتے پھر رہے تھے، ہواؤں کے پر زور پھٹرے فضاؤں میں اترتے درختوں سے ٹکراتے سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے، بادلوں کی چنگھاڑ رات کی وحشتوں اور سنائوں کو چیر کر ارتعاش برپا کر رہی تھی اس پر پر ہول تاریکی میں بجلی کی چمکتی ٹکیریں۔

موسم کے خطرناک تیوروں نے ہر ذی نفس کو گھر کی دہلیز تک محدود کر دیا تھا، اس برآمدی اور افغان کی غیر موجودگی نے وائٹ پیلس کے مینوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا، موسم کی خرابی کے سبب نیٹ ورک بھی نہیں آ رہا تھا۔

انشال سب کو تسلی بخشی دینے کی کوشش کر رہی تھی اندر سے وہ خود بخود حال ہو چکی تھی، ہوا کا زور دار جھکڑ جب گزرتا تو گماں ہوتا جیسے درختوں کو زمین کے سینے سے چیر کر نکال دے گا، ماما جان کا دل بری طرح ہول اٹھتا۔

ڈیرا گھسنے کے جان لیوا انتظار کے بعد وہ دونوں گھر واپس آئے۔

”پتہ ہے موسم خراب ہے پھر باہر جانے کی ضرورت کیا تھی۔“ چھوٹی ماما نے ارفی کا کان پکڑ کر لٹاڑا۔

”چھوٹی ماما بارش بہت تیز تھی اس لئے ہم کمرے میں رک گئے، نیٹ ورک نہیں آ رہا تھا اس لئے آپ کو انفارم بھی نہیں کر سکے۔“ ان کی پریشانی سمجھتے ہوئے افغان نے رمان سے جواب دیا۔

”چلو خدا کا شکر ہے آپ بخیر و عافیت ہیں، پہلے ہی رات کافی بیت چکی ہے، سب لوگ اپنے کمروں میں جاؤ اور آرام کرو۔“

بڑی ماما نے محفل برخواست کرنے کا عندیہ سنایا تو تمام جملہ افراد چلے گئے، افغان نے انشال کی تلاش میں نکلا ہے دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھی، جب گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی تب اس نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے ٹیرس پر ٹھہرتے دیکھا تھا، وہ یقیناً کمرے میں تھی۔

سوچتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اس نے شوز اتار کر ریک میں رکھے وہ پاٹ کر بیڈ کے قریب آئے تو وہ چائے نماز بجھائے نماز پڑھنے میں مصروف تھی، افغان نبھانے کیوں اسے دیکھے گیا، انشال کی اس کی جانب پشت تھی وہ بہت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی۔

”تم اس وقت کون سی نماز پڑھ رہی ہو؟“ وہ بچی تو افغان نے پوچھا۔

”شکرانے کے نفل پڑھ رہی تھی۔“

”کس لئے۔“ وہ اچنبھے سے مڑا۔

”آپ بخیر و عافیت لوٹ آئے اس لئے۔“

اس نے سادگی سے بتایا، وہ حیران ہوا۔

”تو صبح پڑھ لیتی۔“ بیچ دوپٹے کے ہالے

میں مقید اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

”جب اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرنے میں دیر نہیں کرتا تو ہم اس کا شکر کرنے میں کیوں دیر کریں۔“ اس کے لہجے میں سچائی اور یقین تھا۔

”تم اچھی ہو انشال، لیکن مجھے تم سے نفرت کیوں محسوس ہوتی ہے۔“ اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

”کیونکہ آپ کا محبت کا معیار انشال احمد نہیں، کچھ اور ہے اور اس کے ساتھ مثال احمد کے بچہ رویوں کا لیبل بھی تو لگا ہے۔“ اس کے ضمیر اس کی سوچ کو ڈی کوڑ کیا۔

”میرے لئے اس قسم کا تردد کرنے کی

ماہنامہ دنیا (۱۱) اگست 2014

ضرورت نہیں، اپنی فکر کرنے کا حق میں نے تمہیں نہیں دیا۔" اپنے خول میں سمستے ہوئے وہ درستی سے بولا۔

افنان نے لائٹ آف کر دی، جس کا مطلب تھا وہ یہاں سے جائے، وہ خاموشی سے چٹ گئی، گلاس وینڈو سے جھانکتا ہولناک سناٹا اور گزرتی بجلی انشال کو لرزانے کے لئے کافی تھے، وہ زندگی میں پہلی بار بادلوں کی گز گزاہٹ کے ساتھ تنہا سفر کر رہی تھی، خوف، بے بسی، رہبانیت اور وحشتیں سب مل کر اسے رلا رہی تھیں، خوف کی شدت سے وہ کانپ رہی تھی اس نے تکیہ سینے میں بھینچا ہوا تھا۔

ایک بار اس کا دل چاہا کہ افنان کے پاس چلی جائے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا خیال جھٹک دیا، کیا معلوم وہ پھر اس محل کو ڈرامہ بازی سے مشروط کرتا، اس پر الزام دھردیتا کہ وہ اس کے قریب آنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے، پھر حال وہ اپنے انا کے پندار کو زخمی نہیں کر سکتی تھی۔

"مر جاؤں گی مگر تمہاری پتہ ہوں میں کبھی نہیں آؤں گی۔" اس نے خود سے عہد کیا، مگر تین دن تو رو بھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

صبح اسے جلدی آنس کے لئے نکلتا تھا لہذا وہ بے غلٹ تیار ہوا اور بغیر ناشتے کے چلا گیا، بڑی ممانے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ دوڑائی ساڑھے دس ہو رہے تھے اور انشال بھی تک نیچے نہیں آئی تھی، وہ تو فجر کی نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد بڑی ممانے سے پاپا کا ناشتہ تیار کرتی تھی، انہیں فکر نے آن گھیرا۔

"طاہرہ!" انہوں نے ممانے کو پکارا۔
"جی بھابھی۔"

"انشال ابھی تک نیچے نہیں آئی۔"
"بھابھی جان، رات کو لیٹ سوئی ہوگی اسی لئے ابھی تک بیدار نہیں ہوئی۔" ممانے نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"پھر بھی طاہرہ، چاؤ پتہ کر کے آؤ، مجھے تو بہت فکر ہو رہی ہے۔" بڑی ممانے نظکرات سے زیر اثر کہنا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھ آتی ہوں۔" اسٹڈی روم میں اسے صوفہ کم بیڈ پر آدھی ترچھی لیٹتے دیکھ کر ممانے جان کی جان ہوا ہو گئی، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا، گندم کی بالیوں کی رنگت بخار کی شدت سے سرخ پڑ چکی تھی۔

"پانی۔" اس نے صرف لب ہلائے، نقاہت اور کمزوری سے اس کی آواز بھی نہیں نکلی رہی تھی گزشتہ شب کا خوف اسے شدید بخار میں مبتلا کر گیا۔

اس کا وجود ہوئے ہوئے کانپ رہا تھا، ممانے نے فوراً گلاس اس کے لبوں سے لگایا، دو گھونٹ پی کر وہ بے دم ہو کر پھر گر گئی۔

"تم سب کا دھیان رکھو میری بچی اور تمہیں کوئی ایک لمحے کے لئے بھی نہ پوچھے میں نے آپ کے ساتھ بہت نا انصافی کی۔" اسے کمرے سے الگ، افنان سے دور یہاں اسٹڈی میں پڑے دیکھ کر ممانے جان کو ان کے رشتے میں پڑی دراڑیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی، آنسو بے ساختہ ان کے عارض بھگو گئے۔

پھر ممانے نے ارٹھی کو فون کر کے بلایا اور وہ دونوں اسے قریبی کینک میں لے گئے۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو انشال۔" ارٹھی نے اسے نگاہیں ڈال کر تے دیکھا تو فوراً پوچھا جواباً اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"افنان آنس چلا گیا حیرت ہے مجھے اسے

معلوم نہیں تھا بچی اس قدر بخار میں پھنک رہی ہے۔" بڑی ماما کی افغان پر غصہ آیا۔

رات گئے اس کی طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی مگر نقاہت اسے اٹھنے نہیں دے رہی تھی، منان، روخیل اور شامل سائے کی طرح اس کے ساتھ تھے ماما جان اس کا بھرپور خیال رکھ رہی تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو انشال کی علالت کی خبر ملی، مگر یہ کیا ہمیشہ اس کا انتظار کرنے کے بعد سونے والی ماما جان آج سرشام ہی کمرے میں بند ہو گئیں، وہ ان سے ملنے کمرے میں گیا تب بھی خاموشی کا فضا ان کے لبوں پر لگا تھا وہ اس سے شدید ناراض تھیں اس کا اظہار ان کا ہر ہر انداز ظاہر کر رہا تھا، وجہ انشال تھی۔

اس کے غصے کا گراف ناچا رہے ہوئے بھی بلند ہو گیا تھا، کمرے میں منان روخیل اور شامل کے درمیان گھری وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی افغان کا دل چاہا تھا کہ وہ اس کی مسکراہٹ لوج لے۔

"اوکے بھابھی، بھائی آگئے ہیں، اب وہ آپ کا خیال رکھ لیں گے ہم چلتے ہیں۔" اسے آتا دیکھ کر منان شرارت سے پولا، جب کہ باقی دونوں کی کھی کھی اشارت ہو چکی تھی۔

"منان، میں کسی بھی فضول بات کے موڑ میں نہیں ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب چلو بھی بھیا نے بھابھی کی خیریت بھی تو دریافت کر لی ہے۔" شامل کی سرگوشی اس قدر بلند تھی کہ وہ بنوبی سن سکتا تھا۔

"بالکل ٹھیک اور یہ کام آپ کی موجودگی میں تو بالکل نہیں ہو سکتا اس لئے گڈ نائٹ۔"

مسکراہٹ بے ساختہ اس کے لبوں کے کٹاؤ میں پھل اٹھی، شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے

وہ تینوں پلٹ گئے، افغان نے کمرہ لاک کیا اور بیڈ پر آکر بیٹھ گیا، انشال فوراً سمٹ کر بیٹھ گئی، نظریں جھکائے وہ اس کے بولنے کی خطر تھی۔

"ماما جان سے آپ نے میری کیا شکایت لگائی ہے۔" اس کا حال چال پوچھنے کی بجائے وہ باز پرس کر رہا تھا اس کا دل کسی نے مسی میں بھیج لیا، درد کے احساس سے وہ زرد پڑ گئی۔

"کیا مطلب۔" وہ ابھکی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم بہت مظلوم ہو، ظلم و بربریت کا ہر طوفان میں نے تمہارے وجود پر توڑ دیا ہے بہت معصوم ہو، کس چیز کا بدلہ لے رہی ہو تم۔" دھیمی مگر جھج آواز میں وہ غرایا۔

"میں نے ماما جان سے کچھ نہیں کہا۔" اس کے چار حانہ تیوروں سے وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"وہاں جان ہو تم، جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو سکون چھین لیا ہے میرا۔" اس کی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے ماما جان کی ناراضگی سے زیادہ اس ناراضگی کا سبب اسے تکلیف دے رہا تھا اپنے بیٹے پر وہ اس لڑکی کو فوجیت دے رہی تھیں اس نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

انشال کبیل بٹا کر بیڈ سے اٹھی ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے بے ساختہ بیڈ کا کونا تھاما۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" پیشانی پر شکنوں کا جال پھیلا۔

"اسٹڈی میں۔" وہ منمنائی۔

"رہنے دو، ادھر ہی لیٹ جاؤ۔" اس کی طبیعت خرابی کے پیش نظر وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"نہیں میں وہاں زیادہ کمر فیمیل محسوس کروں گی، مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں

زور د شور سے رونے لگی اس نے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، افنان نے اس کے پیر کا جائزہ لیا۔

کالچ اندر تک گھسا ہوا تھا، اس نے کھینچ کر نکلا نکالا، درد کی شدید لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی، افنان نے فرسٹ ایڈ باکس نکالا، وہ اس کے پیر کی ڈرینگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس نے حیرت کھینچ لیا۔

”میں خود کر لوں گی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ پر یہ احسان کرنے کی۔“ یہ اس کا احتجاج ہی تو تھا، جواباً اس نے تنہی نکالوں سے اسے گھورا اور پاؤں پکڑ کر زخم پاؤں ڈین سے صاف کرنے لگا اس کے انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ مزید مزاحمت نہیں کر سکی، وہ اس کی ڈرینگ کر رہا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی خود پر توجہ محسوس کر سکتا تھا مگر وہ انجان بنا مصروف رہا۔

”تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس حالت میں، میں اس کا اتنا ہی خیال کرتا اس لئے کسی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اسے لگا کر کھل درست کیا اور عام سے لہجے میں بولا۔

”افنان۔“ وہ مڑا تو اس نے پکارا۔

”ہوں۔“

”لائٹ آف کر دیں۔“ اس نے کہا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

”عجب سائیکی کیس ہے۔“ لائٹ آف کرتے ہوئے اس نے انشال کی مسکراہٹ پر تبصرہ کیا اور خود صوفے پر آکر لیٹ گیا۔

☆☆☆

مما جان کو انشال کے ساتھ ہوئی یا انسانی ہر لمحہ مادہ رکھتی، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ افنان سے کبھی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی ہر لمحہ کی ٹینشن نے انہوں کو بند پریش کے مارنے

ہے میں کسی سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔“ اس نے نکلا تو زانکار کیا، اس کے انکار پر افنان کو سر پر لگی اور تلوؤں بجھی، ہاتھ میں پکڑا گا اس نے پوری شدت سے دیوار میں دے مارا، چھتا کے کی زور دار آواز پید کرتے ہوئے لگا اس ان گنت ٹکڑوں میں بٹ کر زمین بوس ہو گیا، انشال دہل کر دیوار سے لگ گئی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے مجھے مما جان کا خوف ہے اس لئے میں ہمدردی دکھا رہا ہوں یا بہت تڑپ رہا ہوں تمہیں چھونے کے لئے یا تم مجھ پر، کیا سوچتی ہو تم اس طرح تمہارے یہ ٹانگ مجھے متاثر کر دیں، یہ ٹانگ مجھ پر رتی برابر بھی اثر نہیں کریں گے سائنسی لڑکی۔“ آنکھوں میں غم بھر کر لبوں سے شعلے برسائے۔

”میں ایسا کچھ نہیں جانتی، یہ سب آپ کے دماغ کا شور ہے۔“ اس کی غلط فہمیاں اسے فتح کر گئیں مگر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے اور پھر بھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔“ سر ہاتھوں پر گرا کر وہ حلق کے بل دھاڑا۔

”سنا نہیں تم نے۔“ اسے وہیں کھڑا دیکھ کر اس نے بلند آواز میں کہا، وہ ننگے پاؤں کھڑی تھی راہ میں لگا اس کے ڈھیروں ٹکڑے حائل تھے اس نے قہر بڑھایا کالچ کا نوکیلا نکلا اس کے نازک پیر میں گھس گیا زور دار چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

پہلے ہی کمزوری سے اس کا بدن کانپ رہا تھا اس پر یہ زخم وہ بے دم ہو کر گرنے کو تھی جب افنان نے اسے بازوؤں میں بھر لیا، خون بوی تیزی سے کار ہٹ کی سح کو سرخ کرتا جا رہا تھا، افنان نے اسے بیڈ پر بٹھایا، وہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکل، اس کے رونے میں شدت آئی وہ

ماہنامہ دنیا (72) اگست 2014

سانسوں پر بوجھ لگتا ہے۔ "وہ تھک گئی تھی اس نے اعتراف کیا اور ماما جان کی گود میں سا گئی۔

"جب آپ کو پیار کے بدلے پیار نہ ملے تو چاہت کی چاہ چھوڑ دینی چاہیے میرے بچے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھ کر سر اٹھایا۔
"انسان آپ کو قبول کرنے پر تیار نہیں، میں آپ کی مزید حق تلفی برداشت نہیں کر سکتی، اس مسئلے کا حل آپ کی عیادت کی ہے۔" انہوں نے اس پر ہم بھوڑا، اسے چاروں اور دھماکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ماما جان..... الگ ہو جاؤں۔" وہ بے یقین لگا ہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ایسا مت کہیں ماما جان آپ کا ساتھ میرے لئے چلا لائی دھوپ میں گھسی چھاؤں سا ہے مجھے اپنی چھاؤں سے محروم نہ کریں۔" ان کا ہاتھ تھام کر وہ سسکی۔

"میرے سہارے پوری زندگی نہیں کئے گی انشال، ڈیڑھ سال میں انسان آپ کو نہیں اپنا پایا تو مستقبل میں بھی ایسا نہیں ہو گا بہتری اسی میں ہے۔"

"ماما جان مجھے آپ سے محبت ہے وائٹ بلیس کے درو دیوار سے اسیٹ ہے، مجھے ٹائل کو پڑھانا اچھا لگتا ہے منان اور روحیل سے ہنسا بولنا اچھا لگتا ہے، نور اور زوینہ آپ کے دکھ سکھ سننا اچھا لگتا ہے، بڑے بابا اور بابا جان کے ساتھ برنس ڈسکس کرنا اچھا لگتا ہے، ارچی کی پسند کی ڈشز بنانا اچھا لگتا ہے، میں ان رشتوں کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔" وہ ٹپ کر بولی۔

"یہ سب رشتے اور ان کی محبت تل کر انسان کی محبت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی، میں ہمیشہ نہیں رہوں گی انشال میری بات مان لیں، اسی میں آپ کی بناء ہے۔"

میں جتنا کر دیا تھا۔

"ماما جان آپ نے دوائی ابھی تک نہیں لی، آپ اپنا بالکل دھیان نہیں رکھتیں۔"

وہ انہیں محبت بھری ڈانٹ پلا رہی تھی اور ماما جان اس کا جائزہ لے رہی تھیں، خود سے بے گانہ بکھری سی حالت، آنکھوں میں کاجل نہ ہونٹوں پر رنگ، اداس اور مطموم، ہونٹوں کی مسکراہٹ تو آنکھوں میں بکھورے لہجے ویرانی کی نفی کرتی تھی۔
وہ اسے دیکھتیں تو انہیں کائنات کے رنگ اس چہرے پر سمئے نظر آتے، اب وہ رنگ مدہم بڑتے دکھائی دے رہے تھے، ماما جان نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

وہ اس گھر کی بیٹی تھی ملازمہ نہیں، اگر اس خاندان کو سنبھالنا اس کا فرض تھا تو اسے بیٹی اور بہو کے علاوہ بیوی کے حقوق ملنا بھی اس کا حق تھا، ان لوگوں کی خوشی کے لئے وہ خود کو بھول چکی تھی یا شاید انسان کی بے اعتنائی اور نصیب کی ناقدری اسے احساسات سے دور لے گئی۔

"انشال!" انہوں نے دھیرے سے اسے پکارا۔

"جی ماما جان۔"

"میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، آپ کو بھرے پرے خاندان کے ہونے کے باوجود تنہائیوں کے سپرد کیا ہے اب اس کا ازالہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں صفا تک کر وہ مضبوط ارادوں سے بولیں۔

"ایسا کچھ نہیں، آپ خود کو پریشان مت کریں۔" انداز سرسری تھا۔

"حقیقت سے نظریں چرانے سے کام نہیں چلے گا، آپ کو حقائق کا سامنا کرنا ہو گا۔"

"کیسی حقیقت ماما جان، اب کچھ حقیقت کسم فسانہ نہیں لگا، سب بے تاثر اور زندگی کی

وہ اپنے فیصلے پر اٹل تھیں، انشال نے مزید احتجاج نہیں کیا، جب کوئی خود ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دے تو کہنے سننے کی حدیں دم توڑ جاتی ہیں، اس نے آنسو رگڑے اور لڑکھڑاتے ہوئے کمرے کی سرحد عبور کر گئی۔

ہنہ ہنہ

”بھابھی پلیز میری شرٹ استری کریں۔“
منان تیزی سے چلتا آیا شرٹ اسے تھمائی اور پیٹ گیا، انشال نے انکار نہیں کیا سست روی سے چلتی استری اسینڈ تک چلی گئی، اس کا زخم ابھی بھی گہرا تھا وہ لٹکڑا کر چل رہی تھی آج سندے تھا، تمام جملہ افراد گھر پہ ہی موجود تھے اور ہر ایک کو انشال چاہیے تھی۔

”بھابھی سر میں بہت درد ہے ایک ٹیبلٹ اور اسٹرائک سی چائے ذرا جلدی۔“ صوفے پر دھب سے بیٹھتے ہوئے شائل نے ہدایت جاری کی، افنان پہلو بدل کر رہ گیا یہ قریب ہی تو دروازے میں گولی پڑی تھی شائل اتنا سا کام خود نہیں کر سکتی تھی۔

”بھابھی آپ نے میرے کپڑے لانڈری نہیں بھیجے سب ویسے ہی پڑے ہیں اب میں کیا پہنوں۔“ روئیل منہ بسورے اس کے سر پر کھڑا تھا۔

”لانڈری میں آیا ہی نہیں تو کسے دیتی، لاؤ مجھے دو میں دھو دیتی ہوں، اسپر میں ڈال دوں گی ابھی خشک ہو جائیں گے۔“ اس سے کپڑے پکڑ کر وہ الٹی میں گم ہو گئی۔

ہر ایک کام نمٹاتے نمٹاتے وہ دوپہر کا کھانا بھی ساتھ ساتھ تیار کرتی جا رہی تھی۔

”انشال دو چار ڈشیز زیادہ بنا لیں میرے کچھ دوست آرہے ہیں۔“ ارغی نے کہا تو وہ اٹنے قدموں کچن میں گھس گئی، افنان کو گھر رہنا

عذاب لگ رہا تھا، اس کے گھر والوں نے جانوروں کی طرح اس پر کام لاد ہوا تھا، اسے حیرت ہو رہی تھی وہ ایسے بے حس تو نہ تھے۔
”ارغی انشال اکیلی یہ سب کیسے کرے گی تم ہوٹل سے کچھ منگوا لو۔“ بالآخر اس کا ضبط چھٹک ہی گیا۔

”کیا ہو گیا ہے افنان، وہ یہ سب پہلی بار تھوڑی کر رہی ہے یہ تو اس کی روز کی روٹین ہے وہ نہیں تھکے گی، جنہیں شاید پہلی بار نظر آ رہا ہے۔“ ارغی نے طنز میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

اور اپنے گھر والوں کی بے حس پر اسے جی بھر کر غصہ آیا وہ جتنا کڑھتا کمرے میں گھس گیا۔

”یہ کیا کیا آپ نے انشال، بریانی پر بھی کا تڑکا لگا دیا، ارغی یہ بریانی نہیں کھاتا آپ کے بڑے پاپا کو کر لے گوشت سے سخت الرجک ہے ان کی طبیعت کا بھی خیال نہیں کیا آپ نے، آپ اس گھر کے لوگوں کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، پلیز ہر کام میں مداخلت مت کیا کریں، جائیں اب یہاں سے سب کچھ مجھے دوبارہ کرنا پڑے گا۔“ ماما جان نہایت درشتی سے کہتے ہوئے کچن اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

”امان (چھوٹی ماما) میری مدد کرو جلدی سے کچھ اور بنا لیتے ہیں۔“ اسے یکسر نظر انداز کئے وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں، ماما جان کا گزشتہ تین دن سے بھی رونا تھا اس کے ہر کام میں اسے کیڑے نظر آتے، افنان کسی کام سے جا رہا تھا ماما جان کی بلند آواز سن کر وہیں سے کچن میں پلٹ آیا، جہاں انشال کو زبردست ڈانٹ پائی جا رہی تھی، وہ لب کاٹتے ہوئے چپ چاپ سن رہی تھی، افنان بری طرح تھکایا، وہ تیزی سے افنان کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی۔

”ماما جان۔“

ماہنامہ دنیا (4) اگست 2014

پاس بھیج دیا جب مجھے آپ کے پیار اور پرورش کی ضرورت تھی بڑی ہوئی تو واپس بلا لیا جب ماموں اور ممانی جی کو اپنا سیکھ لیا، میری مرضی کے بغیر شادی طے کر دی اور اس نے عین شادی کے دن مجھے لٹکرا دیا، پھر اپنی عزت بچانے کے لئے مجھے ایک اور شخص کی بھینٹ چڑھا دیا، ایسا انسان جس کے خیالات خواب اور زندگی کے اصول مجھے اس میں مدغم ہونے کی اجازت نہیں دیتے، سب اپنی اپنی جگہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں کوئی مجھ سے میری مرضی کیوں نہیں پوچھتا، میں بھی انسان ہوں، مگر روئے مجھے دکھ دیتے ہیں، محبت کی چاہ کے احساسات میرے دل میں چل اٹھتے ہیں مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے میرے بھی آنسو بہتے ہیں، میری برداشت سے بڑھ کر مجھے اذیت مت دیں۔" وہ پھٹ پڑی تھی جب لفظ دبا دبا کر سینے میں لاوا بن جا میں تو وہ یونہی ایک دن پھوٹ بہتے ہیں۔

"انشال میری بچی۔" پشوار نے نور اترپ کر اس بکھری لڑکی کو خود میں سمیٹا۔
"مجھ سے اور؟" ان مت لیجئے گا ماما، مجھے وہاں جانے پر مجبور مت کیجئے گا، میری ذات کو مزید اذیت نہ کیجئے گا۔" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"انشال ہو سکتی تو مجھے، ماف کر دینا، افغان کے ساتھ بیاہ کر میں تو مطمئن ہو گئی کہ طاہرہ کے بیٹے پر مجھے کامل بھروسہ تھا، میں نہیں جانتی تھی وہ میری بیٹی کا یہ حال کرے گا۔"

"اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں ماما، آپ انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتیں، جب کوئی چیز یا فیصلہ زبردستی کسی کے سر قہو پ دیا جائے تو وہ بوجھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں اس وقت بہت مصروف ہوں تمہاری بیوی نے جو کام بگاڑے ہیں انہیں ٹھیک کرنے میں ناتم لگے گا۔" انہوں نے دیکھے بغیر مصروف ستانداز میں جواب دیا۔

"میری بیوی کو آپ ہی بیاہ کر لائی ہیں۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو یہ ڈانٹ بھی میں نے ہی اسے پائی ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے۔" ماما جان اسے بخشنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"ماما جان آپ کو کیا ہو گیا ہے، ایک دم سے وہ آپ کو اتنی بری کیوں لگنے لگی ہے۔"

"میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ماما جان نے ٹکسا سا جواب دیا، تو جلتا بھٹتا چیزوں کو ٹھوکریں مارتا پلٹ گیا، چھوٹی ماما اور ماما جان نے ذوقی انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆ ☆ ☆
ماما جان کے حکم کی تعمیل ہو گئی، انشال خاموشی سے وائٹ پیلس کے دروازے کو الوداع کہہ گئی، شاید یہی بہتر تھا کل کو سب لوگ اپنی اپنی جگہ سیشنل ہو جاتے تو انشال کی کیا وقعت رہ جاتی، اس کا شوہر اس کی حیثیت ماننے سے انکاری تھا تو پھر اپنے حقوق کس سے منوائی۔

نیرس پہ کھڑے اسے گھر کے لان کو دیکھتے ہوئے اسے وائٹ پیلس کے اطراف میں بکھرا ہوا بھرا منظر یاد آ گیا۔

"انشال اندر آ جاؤ جینا سردی بڑھ رہی ہے۔" پشوار نے اسے پکارا، دسبر کی خشک اور اداس شاموں کی بجائے اس کے اندر کہیں گل گئی۔

"انشال اتنی اداس کیوں رہتی ہو میری جان۔" اس کے چہرے کی ویرانی اور ستانا دیکھ کر ان کا دل کٹ گیا۔

"ماما بچپن میں آپ نے مجھے ماموں کے

رسانیت سے جواب دیا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس خبر پر خوش ہوا یا پریشان مگر اسے چپ ضرور لگ گئی تھی۔

”جو فرائض وہ یہاں سر انجام دے رہی تھی، وہ تو ایک ملازمہ بھی دے سکتی ہے تو میرے خیال میں کسی کو میرے فیصلے سے اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔“ ماما جان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور سکون تھا۔

”ماما جان آپ میری بیوی کو ملازمہ سے کمپئر کر رہی ہیں۔“

”کیوں نہیں افغان، جب اپنی بیوی کو بیوی نہیں سمجھتے تو ہم کیوں اسے بہو مانیں، جب اس کے حقوق نہیں دے سکتے تو ہم سے بھی کوئی ایسی توقع مت رکھیں، جب آپ اس کی انسلٹ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں، آپ کے لئے وہ غیر اہم ہیں تو ہم سے بھی اہمیت کی امید مت رکھیے گا، بیٹے آپ کی خوشیاں چھین کر میں نے بہت بڑی غلطی کی، اب وہ آپ کو لوٹنا چاہتی ہوں، انشال آپ کی خوشی نہیں ہے۔“ ماما جان نے اس کی اچھی خاصی کھینچائی کر ڈالی۔

”میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں افغان، آپ اسے احترام دے گے تب ہی سب اسے معتر جانیں گے۔“ لوہا گرم دیکھ کر ماما جان نے مزید چوٹ کی اور اسے سوچوں میں گھرا دیکھ کر چلے سے اسے وہیں چھوڑ گئیں۔

☆☆☆

افغان سونے کے لئے لیٹا تو نہانے کیوں اس کی گرم سانس اسے پریشان کرنے لگیں، اس دن جب وہ ٹولی تو افغان جانک رہا تھا، وہ جان بوجھ کر سوچا بن گیا، اس کی محویت خسوں کر کے، وہ انسان بن گیا، وہ اس پر تکی تو افغان کے دل میں تنفر کی ضرب ہی مگر ہر اس کے الفاظ نے اس پر

”میں افغان سے بات کرتی ہوں۔“
”اب مجھے اور ذلیل مت کریں کیا کہیں گی اسے، میری بیٹی کو سہل چاؤ، پلیز اب اور نہیں۔“
وہ آنسو رگڑتے ہوئے ٹی سے بولی۔

”اوکے نہیں کرتی، ریٹیکس، فریش ہو کر آؤ میں تب تک کھانا لگوانی ہوں۔“ اسے برہم دیکھ کر پشتوانے بات پلٹی تو وہ بھی سر ہلاتی کمرے سے ملحقہ واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

”شانل میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔“ افغان نے شرٹ اسے تھمائی۔

”بھائی مجھے نہیں آتا لگاتا۔“ وہ صاف کر گئی۔
”تمہیں اتنا سا کام نہیں آتا۔“ اسے حیرت ہوئی۔

”پہلے زدنیہ اور نور آتی کچھ نہیں کرنے دیتی تھیں اب انشال بھائی۔“ اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔
”قتیوں نے مل کر بنا ڈا ہے تمہیں۔“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔

”انشال کدھر ہے۔“ اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر پوچھا۔
”بھابھی تو اپنے گھر چلی گئیں۔“ سر پرانز اس کا منتظر تھا۔

”میں نے کہا آج کے بعد میں انشال کا ذکر نہ سنوں۔“ پیچھے سے ماما جان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی وہ نہجانے کب لاؤنج میں آئی تھیں۔
”کیا مطلب ماما جان؟“ وہ الجھ کر ان کی سمت بڑھا۔

”بیٹے میں نے انہیں ہمیشہ کے لئے وائٹ بلیس سے رخصت کر دیا ہے، اب آپ کو اور ہمیں اضافی بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔“ ماما جان نے

ماہنامہ دنیا (76) اگست 2014

ایک اور حقیقت منکشف کی۔

”یو آر آپرٹس اینڈ یوڈیزرو آپرٹس۔“ اس کی پاست کے لباس میں لمبی بازگشت اس کے گرد گونجی، وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

”تم نے مجھے غلط سمجھا انشال، تمہیں لگتا ہے میں رشتوں کو شکل و صورت کے لحاظ سے بانٹتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر کارڈور میں چلا آیا۔

”نوریا تم چاہے جانے کے قابل ہو پوں اپنے ہر جینڈ سے انجان رہو گی تو کبھی نہیں لوئیں گے انہیں اپنے ہونے کا احساس دلاؤ۔“

اب دن اس نے نوریا سے انشال کو کہتے سنا۔

”لوگوں کو نصیحت کرنے والی خود اپنا احساس مجھے کیوں نہیں دلا سکی۔“ سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا وہ لائونج میں اترتی میزھیوں کی سمت بڑھا۔

”ہم رشتوں کو اپرواہی سے بدستہ ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ریت کی طرح ہاتھ سے پھسل جاتے ہیں، افغان نے بھی اول روز سے ہی انشال سے ہر بائو لیا، مثال کے لفظوں کی بوٹ اور اپنے ٹھکانے کی ضربیں وہ انشال پر آڑ مارتا رہا، اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ اس رشتے کو انجام کی ضرورت ہے، اس نے انشال کو قبول کرنے کی کوشش بھی نہیں۔“ قطر قطرہ رات چال رہی تھی اور ساتھ دھیرے دھیرے افغان بدنام بھی سلگ رہا تھا۔

وہ اس لڑکی سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن اسی کی کمی اس پر آخر لال لے کر اتری تھی، وہ صوفے پر ٹپک گیا، اپنی حالت سے بے خبر، وہ ماننا نہیں چاہتا تھا کہ انشال اس کے لئے اہم ہے وہ اس کے لئے کیونکر اہم ہو سکتی تھی وہ تو مثال کی بہن تھی اس کا حوالہ اس سے خطر ہونے کے لئے کافی

نہیں تھا، وہ خود کو الجھا رہا تھا۔

”کیوں جناب بیوی کے بغیر نیند نہیں آ رہی جو روحوں کی طرح آدھی رات کو منڈلاتے پھر رہے ہو۔“ اس کے قریب ارغی بیٹھ گیا اور طشکرنا اپنا فرض جانا۔

”پلیز اب تم بھی شروع مت ہو جانا اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”یار میں تو پراجیکٹ اسٹڈی کر رہا تھا اس لئے نیند سے جنگ ہے۔“ ارغی نے وضاحت دی۔

”افغان..... مجھے تمہارے رویے کی سمجھ نہیں آتی۔“ ارغی نے تمہید باندھی۔

”کس بارے میں؟“

”تم انشال کو کس بات کی سزا دے رہے ہو، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔“

”اب تم بھی اس کی سان میں قصیدے پڑھتے مت نہ رہو جانا۔“ وہ جھپٹے پن سے بولا۔

”اب کوئی انسان ہو ہی اس قابل تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ ارغی نے اسے حرید چڑایا۔

”افغان وہ کہاں غلط ہے مجھے بتاؤ۔“ وہ شبیہ ہوا۔

”وہ غلط نہیں ہے لیکن وہ غلط ہے مکی۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”وہ غلط ہے کیونکہ اس نے مجھ سے اپنا حق وصول نہیں کیا، اس نے بھی مجھ سے میرے رویے کا سبب جاننے کی کوشش نہیں کی، میں نے سوگڑ کا فاصلہ بتایا تو وہ ہزار گز کے فاصلے پر چلی گئی، میں نے بات نہیں کی تو اس نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی، میں بدگمان تھا تو اس نے کون سا صفائی دی۔“

”یعنی تم اس کی طرف سے پیش رفت کے منتظر تھے۔“ ارغنی نے نتیجہ نکالا۔

”میں نے بھی اپنے رشتے کو وقت نہیں دیا ارغنی۔“ اس نے سچائی سے اعتراف کیا اور میز کی سطح کو انگلی سے کھرچنے لگا۔

”تم نے تب اس سے امیدیں وابستہ کیں، جب اسے تمہاری ضرورت تھی، ایک انسان جو اس کی زندگی سے منسوب ہونے جا رہا تھا وہ اسے بچ منجھکار میں چھوڑ گیا اور جسے اسے سونپا گیا وہ اس سے بھی زیادہ جی دار نکلا، وہ کس قدر ذہنی اذیت میں مبتلا ہوگی تم نے بھی یہ سوچا، بجائے اسے سنبھالنے کے تم نے اسے احساسِ زیاں میں مبتلا کیا ہے اور افسوس مجھے اس بات پر ہے کہ تمہیں اس پر پچھتاوا بھی نہیں۔“

”ارغنی مجھے پچھتاوا نہیں، یہ تم کہہ رہے ہو، ضروری نہیں ہر بات کے لئے واویلا کیا جائے کچھ باتیں دل تک محدود ہوتی ہیں۔“ اس نے صاف دامن بچایا۔

”بعض دفعہ دل کی باتوں کو زبان دینی پڑتی ہے ورنہ وہ جدائی کے انٹ نفوش جیت کر جاتا ہے اظہارِ محبت کی شرط ہے۔“

”تم سے کس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔“ وہ انکار ہی ہوا۔

”اس لمحے نے جب اس کی فکر میں تم رات بھر جاگے، جب تم نے ماما جان سے اس سے متعلق باز پرس کی، جب تم نے مجھ سے اس کے دفاع کے لئے بات کی اور یہ لمحہ جو ہم دونوں کے مابین ہے جو جیج جیج کر اعلان کر رہا ہے کہ افنان عدنان انٹل کے بغیر ادھر رہا ہے۔“

”تم کچھ زیادہ ہی جذباتی نہیں ہو رہے۔“ اس کی سنجیدگی پر افنان بے ساختہ ہنس پڑا۔

”اب تم میرے ڈائیاگنز پر اپنی مسکراہٹ کا

پانی پھیر کر ستیا ناس مت کرنا۔“ وہ بھی ہنسنے ہوئے ہوا۔

”اپنے دل میں منجائش پیدا کرو افنان، اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر انٹل کا محاسبہ کرو نتیجہ بہت شفاف اور صاف نظر آئے گا۔“ ارغنی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔

”گڈ نائٹ۔“ اسے نظر انداز کرتا وہ پلٹ گیا ارغنی کی متاسف نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

ہو ہو ہو

”ماما جان آپ کو پتہ ہے انٹل کی لندن سکول آف اکنامکس میں پھر ارشپ ہو گئی ہے۔“

”رونیہ کی زندگی میں بیٹے کسی صورت میں اضافہ ہو چکا تھا وہ آج کل وائٹ ہلس کو روٹن بخش رہی تھی، افناری کے وقت اس نے کرنٹ ٹیوڈ دی۔“

”جسٹنی میلنڈ ہیں بھابھی ان کے اسٹینڈرڈ کو میچ بھی یہی جاب کرتی ہے۔“ ٹائل نے سچائی سے اس کی تعریف کی۔

”آپ کو کیسے پتہ چلا آپلی، ادھر تو بھابھی نے سارے رابطے ختم کر رکھے ہیں۔“ روہیل کو افسوس ہی تھا۔

”میں نے کل کال کی تھی اسے تو اس نے بتایا کافی خوش تھی۔“

خاموش بیٹھے افنان کو نظروں کے نوکس میں لاتے ہوئے وہ ذومعنی اھاز میں بولی، جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

”ماما جان ہم سب بھابھی سے ان کے لندن جانے سے پہلے ملنے جانا چاہتے ہیں۔“

ماما جان جو ان کی باتوں کا کوئی نوکس نہیں لے رہی تھیں کو منان نے اچانک گفتگو میں

گھڑی چلا آ رہا جب غلط لین میں گھسنے سے وائٹ سوک سے اس کی گرے کر دلا جا ٹکرائی، اس نے بروقت بریک لگائی تب بھی اس کا سر جھٹکے سے اسیرنگ سے ٹکرایا، درد کی ایک شدید لہر اس کا دماغ سن کر گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر قابو پاتا گاڑی سے باہر نکلا، لمحوں میں ایک بھیڑ دونوں گاڑیوں کے گرد جمع ہو چکی تھی، دوسری طرف ایک لڑکی تھی جن کا سر کھڑکی کی طرف ڈھلکا ہوا تھا، انسانی ہمدردی کے تحت اس نے کندھے سے سیدھا کیا تو اسے ہزار دہشت کا کرنٹ لگا، وہ اور کوئی نہیں انشال احمد تھی، اس کے سر سے بہتے خون اور بند آنکھوں کو دیکھ کر اس کے حواس جھنجھٹا اٹھے تھے بلا سوچے سمجھے اس نے اسے گاڑی سے نکالا اور اپنی گاڑی میں ڈالا، اس کی منزل قریبی ہسپتال تھا۔

☆☆☆

جب اسے ہوش آیا تو درد سے سر میں شدید ٹیسس اٹھ رہی تھیں، اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

”کوئی پریشانی کی بات نہیں، ڈنٹیں شدید اعصابی جھٹکا لگا ہے اسی کے سبب بے ہوش ہو گئیں، آدر دائر ایوری تھینک آڈ آل رائٹ۔“ ڈاکٹر رانا یوسف نے اسے تسلی دی۔

”تھینک یو ڈاکٹر۔“ انشال نے ان کا شکریہ ادا کیا تو وہ سر ہلاتے باہر نکل گئے۔

شب کا آخری پہر تھا، ہلال عید آسمان کی وسعتوں میں براجمان چمک چمک کر شب کی تاریکی کو اپنی نیلگوں اور اچلی روشنی سے منور کر رہا تھا، سینڈ فلور کی پہلی رو میں تیسرا کمرہ ان کا تھا، پچھلے تین گھنٹے سے وہ اس کے بیدار ہونے کا انتظار کر رہا تھا، دل میں ہزاروں اظہار محفل رہے تھے مگر اس کی بے چینی سے بے خبر وہ تو بڑی پر

کھینٹا۔

”منان خاموشی سے انتظار کریں۔“ ماما جان نے اسے جھڑک دیا جس کا صاف مطلب انکار تھا۔

”سوری ماما جان۔“ وہ فوراً نام ہوا۔

انشال سمجھنے سے قاصر تھا نبھانے کیوں انشال ماما جان کو کانٹے کی طرح چبھنے لگی تھی۔

”ایکسیکوزمی۔“

انشال کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ معذرت کرتا ہوا اٹھ گیا، زونہ نے انشال کے نکلنے ہی شامل کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور پھر سب ہی مسکرا دیے۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی، عید کا چاند نظر آ گیا تھا، وائٹ پولیس کے کمپن زور و شور سے تیاریوں میں مصروف تھے، صد حیرت کہ کسی کو انشال کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر گزرتے وقت کے ساتھ اس کا دل بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

”بھائی آپ باہر جا رہے ہیں؟“ وہ پورج تک آیا تو شامل دوڑی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

”ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ کچھ سامان کی لسٹ ہے آتے ہوئے لیتے آئیے گا۔“ اس نے ایک چٹ اسے تھمائی تو وہ خاموشی سے گرے کر دلا میں آ بیٹھا۔

گاڑی بے منزل راستوں کی سمت رواں دواں تھی، انشال احمد زندگی کی ضرورت دھڑکن بن کر اس کے دل میں بس رہی تھی، بس اقرار مشکل تھا یہ شکست قبول کرنا مشکل تھا کہ اس کے تمام خدشات غلط ثابت ہوئے۔

اس کی مردانہ انا اسے جھٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

انہی سوچوں میں گہرا وہ برق رفتاری سے

ماہنامہ دنیا (79) اگست 2014

ساتنے آکھڑی ہوئی جو شب کی دھستوں کے تمام پردے چاک کیے ہوئے تھی۔

"انشال مجھے تم سے شادی پر کوئی اونچک نہیں ہوئی ہو اگر تم مجھے ان حالات میں نہ ملی ہوئی، آج میں اپنی ہر وہ بات تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے ابھی خود سے بھی نہیں کی۔" وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آنکھیں، دونوں کی نگاہیں شب میں کھٹکتی تاریکیوں پر تھیں۔

"مشال کا بچپن سے ہمارے ہاں آتا جانا تھا تھوڑے سے بڑے ہوئے تو ماما جان نے ختی سے ڈانٹ کر کہا، مشال میری بہو ہے خبردار جو ادھر ادھر کہیں دیکھا تب میں نے مشال کو پہلی بار غور سے دیکھا اس کی خوبصورتی نے مجھے بھی متاثر کیا شدید خوبصورتی ہر انسان کی کمزوری ہے یا میں عمر کے اس دور میں تھا جب پرکھنے کو نہیں کشش ہی ملتی ہیں باقی کو ایلیز سے انسان ہے بہرہ ہوتا ہے، میں نے ماما جان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا، ان کے فیصلے میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی، اسے رشتے کے حوالے سے وہ میرے لئے خاص تھی مجھے اس سے انسیت تھی لیکن میں نے ہمیشہ اسے نارملی ٹریٹ کیا، مگر یہ سچ ہے اس کی انگریز آنکھیں جو اس کے چہرے پر چھوٹی ہو جاتی تھیں مجھے ان میں خوشیوں کا عکس دیکھنا اچھا لگتا تھا، پھر اچانک اس نے انکار کر دیا اور انکار کی جو توجہ پیش کی اس میں سراسر ہمارے خاندان کی انسٹ تھی، اس کی سوچ پر میں دنگ رہ گیا، میرے دل میں اس رشتے کے حوالے سے جو انسیت تھی وہ برہمی اور بے زاری میں بدل گئی، بابوں کہہ لو خود کو رنجیکٹ کیا جانا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، لیکن ماما جان کی پشت اور آنتی سے دوستی کے پیش نظر ہم خاموش رہے پھر بہت اچانک اور طوفانی انداز میں تم میری زندگی میں

سکون خند سوئی تھی۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اسے ساتنے پا کر فیصلہ کرنا کتنا آسان ہو گیا تھا اسے اس ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ کر ایسا کیوں لگا کہ وہ زندگی کی ضرورت ہے، وہ ایک تک اسے دیکھ رہا تھا، یہ شاید اس کی نگاہوں کی حدت ہی تھی جو اسے کسمسانے پر مجبور کر گئی، اس نے دھیرے دھیرے نگاہیں واکیں، چپت پر سینگ فین تھا اس نے گردن تھما کر دیکھا، دوسری طرف اس کے بندے کے بالکل پاس افقن عدنان براجمان تھا، اس نے رخ پھیر لیا۔

"اوہیلو، گزشتہ تین گھنٹے سے آپ کے جاننے کے انتظار میں ہوں اور میڈم کوئی لفٹ ہی نہیں ہے۔" اسے چہرہ موڑتے دیکھ کر وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو وہ اچنبھے سے اٹھ بیٹھی۔

"آ..... آپ..... کج میں ہیں۔" اس نے پلٹیں جھکتے ہوئے حیرت سے دریافت کیا۔

"نہیں میرا بھوت تمہاری بیمار پرسی کرنے آیا ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔

"آپ اور میں یہاں کیسے، اور یہ کہاں ہیں ہم۔" اب اسے سچ معنوں میں ہوش آیا تھا۔

"ریلیکس اتنا سیریس مت لو پہلے ہی انجریڈ ہو، سب بتانا ہوں۔" افنان نے شانوں سے تھام کر اس کی بند سے فیک لگوائی اور خود ساتنے تک گیا اور دھیرے دھیرے اسے ایکسیڈنٹ کی روداد بتادی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم لندن جا رہی ہو۔" اس نے شاکی لہجے میں پوچھا تو انشال نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی سچ الدماغی پر شک ہو۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے بتانا چاہیے؟" اس نے الٹا سوال کیا اور بندے سے اتر کر گلاس وینڈ کے

آئی، سچ یہ ہے کہ اب میں احمد ہاؤس سے کسی تعلق کا خواباں نہیں تھا، میرے دل میں نفرت اپنی جگہ قائم تھی، مجھے دیکھ مشال شکل بدل کر ایک بار پھر ہمارے رشتوں کا مذاق بنانے آئی ہے، تمہارے اہراڈ میں پرورش پانے کے خیال نے مجھے مزید ڈرا دیا، میں بھی تمہارے بارے میں مثبت انداز میں نہیں سوچ پایا۔ "وہ خاموش ہو گیا، اس نے پاس کھڑی لڑکی کو نہیں دیکھا وہ بے آواز رہ رہی تھی، وہ ایسے جرم کی سزا بھگت رہی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

"آپ نے مجھے پہلے سے طے شدہ خیالات کی سمیٹ چڑھا دیا افغان ایک بار میرے دل میں جھانک کر دیکھتے، وائٹ پیلس کے لئے میرے دل میں کیا جذبات ہیں آپ جان جاتے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میں تمہارے دل میں جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں لیکن وائٹ پیلس کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے، میں تمہاری روح تک اترنا چاہتا ہوں انشال، تمہاری پاکیزگی میں دھل کر اجلا اور شفاف ہونا چاہتا ہوں۔" وہ بڑھ کر ایک قدم قریب آیا اس کی گیسر سرگوشی انشال کے اطراف میں گونگی۔

"میں آپ کے قابل نہیں میں مشال جیسی خوبصورت نہیں۔" وہ سر جھکائے گلوگیر آواز میں بولی، افغان نے ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لئے دھیرے سے اسے قریب کیا اس کے ہاتھ اپنی پشت پر باندھ دیئے خود اپنا ہاتھ اس کی کمر کے گرد جامل کیا فاصلوں کو خیر باد کہا وہ چل کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگی اس نے گرفت مضبوط کی اور اس کا جھکا سر اٹھایا، انشال نے آنکھیں بند کر لیں اس میں ہمت نہیں تھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے

کی۔ "تمہیں کس نے کہا تم خوبصورت نہیں ہو، تم وہ ہو جس نے افغان عدنان کو بخیر کر لیا، تم وہ ہو جیسے رشتے باندھنے کا گرا آتا ہے، تم وہ ہو جس نے مجھے جیت لیا، تم دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو، جس کی سیاہ زلفوں میں شب کی تاریکی کا سماں بندھا ہے تو وجود کی ٹھنڈک میں جذب ہو جانے کو دل چاہتا ہے، تمہاری غیر موجودگی مجھ پر بے چینی اور اضطراب لے کر اتری، مجھے معلوم ہوا کہ مجھے تمہاری عادت ہے، مجھے تمہاری ضرورت ہے، تم ہی ہو جو وائٹ پیلس کو سنبھال سکتی ہو۔" اس کے خوبصورت اقرار غموں کی دھند کو لپیٹتے جا رہے تھے وہ یک ایک اسے دیکھ رہی تھی اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی۔

"اب آپ مجھے بے وقوف بنارہے ہیں۔" اسے جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے مسکراہٹ دبائے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تصویری پر یقین نہیں ہے لگتا ہے ریٹینکل کر کے دکھانا پڑے گا۔" وہ اٹھا ہر سنجیدہ تھی مگر آنکھوں میں ہلکے لپٹی شرارت افغان سے کہاں پوشیدہ تھی، انشال تو الٹا پھنس گئی۔

"نہیں..... نہیں مجھے یقین ہے۔" اسے جارحانہ طور لئے اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر اس نے فوراً ہتھیار ڈالے۔

"بس لڑکی ساری بہادری نکل گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے صوفہ پر آ بیٹھا۔

"افغان!"

"جی جان افغان۔"

"بی سیر لیس۔" وہ چڑ کر بولی۔

"اوکے بولو۔" وہ شرافت کے لہارے میں

مکھسا۔

"وعدہ کریں آپ آئندہ کبھی میرے

ماہنامہ سنا (81) اگست 2014

"ہوں۔"

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔"

"اب گھر چل کر پڑھنا۔" اسے چھوڑتے

ہوئے وہ محبت سے بولا، اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا اور چل دی۔

"انشال....." وہ چلتی تو افغان نے پکارا۔

"مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ اس کی

آنکھوں میں جھانک رہا تھا، انشال کا دل شدتوں

سے دھڑک اٹھا، اس کے اقرار نے اسے معتر کیا

اور افغان کو بھی تو اس لمحے اپنی محبت کا یقین ہوا

تھا، وہ لفظ آئے، ٹھہرے اور انشال کے دل پر

نقش ہو گئے۔

"آئی ایم آنرڈ مائی لارڈ۔" چند لمحے اسے

دیکھنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے بولی، افغان

نے اس کے شانے سے اسے اپنے گھیرے میں لیا

اور دونوں سرشاری سے ہاسپٹل کی عمارت سے

نکلنے گئے۔

سویرے کی لکیروں کو پھیلنے کے لئے جگہ

دیتا چاندان کی فائزہ پر چپکے سے مسکا گیا۔

دفا کا سندیس لے کر اترے ہمارے آنگن میں

گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید

تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم

ہر شب شب برات ہر روز روز عید

☆☆☆

بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں گے۔"

"کیا وعدے کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی

آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں ایک اور بات ماما جان کے بارے

میں غلط مت سوچنا، انہوں نے تمہارے ساتھ جو

بھی نا انصافیاں میں جسٹ تمہاری اہمیت مجھ پر

واضح کرنے کے لئے۔" کچھ یاد آنے پر وہ بولا۔

"جانتی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی۔

"یعنی تم سب نے مل کر مجھے بے وقوف

بنایا۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا۔

"انشال چلو گھر چلیں تمہارا اور میرا گھر،

ہمارا گھر۔" اس نے ہاتھ بڑھایا انشال نے

طمعانیت سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"انشال کیا تمہیں نہیں لگتا تمہیں بھی مجھ

سے اظہار محبت کرنا چاہیے۔"

"مجھے نہیں لگتا اس کی ضرورت ہے، کچھ

جذبے صرف محسوس کیے جاتے ہیں ان میں

استحقاق ہی اتنا ہوتا ہے کہ وہ محبت سے بڑھ کر

ہوتے ہیں آپ وہ ہیں جن سے میری ذات کی

تکمیل ممکن ہے جس کے ہونے سے احساسات کا

موسم بدل جاتا ہے۔" آنکھوں میں محبت بھر کر وہ

دھیرے سے بولی۔

"انشال عید مبارک۔" اسے اس

خوبصورت اظہار پر بے پناہ پیار آیا تھا، اسے

ہاتھ سے کھینچ کر اس نے خود میں سویا ہو سو فخر کی

اذان کی صدا میں بلند ہونے لگی تھیں اور وہ ایک

دوسرے کی رفاقت میں سب کچھ بھولے بیٹھے

تھے۔

"افغان! انشال نے اسے ہولے سے

پکارا مگر الگ نہیں ہوئی۔

ماہنامہ حنا (۸۲) اگست 2014

سکریں



آنکھیں چمکیں، اس نے فوراً جھک کر دوا اٹھانا چاہا
پر اس سے پہلے جنتے کے اس پر جھپٹا مار لیا، ہنو
گہاں پار ماننے والی تھی اس نے ہاتھ میں پکڑے
ٹوٹے بعل میں دبائے اور دونوں ہاتھوں سے
لال پھولوں والا ٹوٹا جنتے سے کھینچنے لگی۔
"سبلے میں نے اٹھایا ہے۔" جنتے نے نوا
اپنی طرف کھینچا۔

"وڈی آئی تو، سبلے میری نظر پڑی تھی تو
نے جیسے ہی دیکھا میں لینے لگی ہوں تو نے جھپٹا مار
لیا۔" ہنو کسی صورت اس سوٹ سے دستبردار
ہونے کو تیار نہیں تھی۔

ہوا کنیر نے جیسے ہی ہنو اور جنتے کو دنگل
کرتے دیکھا فوراً آگے بڑھی۔

"ہوادیکھ بیچ میں نہیں آتا ورنہ بہت برا ہو
گا۔" جنتے نے شہادت کی دنگی اٹھا کر ہوا کنیر کو
خبردار کیا، ہوا کنیر شہر سے پرہیز سونوں کے چھوٹے
بڑے ٹوٹے لاکر پہنتی تھیں۔

ہوا کنیر نے تھوڑے کبے کو زیادہ جانا اور
خاموشی سے دور کھڑی تماشا دیکھنے لگیں۔

"دیکھ ہنو چھوڑ دے یہ ٹوٹا میں نے پسند کیا
تھا۔" جنتے نے پورا زور لگا کر لال پھولوں والا ٹوٹا
اپنی طرف کھینچا۔

"کیوں چھوڑ دوں؟ تیرا پیو لے کر آیا تھا یا
تیرا خصم لے کر آیا تھا۔"

"نہیں شیرا کیوں، تیرا بشیر احمد عرف بھولا
لے کر آیا تھا۔" جنتے ٹوٹا اپنی طرف کھینچنے کے
ساتھ ساتھ جوابی قاز بھی کر رہی تھی۔

اسی کھینچا تانی میں اور کچھ تو نہ ہوا بس اس
ٹوٹے کے حریف دو ٹوٹے اور ہو گئے، ایک ٹوٹا
جنتے کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا ہنو کے، دونوں
حیرت اور افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھے
رہ گئیں۔

ہنواں کے پاس بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی
ساتھ ساتھ صفائی خالہ کی بھوک بھریاں بھی جاری
تھیں، کنیری کے دروازے سے کنیر ہوا کے ساتھ
سالہ پوتے نے اندر جھانکا۔

"اماں ٹوٹے آگئے ہیں۔" سینو پیغام پہنچا
کر دروازے سے ہی مڑ گیا اور ساتھ والے گھر کی
طرف دوڑ لگا دی، اسے یہ خبر پورے گاؤں میں
پہنچانی تھی۔

خبر سنتے ہی اماں فوراً چار پائی سے اتری
چوروں میں جگہ جگہ سے سلائی ملی جوتیاں اڑی اور
تیزی سے کنیری کے دروازے کی طرف گئی،
ساتھ ساتھ ہنو کو ہدایات بھی جاری کر رہی تھی۔

"ہنو پتر سبزی کو گولی مار، گندے کو بھولے
کے پاس چھوڑ کر جلدی کنیر کے گھر آ جا، نہیں تو وہ
کبھت ماریاں سارے اچھے اچھے ٹوٹے چک
لیں گی۔"

ہنو نے فوراً اماں کی ہدایات پر عمل کیا، سبزی
کی نوکری ایک طرف رہی، گندے کو دکان میں بیٹھ
بھولے کے سپرد کیا چاروازی اور اماں کے پیچھے
پیچھے ہوئی، کنیر ہوا کے گھر آدھے گاؤں کی عورتیں
سبلے سے موجود تھیں اور برآمدے میں پڑے
ٹوٹوں کے ڈھیر پر بری طرح ٹوٹ پڑی تھیں ہنو
اور اماں بھی میدان عمل میں کود پڑیں اور جو جو
پرنت پسند آیا فوراً اٹھا لیتی، اماں چھ سات
خوبصورت پرنت والے ٹوٹے دوپے خوب سے
خوب تر کی تلاش میں تھی، ہنو کا بھی یہی حال تھا وہ
اس کپڑوں کے ڈھیر کو الٹ پلٹ کر اپنی پسند کے
پرنت ڈھونڈ رہی تھی بلکہ صرف ہنو ہی کیا وہاں
موجود ہر عورت کا یہی حال تھا کیونکہ عید نزدیک آ
رہی تھی۔

اچانک ہنو کی نظر لال پھولوں والے سفید
ٹوٹے پر پڑی، "اتنا خوبصورت پرنت" اس کی

میں کامیاب ہو گئیں اور باقی کے ٹوٹے واپس ڈھیر میں پھینک دیے۔

”لو جی لینے صرف چار تھے یہاں سے دو تین سو ٹوٹے جک کے لے گئیں، ایسے جیسے پچاس ساٹھ ٹوٹے خریدنے ہوں۔“ بھتے نے منہ بگاڑ کر ہنوکو طریہ نظروں سے دیکھا۔

”تیری طرح میرے بچپن میں بچے تو ہیں نہیں جو میں اتنے ٹوٹے خریدوں اور زبان تو تیری بڑی چلتی ہے پہلے اپنے ان نمونوں کو تو سنبھال لے جو پورے گاؤں میں لوٹکلیاں کھاتے پھرتے ہیں۔“ ہنو نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جوابی قاز کیا اور اماں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑی۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ آگیا تھا اماں سارا دن سبچ ہاتھ میں لئے ذکر میں مصروف رہتیں اور ہر تھوڑے دیر بعد ہنو اور بھو لے کو نماز اور روزے کی تلقین بھی ضرور کرتیں، رمضان سے ایک دن پہلے ہنو گاؤں کے اکلوتے حکیم کے پاس گئی اور جانے کون کون سی بیماریاں بتا کر دوائیوں کا ڈھیر اٹھا لائی، اب اس کے پاس روزے نہ رکھنے کا اچھا بہانہ تھا وہ ہر آئی گئی کے سامنے طبیعت کی شدید خرابی کا بتا کر روزہ نہ رکھنے کی وجہ بیان کرتی اور ثبوت کے طور پر حکیم صاحب کی دی ہوئی دوائیوں کا ڈھیر دکھا دیتی اور بھولا تو تھا ہی بھوک کا کچا، اگر کبھی روزہ رکھ بھی لیتا تو عصر تک اس کی جان نکلنے کو ہو جاتی وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لیتا۔

”ایمان کی کمزوری ہے یہ۔“ اماں افسوس سے ان دونوں کو کہتیں پر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رہتی۔

پندرہویں روزے کو سیکھنے اپنی ساس اور چاروں بچوں کے لے کر یکے آگئی اس کا ارادہ

”ستیاس ہو تم دونوں کا۔“ کینر بوا ہاتھ ہلا ہلا کر ان دونوں کو بے بھاد کی شانے لگیں۔

”بس بس بوا، زیادہ نہ سنا ہمیں، جیسے لے لینا اس ٹوٹے کے۔“ ہنو نے وہ ٹوٹا باقی ٹوٹوں میں پھینکتے ہوئے کہا۔

”ہاں وڈی امیرے باتوں، تیرے بھولے کی شہر میں فیکٹریاں چلتی ہیں۔“ کینر بوا نے استہزائیہ انداز میں کہا تو ہنو نے ایک ناگوار سی نظر کینر بوا پر ڈالی اور اماں کی تلاش میں نظر دوڑائی، کچھ ہی دیر بعد اماں ہاتھ میں کافی سارے ٹوٹے لئے ٹوٹوں کے ڈھیر میں سے برآمد ہوئی اور اسے لے کر صحن میں پڑی چار پائی پر بیٹھ گئیں اور اپنے پسند کیے ہوئے ٹوٹے دکھانے لگیں۔

”یہ آسانی دیکھ، اور یہ نارنجی والا اور وہ کا۔“

”ابوں ہوں۔“ ہنو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نا پسندیدگی کا اظہار کیا۔

”یہ کالا تو بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔“ ہنو کو وہ پرنٹ کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

”ہاں وہ نارنجی ٹھیک ہے پھٹی عید پر جو میں نے جوڑا بنایا تھا اس کے شلوار میچ کرے گی اس قسم کے ساتھ اور اماں تو یہ پتلی میٹھ بنالینا عید پر، اس میں نیلے پھول ہیں تیرے پاس نیلا دوپٹہ اور شلوار تو ہے پہلے سے۔“

”کون سا؟“ اماں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”وہ ہی، جس سوٹ کی قمیض پر سون چار پائی میں از کر پھٹ گئی تھی۔“ ہنو نے یاد دلایا تو اماں کو فوراً یاد آگیا، اماں کو اس کا آئینہ یا بڑا پسند آیا تھا وہ دل ہی دل میں ہنو کی ذہانت کی قائل ہو گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ چار ٹوٹے منتخب کرنے

ماہنامہ حنا (اکست 2014)

”یہیں ہوگا، بھولے کے پاس۔“
 ”نہیں ہے اماں! میں نے دیکھ لیا ہے۔“
 بنو نے روہا کی آواز میں کہا تو اماں نے جلدی
 جلدی جائے نماز تہہ کیا اور آس پڑوس کے گھروں
 میں گڈو گڈو سونے کے لئے چل دیں، بھولا بھی
 دوکان بند کر کے گڈو کی تلاش میں نکل گیا۔

”یا اللہ خیر..... میرا گڈو مل جائے۔“ بنو
 روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی، ایک گھنٹے بعد
 اماں اور بھولے کی واپسی ہوئی۔

”گڈو کہاں ہے؟“ اس نے آس بھری
 نظروں سے انہیں دیکھا۔

”گاؤں کا ہر گھر چھان مارا کہیں نہیں ملا۔“
 اماں تھکاوٹ سے چور چار پانی پر ڈھے گئیں۔

”میں بھی ہر جگہ دیکھ آیا ہوں، گاؤں کا ایک
 ایک کوٹا دیکھ لیا ہے اور مسجد میں بھی اعلان کروادیا
 ہے پر کچھ پتہ نہیں۔“

”ہائے میرا گڈو کہاں گیا، میرا پتر کہاں
 گیا؟“ بنو چیخ چیخ کر رونے لگی۔

”بنو ایسے نہ رو پتر، نماز پڑھ کر دعا مانگ،
 میرا مالک ماؤں کی بڑی سنتا ہے۔“ اماں کو اس کا
 اس طرح رونا برا لگ رہا تھا۔

”میرے مالک! مجھے معاف کر دے، میں
 ساری نمازیں پڑھوں گی، سارے روزے رکھوں
 گی، بس میرا گڈو مل جائے مجھے۔“ بنو جائے نماز
 پر بیٹھی رو رو کر گڈو کے ملنے کی دعائیں مانگ رہی
 تھی۔

”اللہ جی! میرا گڈو مل جائے میں پھر کبھی
 جان بوجھ کر روزے، نمازیں نہیں چھوڑوں گا۔“
 بھولا بھی دل ہی دل میں عہد کر رہا تھا کچھ دیر بعد
 اماں کسی کام سے کمرے میں گئیں تو ان کی نظر
 چار پانی کے نیچے سوتے گڈو پر پڑی، وہ شاید کھیلتے
 کھیلتے وہیں سو گیا تھا۔

عید تک رہنے کا تھا، سیکنہ کے چاروں بچوں نے
 گھر میں بھونچال اٹھایا ہوا تھا۔

بنو کو جیسے ہی سیکنہ کے ارادے کا پتہ چلا وہ
 سر باندھ کر چار پانی پر ڈھے گئی۔

”اماں! بھابھی کو کیا ہو گیا؟“ سیکنہ نے
 تشویش سے پوچھا۔

”پتہ نہیں، صبح تک تو ٹھیک تھی سویرے
 سویرے زلیچا کی بہو سے زبردست قسم کا دنگ
 کر کے آئی تھی ابھی اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا۔“
 اماں اس کی اچانک طبیعت خرابی کی وجہ سمجھ تو گئی
 تھیں پر جینی کو بتانا مناسب نہیں سمجھا انہیں اندازہ
 تھا بنو کام سے بچنے کے لئے اچانک بیمار ہو گئی
 ہے۔

سیکنہ خود چندرہ بیس دن آرام کے غرض سے
 اماں کے گھر آئی تھی پر یہاں آکر اسے خود ہی کام
 سنبھالنا پڑا، اگلے ہی دن اس نے واپسی کی راہ
 لی۔

”رہ لیتی کچھ دن۔“ اماں نے چنگ چٹی
 میں بیٹھی سیکنہ کو مرے مرے دل سے کہا، دل تو
 ان کا بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ بنو کو کیونکہ ایک آدھ
 بندہ ہوتا تو وہ رکھ لیتیں سیکنہ بھی پوری پلانٹون کو
 لے آئی تھی۔

”اماں تو قمر نہ کر، میں عید پر آؤں گی۔“
 چلتی چنگ چٹی سے سیکنہ نے اماں کو دلا سہ دیا۔

اماں جائے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی
 جب بنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں
 مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گڈو کا خیال آیا تو
 اس نے گڈو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر
 میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ
 پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

”اماں! گڈو پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔“

اماں نے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی
 جب بنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں
 مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گڈو کا خیال آیا تو
 اس نے گڈو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر
 میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ
 پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

”اماں! گڈو پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔“

اماں نے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی
 جب بنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں
 مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گڈو کا خیال آیا تو
 اس نے گڈو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر
 میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ
 پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

”اماں! گڈو پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔“

اماں نے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی
 جب بنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں
 مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گڈو کا خیال آیا تو
 اس نے گڈو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر
 میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ
 پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

کو اس نے صبح ہی صبح غصا کر نئے کپڑے پہنا دیئے تھے پر وہ اب باہر کھیل کر اپنے پرانے حلیوں میں واپس آ چکے تھے، سیکنڈ کوزوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی پر شو کے نے اسے کھانا پکانے سے منع کر دیا تھا۔

”اماں کے گھر جا کر کھا لینا۔“

شو کا چنگ جی لے آیا تھا بچے بھاگ کر چنگ جی میں بیٹھ گئے تھے سیکنڈ اپنی ساس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ ہی رہی تھی جب اس کی نظر گل میں داخل ہوئی چنگ جی پر پڑی، اگلی سیٹ پر بیٹھے بھولے کو پہچاننے میں اسے چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔

چنگ جی ان کے بالکل پاس آ کر رکی، اماں اور ہنورا چنگ جی سے اترے، اماں دوڑ کر زبردستی سدرہ من سے عید ملنے لگی اور ہنورا سیکنڈ سے۔

”بھابھی! آپ لوگ اچانک۔“ سیکنڈ حیران پریشان سی نہیں دیکھ رہی تھی۔

”بس سوچا تو بھی کیا سوچتی ہوگی، اماں اور بھابھی کبھی میرے گھر بھی نہیں آتی، اکواک دیر ہے وہ بھی کبھی عید ملنے نہیں آتا، بس یہی سوچ کر میں نے اور اماں نے تجھے سر پر پز (سر پرانز) دینے کا سوچا، کیسا لگا تجھے ہمارا سر پر پز.....؟“ ہنورا نے چپکتے ہوئے پوچھا۔

”بہت اچھا۔“ سیکنڈ نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا اور مرے مرے قدموں سے دوپٹے کے پلو سے بندھی چابی سے نالا کھولنے لگی۔

”اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں لالچ بری بلا ہے اور کنجوسی تو اس سے بھی بری بلا ہے۔“ سیکنڈ بولے سے بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

”ہنو، بھولے جلدی آؤ۔“ ہنو اور بھولا

دوڑتے ہوئے کمرے میں گئے۔

”اسے کہتے ہیں بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔“ ہنو نے بڑھ کر گند کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

”شکر ہے میرے مالک۔“ اماں شکرانے کے نفل پڑھنے چل دیں۔

اس دن کے بعد ہنو اور بھولے نے روزے رکھنے شروع کر دیے اور بڑے خشوع و خضوع سے نمازیں بھی پڑھنے لگے، اماں اس تبدیلی سے بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا اماں اور ہنورا سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

”کل سیکنڈ اپنے نمبر کو لے کر آ جائے گی تجھے تو پتہ ہے نا اماں کتنا خرچ ہو گا، شو کے کی تو سرکاری نوکری ہے پھر بھی وہ اپنے پیسے بچانے کے لئے پوری پلاٹون کو لے کر آ جاتے ہیں میرے پاس تو سارے پیسے ختم ہو گئے ہیں تھوڑے بہت ہی ہونگے۔“

اماں سوچ میں پڑ گئیں، ان کے دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا۔

اگلے دن بھولا جیسے ہی عید کی نماز پڑھ کر خوش خوشی گھر آیا تو اماں نے فوراً اسے چنگ جی لانے کے لئے دوڑایا۔

”اماں! ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ چنگ جی میں بیٹھتے ہوئے بھولے نے پوچھا۔

”سیکنڈ کے گھر“ عید ملنے۔“ اماں کے بتانے پر بھولا خوش ہو گیا دوسری طرف سیکنڈ لال سوٹ پہنے، آنکھیں، گال اور ہونٹ لال کیے

اماں کے گھر جانے کے لئے بالکل تیار تھی، بچوں

ماہنامہ حنا (87) اگست 2014

۱۰۰

یہ گم کشور جہاں پکائی دیر سے ٹی وی کے
ساتھ بیٹھی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد چینل بدل
دیتیں، معراج شریف کے حوالے سے براہ
راست نشریات آرہی تھیں، ٹی وی کے مختلف
 چینلوں کے دعویٰ کے مطابق معراج شریف کی
رات کی خاص عبادات میں انہوں نے ساری قوم
کو شریک کیا ہوا تھا، اب ان کی طبیعت استقامتی تھی

تاولٹ

کے بوائے سے انہوں نے خاص طور پر انٹنس کونو
ر می تھیں۔ انہوں نے انتہائی فخر سے اپنے گھر کی
روشن دیواروں کو دیکھا، بجلی کی آج ٹھان ہی
نہی تھی، انہوں نے دوسرا دھڑ کے دوسرے
بچوں پر نظروں کی، چاروں طرف جہاں ہوا
تھی، یہ گھر بدلتا ہوا تھا، وہ کچھ دیر پہلے قدیمی
کرتی۔ جس اور چلتے چلتے گھر کے پچھواڑے بنے
سروٹ کو اثر کی طرف نظروں کی، ان کے بچے میں
چارہ اثر تھے۔

جیسے تیس گواہوں میں سناٹا مچایا ہوا تھا،
البتہ تشریحی دائرہ میں انھیں سناٹا ہی نہیں تھا، بلکہ
غور بنی گئی کے سامنے منظر اب ہوا تہا اس دیکھ کر
انہوں نے غمت سے سر جھکا لیا اور وہ جی کے لئے
مڑیں، انھیں پورے گرد و بار کو اثری طرف دیکھنے
کیسے اس بگے کو اثر کے شکن میں کوئی ہے، انہوں
نے دوبارہ غور سے دیکھا مگر کوئی چیز صید
اندیشہ سے میں چھوہ واضح نظر نہیں آیا، وہ تھوڑا
منظر پر کے اور نزا دیک ہو گئیں، تب انہوں نے





عبادت" میں مشغول ہو گئیں، لائیو نشریات کا میزبان کوئی واقعہ بیان کر رہا تھا اور وہ پوری توجہ سے سن کر عبادت میں شریک تھیں۔
تب ان کے موبائل پرپ ہوئی انہوں نے عبادت سے وقتی طور پر کنارہ کر لیا اور ٹی وی کی آواز کم کر دی اور مسیج پڑھنے لگیں ان کی بہن کا مسیج تھا۔

"شب معراج بہت بہت مبارک ہو، آج کی رات اپنی دعاؤں میں مجھے خاص طور پر یاد رکھنا۔" مسیج پڑھ کر وہ بے اختیار مسکرائیں۔
"اوسے آج تو میں نے ابھی تک کسی کو معراج شریف کا مسیج ہی نہیں کیا۔" اس سوچ کے آتے ہی وہ دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئیں اور لگیں رشتہ داروں کو مسیج کرنے، سب سے وہ یہی درخواست کر رہی تھیں کہ آج کی شب دعاؤں میں یاد رکھنا۔

تب ہی نظر ٹی وی کی طرف اٹھی میزبان کے لب لباب رہے تھے مگر آواز نہیں آ رہی تھی انہوں نے ادھر ادھر کچھ ٹولا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا (یعنی عبادت بند کر دی) اب ان کی سہیلیوں کے مسیج آ رہے تھے، وہ مکمل طور پر موبائل میں گم ہو گئیں دونوں طرف سے مسیج آ رہے تھے جارہے تھے دونوں طرف سے دعاؤں کی درخواست کی جارہی تھی مگر دعا تو شاید کوئی بھی نہیں کر رہا تھا، نجانے کتنا وقت گزر گیا، وہ اب تقریباً سب کو دعاؤں کے لئے مسیج کر چکی تھیں وہ انہیں اور لاؤنج سے باہر نکل آئیں، اب انہیں نیند آ رہی تھی، وہ بیڈ روم میں جانے سے پہلے حسب عادت بچوں کے کمروں میں جھانکنے کی عادی تھیں، حارث گہری نیند سو رہا تھا، وہ لائٹ آف کر کے باہر آ گئیں اب انہوں نے علینا کا کمرے کا چنڈل دبایا اور دروازہ کھول کر اندر

منڈیر کو تھام لیا اور بچوں کے بل اچک کر دیکھنے لگیں اب انہیں اماں رحمت مصلیٰ پر بیٹھی نظر آئیں، ان کی آنکھیں بند تھیں اور لب مسلسل بل رہے تھے تب ہی انہوں نے سجدہ کیا، کشور جہاں نجانے کیوں سلگ اٹھیں۔

"ہونہ۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔
"دکھاؤے کا کتنا شوق ہوتا ہے ان غریب لوگوں کو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی منڈیر سے پیچھے ہوئیں

"بھلا بتاؤ، عبادت ہی کرنی ہے تو گھر کے اندر کرو، یہ کیا کہ بیچ بچن میں بیٹھ گئے، تاکہ آس پاس کے لوگ اچھی طرح دیکھیں اور ان پر خوب رعب پڑے ان کی عبادت گزاریوں کا۔" وہ خود کھامی میں مصروف تھیں تب ہی انہوں نے اماں رحمت کی مریم کو دیکھا وہ ذرا ذرا سے فاصلے پر چراغ رکھ رہی تھی ذرا دیر بعد ہی اس نے ماچس سے چراغ روشن کر دیے، اماں رحمت کا کواٹر جھجگانے لگا، کشور جہاں روشن چراغوں میں کھوسی گئیں، انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے پیچھے مڑ کر اپنے گھر کے دروازے پر نظر ڈالی اور دوبارہ اماں رحمت کے گھر کو دیکھا انہیں لہجانے کیوں اپنے گھر کے برق قلموں سے سجے دیوار دور پھیکے پھیلے اور بے نور سے لگے، وہ کالی دیر تک کھڑی اماں رحمت کو دیکھتی رہیں اب چودہ سالہ مریم بھی دوپٹہ سے سر کو ڈھانپنے اماں رحمت کے برابر آگئی اس نے مصلیٰ بچھایا اور دادی کی طرح عبادت میں مشغول ہو گئی، کشور جہاں نے گہرا سانس لیا اور زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

"آج کی رات عبادت کی رات ہے۔" وہ سوچتی ہوئی میز چیاں اترنے لگیں، اب ان کا رخ پھر سے ٹی وی لاؤنج کی طرف تھا انہوں نے ٹی وی آن کر لیا اور "قوم" کے ساتھ "اجتماعی

جھانکا اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئیں، علینا کا بندہ خالی تھا، وہ تیزی سے اندر آئیں کمرہ سائیں سائیں کر رہا تھا انہوں نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تب ہی کھڑکی میں پردے کے ساتھ لگی علینا پر ان کی نظر پڑی انہوں نے بے اختیار گہری سانس لی اور اس کے پاس آگئیں۔

”کیا بات ہے ہنسی؟ رات کے اس پہر یہاں کیوں کھڑی ہو؟“ انہوں نے بیس سالہ علینا کو اپنے ساتھ لگایا۔

”مما!“ علینا نے انہیں ہکا بکا اور سامنے کی طرف اشارہ کیا انہوں نے اس کی انگلی کی طرف دیکھا یہاں سے اماں رحمت کا کواثر صاف نظر آ رہا تھا، دونوں رادی پوٹی سجدے میں مگری ہوئی تھیں، انہوں نے علینا کو لپٹا لیا۔

”مما!“ علینا نے انہیں ہکا بکا انہوں نے کھولی کھولی نظروں سے علینا کی طرف دیکھا، علینا نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر لئے، آج دوسرا موقع تھا جو انہیں اماں رحمت کا گھر اپنے گھر سے کہیں زیادہ روشن لگا، ان کی نظریں ہٹ نہیں رہی تھیں انہوں نے ہزاروں روپے لگا کر آج کی آرائش کر دئی تھی مگر لچانے کیوں۔

”چلو مٹی اب سو جاؤ۔“ انہوں نے اسے بندہ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

”چلو سو جاؤ، گڈ نائٹ۔“ انہوں نے اسے لٹایا اور باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

علینا نے ماں کو کمرے سے جانا دیکھا تو پھر سے بستر سے نکل کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی، وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر اسے نجانے کیا سوچیں کہ جلدی سے واش روم میں جا کر وضو کیا، الماری کھول کر جاہ نماز نکالی اور کمرے کی لائٹ

بند کر کے کمرے سے باہر آ گئی، راہداری سنسان بڑی تھی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور چوروں کی طرح چلتی ہوئی گھر کے دروازے کو کھول کر باہر آ گئی اب اس کا رخ اماں رحمت کے کواثر کی طرف تھا، ذرا دیر بعد ہی وہ اماں رحمت کے دائیں جانب مصلیٰ بچھا رہی تھی، اماں رحمت نے سلام پھیرا اور اسے دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اب اماں اسے بتا رہی تھیں کہ کیا پڑھنا ہے، چند لمحوں بعد ہی علینا نیت باندھ چکی تھی اب صورتحال یہ تھی کہ درمیان میں اماں رحمت تھیں اور دائیں بائیں مریم اور علینا تھیں۔

☆☆☆

”کیا کہا؟“ کشور جہاں سے جب ان کی سہیلی نے رات کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو وہ سنی ان سنی کر گئیں۔

”بھئی میں نے کہا کہ کل تو تمہاری کوٹھی خوب جتو نور بنی ہوئی تھی تو عبادتیں بھی خوب کی ہوں گی۔“ ان کی یہ سہیلی ان کے بچگلے سے دو بچگلے آگے چھوڑ کر رہتی تھی، دونوں مل کر سوشل ورک کرتی تھیں ابھی بھی دونوں نے مٹی آبادی کا دورہ کرنا تھا جہاں انہوں نے کچھ عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے کچھ کام کرنا تھے۔

”ہاں بھئی ساری رات۔“ کشور جہاں کہتے کہتے رک گئیں، ان کی نظروں میں اجتماعی عبادت کا منظر گھوم گیا۔

☆☆☆

معراج شریف کے بعد دن جیسے پر لگا کر اڑنے لگے اور جھٹ پٹ شب برات آ گئی، کشور جہاں اس رات بھی ٹی وی کی اجتماعی عبادت میں مشغول رہیں ٹی وی کے تمام چینلوں نے اس رات کے حوالے سے بڑی تیاریاں کی ہوئی تھیں یہ اور بات کہ عبادت کے دوران بار بار کسی نہ کسی

ماہنامہ حنا (۱۱) اگست 2014

بہت اچھی کر رہی تھیں آج بھی وہ چپ چاپ اسے تلقین کر گئیں تھیں۔

”پتر علینا، مغرب کے ساتھ دو نفل درازی عمر کے دو نفل رزق کی کشادگی اور دو بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے پڑھنے ہیں۔“ اور علینا نے من و عن عمل کیا تھا اور تو اور جب کشور جہاں ”اہتمامی عبادت“ میں مشغول تھیں علینا چپ چاپ اماں رحمت کے کھن میں ان کے برابر عبادت شروع کر چکی تھی، اماں رحمت کو دیکھ دیکھ کر علینا کا بھی دل کرتا تھا کہ وہ بھی ان کی طرح عبادت کرے مگر کشور جہاں جس سوسائٹی کی پروردہ تھیں وہاں کے لوگ اللہ کے آگے جھکنے کی بجائے شہب برسات کی رات بڑے فخر سے انار، پٹاٹے، ٹھوڑیاں چلا کر گزرتے تھے کشور جہاں نے بھی حادث کو آتش بازی کا سامان لے کر دیا تھا، یہ اور بات کے دس سالہ حادث نے تو کیا پٹاٹے چلانے تھے زیادہ تر چونکیدار اور مالی کے بچوں نے اس کے ساتھ مل کر کوٹھی کے ان میں ہنگامہ مچائے رکھا۔

کشور جہاں میسجز کے مشغل سے فارغ ہوئیں تو چپت پر آ گئیں، آج پھر پورا گھر بتقد نور بنا ہوا تھا، ان کا سرخسے سے تن گیا، چہرے پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ آ گئی، وہ کافی دیر تک چپت پر ٹھہرتی رہی آخر نیچے اتر آئیں اب انہیں نیند آرہی تھی سونے سے پہلے انہوں نے بچوں کے کمرے میں سبانا کا حادث بے خبر سو رہا تھا، علینا کا سر سے کا دروازہ کھولا تو آج بھی اس کا بیڈ خالی تھا انہوں نے بے اختیار کھڑکی کی طرف دیکھا مگر کھڑکی خالی تھی وہ دھک سے رہ گئیں اور فوراً آگے بڑھ کر کھڑکی میں آ گئیں انہوں نے بے قراری سے سامنے دیکھا سامنے کا منظر دیکھ کر وہ برکا کارہ گئیں، اماں رحمت کے دائیں بائیں مریم

براڈکٹ کا اشتہار عبادت میں شریک عبادت گزرا لوگوں کو بوریٹ سے بھار ہا تھا۔

آج کی رات کشور جہاں کے میسج میں چند الفاظ کا اضافہ ہو چکا تھا، جو یوں تھا۔

”اگر میں نے بھی آپ کی چغلی یا نجیبت کی ہو تو مجھے معاف کر دینا، کیونکہ آج کی رات فیصلے کی رات ہے، آج نامہ اعمال تبدیل ہونا ہے، بس ایک بار منہ سے ضرور کہہ دینا کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے، اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھئے گا۔“ کشور جہاں اپنے ملنے ملائے والوں کو میسج کر رہی تھیں جواباً انہیں بھی ڈھیروں میسج آ رہے تھے اماں رحمت، کشور جہاں کے گھر میں کافی عرصے سے ملازم تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا اس کی شادی اماں رحمت نے بڑے چاؤ سے کی تھی مگر شادی کے محض پانچ سال بعد جب مریم صرف تین سال کی تھی اماں رحمت کا بیٹا اور بہو ایک حادثے میں اس جہان فانی سے منہ موڑ چکے تھے۔

تب سے اماں رحمت نے خود کو مریم کے لئے وقف کر لیا تھا اب نو خیز سے مریم بھی چودہ سال کی ہو چکی تھی، مریم کی دوستی علینا سے بھی جسے بھی بھی کشور جہاں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا مگر اکثر وہ نجانے کیوں نظر انداز کر دیتی تھیں، کشور جہاں دولت کے نشے میں چور تھیں وہ ہر چیز دولت کے ترازو میں ماپنے کی قابل نہیں، روپے پیسے کی خوب ریل چل گئی اسی لئے سوشل ورک بھی خوب زوروں پر چلتا تھا، مگر افسوس دین کی طرف سے بے مہرہ تھیں ان کے نزدیک مقدس راتوں میں میسج پر دعا کی درخواست کرنا گھر کو برقی قلموں سے سجالینا غریبوں میں کھانا تقسیم کر دینا ہی کافی تھا مگر اماں رحمت مریم کے ساتھ ساتھ علینا کی تربیت بھی

"ہاں تو۔" وہ چلائیں۔
 "خدا کر رہی تھی تو تم سمجھا نہیں سکتی تھیں،
 غضب خدا کا، جون کا مہینہ ہے اور تم نے روزہ
 رکھوا دیا، یاد رکھو اماں رحمت، اگر میری بچی کو کچھ
 ہوا، تو..... تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گی۔" وہ
 سفاکی سے کہتی ہوئی کرسی سے اٹھیں، بخو کر مار کر
 کرسی سائیڈ پر کی اور علینا کی خبر لینے کے لئے
 میز حیاں دھڑ دھڑ چڑھنے لگیں۔

علینا بے خبر سو رہی تھی، ماں نے دروازہ دھڑ
 دھڑ لیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی روزہ کر دروازہ کھولا،
 ماں کے متورہ دیکھ کر گھبرا گئی۔

"تم نے اتنی گرمی میں روزہ رکھ لیا، اگر کچھ
 ہو گیا تو۔"

"میں مہما چھ نہیں ہو گا۔" علینا بوکھا گئی۔
 "چلو ناشتہ کرنے نیچے آؤ۔" کشتو جہاں نے
 جیسے سنا ہی نہیں۔

"مگر مہما....." علینا تیز آواز میں بولی۔
 "چلو شاپاش۔" انہوں نے علینا کا ہاتھ تھاما
 اور دروازے کی طرف چلیں۔

"مہما چھوڑیں میرا روزہ ہے۔" علینا نے
 ہاتھ پھنڑا لیا اور وہاں کمرے میں آ گئی اور اندر جا
 کر دروازہ اک کر لیا۔

"علینا دروازہ کھولو۔" انہوں نے دروازہ
 دھڑ دھڑایا مگر علینا نے دروازہ نہیں کھولا۔
 "مہما اب میں روزہ کھول کر ہی باہر نکلوں
 گی۔"

"علینا..... علینا..... کھولو۔" دروازہ۔
 انہوں نے بہت کوشش کی مگر علینا نے دروازہ نہیں
 کھولا، آخر تک ہار کر غصہ انہوں نے اماں رحمت
 پر ہی نکالا، شام کو انہوں نے جیٹی آبادی میں جانا
 تھا، وہ تیار ہو کر بھی گئیں، اماں رحمت نے علینا
 کے لئے افطاری تیار کی اور روزے کے وقت

اور علینا قیام کی حالت میں کھڑی تھیں، وہ کھوئی
 کھوئی سی انہیں دیکھ رہی تھیں، علینا کے چہرے پر
 جیسے نور چھایا ہوا تھا، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان
 تینوں نے رکوع کیا اور پھر سجدے میں اپنی
 پیشانیاں رکھ دیں، تب ہی موبائل کی بپ سے وہ
 چونک اٹھیں انہوں نے ہاتھ میں دبا موبائل آن
 کیا، ان کی بھانجی کا پیج تھا انہوں نے پڑھے بغیر
 ڈیلیٹ کر دیا جانتی تھیں کہ دعا کی درخواست کی گئی
 ہو گی، وہ گہرا سانس لے کر اپنے بیداروں میں آ
 گئیں۔

"علینا کی خبر تو صبح لوں گی، مجھے بتائے بغیر
 یہ کئی کیسے؟" ان کو غصہ آنے لگا، دل تو چاہ رہا تھا
 کہ ابھی اماں رحمت کے کواٹر میں پہنچ کر ہنگامہ کر
 دیں مگر موقع ایسا تھا کہ وہ چپ رہنے پر مجبور
 تھیں۔

ہو ہو ہو
 بات اگر یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھی مگر جب
 انہوں نے علینا کو ناشتے کی ٹیبل پر نہ پا کر اسے
 بلوایا تو علینا نے کہلوا دیا کہ وہ ناشتہ نہیں کمرے کی
 کیونکہ اس کا روزہ ہے۔

"روزہ؟" وہ چیخ پڑیں۔
 "اور وہ بھی اتنی گرمی میں۔"
 "اماں رحمت۔" اگلے ہی بل وہ پھٹ
 پڑیں۔

"اماں رحمت!" وہ حلق کے بل دھاڑیں۔
 "جی جی..... جیم صاحب۔" اماں رحمت
 باہت کا ہتھی وہاں پہنچیں۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں۔" وہ چلائیں۔
 "اس ذرا سی بچی کا روزہ رکھوایا تم نے،
 تمہیں پتہ ہے کتنی گرمی ہے۔"

"وہ..... جیم صاحب..... علینا بی بی
 خدا کر رہی تھیں۔"

ٹرے سجا کر اس کے لئے لے گئیں، علینا نے دروازہ کھول دیا، کشور جہاں رات کے آٹھ بجے تک واپس آئیں ان کے ساتھ ان کا فیملی ڈاکٹر بھی تھا، وہ سیدھی علینا کے کمرے میں پہنچیں۔
 ”دیکھئے ڈاکٹر صاحب کتنا سامنے نکل آیا ہے میری بچی کا اور یہ سب اس اماں رحمت کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ غصے سے بولیں۔

”ڈاکٹر صاحب میں ٹھیک ہوں۔“ علینا پکارتی رہ گئی مگر ڈاکٹر نے ڈرپ لگا ہی دی۔
 ☆ ☆ ☆

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا، ایک بار پھر میسجز پر مبارکباد کا تبادلہ شروع ہو گیا، اماں رحمت کے کواٹر میں بھی چاند کی خوشی پھیل چکی تھی، مریم سحری میں کیا پکانا ہے ابھی سے اماں رحمت کو بتا رہی تھی۔

”مریم پتر!“ اماں رحمت نے دیر سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”سحری کی تیاری بعد میں کرنا، پہلے چھت پر چڑھ کر چاند کو ڈھونڈتے ہیں اور پھر دعا کرتے ہیں۔“ وہ دونوں اوپر چھت پر آ گئیں، ذرا سی کوشش سے ہی درختوں کے پیچھے انہیں چاند نظر آ گیا۔

”چل پتر! چاند دیکھ کر دعا مانگ، چاند کو دیکھتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔“ اماں رحمت نے چاند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”دادی اماں، میں ابھی آئی۔“ مریم نے کہا اور نیچے اترنے کے لئے زینے کی طرف دوڑی، اماں رحمت پکارتی رہ گئی مگر بے سود، ذرا دیر بعد اماں رحمت چاند کو دیکھ کر دعا مانگنے لگیں دعا مانگ کر فارغ ہوئیں اور نیچے جو مڑ کر دیکھا تو مریم کے ساتھ علینا کو بھی دعا مانگتے پایا، اماں رحمت بے اختیار مسکرا دیں۔

☆ ☆ ☆

رمضان شروع ہو چکا تھا، اماں رحمت اور مریم کے ساتھ ساتھ علینا کے بھی پورے روزے جاری رہے تھے، کشور جہاں کے سامنے علینا ایسے ظاہر کرتی جیسے وہ بھی ان کی طرح روزے نہیں رکھ رہی، اس نے بڑی مشکل سے خانساں کو راضی کیا تھا کہ کشور جہاں کے سامنے وہ کہہ دیتا تھا کہ چھوٹی بی بی دیر سے ناشتہ کرتی ہیں ویسے بھی کشور جہاں صبح جلدی نکلتیں اور شام کو جب آئیں تو ذرا دیر آرام کے بعد کسی نہ کسی افطار ڈنر میں مدعو ہوتیں یہ اور بات کہ روزہ رکھے بغیر ہی روزہ کھولنے پہنچ جاتیں، ایسے میں دیگر بیگمات کے ساتھ دوران گفتگو کچھ ایسا ظاہر کیا جاتا جیسے بہت سخت آج کا روزہ تھا، دوسری خواتین بھی ہاں میں ہاں ملائیں اور پھر جلد ہی افطاری کا سائمن منج جاتا تو سب کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتی۔
 ☆ ☆ ☆

علینا اماں رحمت کی گود میں چل کر جوان ہوئی تھی، کشور جہاں ہمیشہ سے ایسی ہی سوشل رہی تھیں، گھر پر انہوں نے بہت کم دھیان دیا تھا پھر اختر صاحب بھی ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے، اماں رحمت نے جب سے علینا کو بتایا تھا کہ روزہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا ہے، تب سے علینا نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ روزے ضرور رکھے گی، شروع شروع میں کشور جہاں نے اسے پاس بیٹھا کر پیار سے سمجھایا کہ۔

”بیٹا! میں روزہ رکھنے کے خلاف تھوڑی ہوں، میں تو یہ کہتی ہوں کہ سخت گرمی کے دن ہیں تم کیسے برداشت کرو گی۔“
 ”مگر ماما! روزہ تو آپ پر بھی فرض ہے۔“ علینا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”ہم روزہ گرمی کے ڈر سے چھوڑ تو نہیں

ماہنامہ دنیا (اگست 2014)

اپنے کمرے میں ہی سحری کا انتظام کر لیتی تھی، اماں رحمت جاتے جاتے اس کے لئے کچھ نہ کچھ خاص طور پر تیار کر کے چھپا کر اس کے کمرے میں رکھ جاتیں اور وہ اطمینان سے الارم کی آواز سے اٹھتی اور سحری کر لیتی اور نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی اور پھر سو جاتی اور کشور جہاں کو خبر بھی نہ ہوتی۔

ہنہ ہنہ ہنہ

روزے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے وہ غالباً سولہواں روزہ تھا جب کشور جہاں نے ڈرائیور کو اسٹیر پورٹ بھیجا، ان کا بھتیجا کچھ دنوں کے لئے کراچی آ رہا تھا، ڈرائیور کو اسٹیر پورٹ بھجوا کر کشور جہاں نے دوپہر کے کھانے کا شاندار انتظام کروایا۔

سعد سے مل کر کشور جہاں بے پناہ خوش تھیں وہ اسے لے کر اس کے کمرے میں آ گئیں۔
"بیٹا آرام کر لو، پھر کھانا کھا لو تیار ہے۔"
وہ اسے ہی آن کرتے ہوئے بولیں۔
"کھانا؟" سعد جو بیگ میں سے کپڑے نکال رہا تھا رک گیا۔

"روزہ نہیں ہے۔" اس نے پوچھا تو کشور جہاں گھبرا گئیں۔

"روزہ..... آں..... ہاں..... روزہ.....
ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں..... بیٹا..... میرا تو روزہ ہے میں تو سمجھی کہ تم امریکہ سے آرہے ہو تو شاید..... اچھا..... چلو..... پھر..... افطاری پر مٹتے ہیں تم پھر آرام کر لو۔"

"نہیں چھپو..... میری آج شام کو برنس میٹنگ ہے، ایکسٹری، افطار ڈنر ہے، ڈنر کے بعد کچھ باتیں ڈسکس کرنی ہیں، اس لئے۔" اس نے کپڑے اٹھائے اور واش روم کی طرف بڑھ گیا، کشور جہاں نے گہری سانس لی، آج کا افطار

ماہنامہ حنا (95) اگست 2014

سکتے۔"
"لیکن ہم فدیہ تو دے سکتے ہیں نہ۔" کشور جہاں نے جواب دیا۔

"لیکن ممّا! علینا بچکپائی۔"
"لیکن وہ کین کچھ نہیں، بس میں نے کہہ دیا نہ، تو سمجھ نہیں آئی بات۔" انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔

"جی ممّا۔" اس نے تھوک نگا۔
"اور بیٹا روزہ رکھنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے، رخصتی رہنا آرام سے ساری عمر روزے۔" وہ پرس سنہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ اماں رحمت ضرور میری بیٹی کو ملائی بنا کر چھوڑے گی۔" وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائیں، انہوں نے خانساں سے رپورٹ لینی شروع کی کہ علینا بی بی نے کھانا کب کھایا، جوس کتنے بجے لیا، علینا نے خانساں کو اعتماد میں لے لیا تھا، وہ کہنے کو تو کشور جہاں کے سامنے کہہ دیتا کہ دس بجے بی بی نے اپیل جوس لیا اور ایک بجے لٹچ کیا، بعد میں وہ توبہ استغفار کرتا۔

"علینا بی بی، میرا روزہ بھی خراب کرواؤ جھوٹ بلوا کر۔" علینا جوں جوں مسکراتی جاتی۔

"خان چا چا میری خاطر، آپ تو اتنے اچھے ہو، میں اگر ایسا نہ کروں تو ممّا تو مجھے کبھی بھی روزہ نہ رکھنے دیں۔" اور جواب میں وہ مسکراتا۔

"اچھا چلو آرام کرو جا کر، روزہ رکھا ہوا ہے، اسے ہی آن کرو اور باہر نہ نکلنا۔"

"جی اچھا۔" اور وہ واقعی بھاگ جاتی۔
ہنہ ہنہ ہنہ

خانساں کو چونکہ رات کو چھٹی ہوتی تھی اس لئے علینا کو سحری کا انتظام خود کرنا پڑتا تھا اور پھر کچن سے سارے آثار بھی مٹا کر نکلتی زیادہ تر وہ

ذمران کے لئے بھی بہت اہم تھا، رمضان کے مہینے میں بے تحاشا زکوٰۃ ان کی این جی او کو جی تھی جس کے بل بوتے پر وہ سارا سال دل کھول کر غریب خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی تھیں۔ رمضان کے مہینے میں ان کی این جی او راشن بھی حق گھرانوں کو دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ دیگر مہینوں کی نسبت رمضان میں بے پناہ مصروف ہوتیں۔

ہذا جزو ہے

اس رات علینا کے کمرے میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لئے اسے مجبوراً کچن کا رخ کرنا پڑا، وہ چوروں کی طرح اپنے کمرے سے نکلی اور کچن میں پہنچ گئی، لائٹ آن کرنے کی بجائے اس نے ان کی طرف کھٹنے والی کھڑکی کھول دی ان میں روشن لائٹس سے روشنی اندر آنے لگی اور کچن اس قابل ہو گیا کہ وہ تاریکی کی بجائے بلکی روشنی میں کام کرنے لگی، کچن کی لائٹ اس نے جان بوجھ کر نہیں جلائی مبادا کشور جہاں انہیں نہیں ہونی ادھر ہی نہ آنکلیں، ویسے وہ اپنی سسی کر کے آئی تھی وہ اپنے کمرے میں ہی بے خبر سو رہی تھیں، اس نے فریق کھول کر جائزہ لیا اور دودھ کا جگ اور کچھ فردت نکال کر میز پر رکھے، اب وہ پھری ڈھونڈ رہی تھی جلد ہی اسے پھری مل گئی، پھری لے کر وہ پٹی ہی تھی کہ کچن کا کھانا دروازہ دیکھ کر اس کی جان نکلی گئی۔

”مما!“ وہ جبراً کٹی اور جلدی سے اوٹ میں ہو گئی، دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا، وہ خوف سے ڈرنے لگی، اندر آنے والے کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

”ضرور کوئی چور ہے، اب کیا کروں، اللہ

میاں جی، میری مدد کرنا۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی چھری اور مضبوطی سے تھام لی، وہ اجنبی بڑے اطمینان سے کچن کا سوچ بچ بورڈ تلاش کر رہا تھا وہ اپنے انداز سے چور ہرگز نہیں لگ رہا تھا، وہ سعد تھا تب ہی اس نے سوچ آن کر دیا، اس کی نظر سامنے میز پر رکھے پھلوں پر پڑی اور دودھ کا جگ دیکھ کر وہ کرسی تھپٹ کر بیٹھ گیا۔

”ارے واہ کیا بات ہے سحری تیار ہے۔“

اس نے اٹھ کر گلاس بریک میں سے نکالا اور دودھ سے بھر لیا۔

”لیکن یہ میز کس نے سجائی۔“ وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر ادھر ادھر تلاشی نظروں سے دیکھنے لگا، تب ہی اسے فریق کے ساتھ کوئی کھڑا نظر آیا، وہ آگے بڑھ آیا وہ کوئی لڑکی تھی اس نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور ہاتھ میں چھری پکڑ رکھی تھی وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

”اوہیلو۔“ اس نے پکارا، مگر وہ ہنوز اسی طرح کھڑی رہی، اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے، سعد نے محویت سے اسے دیکھا۔

”بیلو خاتون، اگر آپ جل تو جلال اس لئے بڑھ رہی ہیں کہ میں غائب ہو جاؤں گا تو یہ آپ کی بھول ہے اور اگر آنکھیں بند کیے اس لئے کھڑی ہیں کہ بے ہوش ہونے کا ارادہ ہے تو برائے مہربانی کرسی پر تشریف لے جائیں کیونکہ اگر جہاں آپ گر گئیں تو کون اٹھائے گا، کیونکہ نہ تو میں بے کار ہوں اور نہ ہی فارغ۔“ وہ واپس کرسی پر جا بیٹھا، علینا نے ہمت کر کے آنکھیں کھولیں۔

”آپ چور ہیں۔“ اس نے حوصلے سے پوچھا اور آہستہ آہستہ آگے آگئی۔

”ہیں..... کیا کہا..... چور..... ذرا یہ چھری مجھے پکرا میں، آپ..... علینا ہیں۔“ اس نے

ماہنامہ سنا (۹۱) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نہیں، ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی تم چوروں کی طرح سحری کے لئے کیوں آئیں؟" علینا کے گلے میں سیب پھنسنے لگا، اس نے بے اختیار پانی پیا۔
"آپ کو کچھ اور چاہیے۔" اس نے بے اختیار پوچھا، اس نے کچھ دیر علینا کو غور سے دیکھا۔

"جی نہیں مجھے تو کچھ نہیں چاہیے، لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کو ضرور کچھ چاہیے۔" اس نے اپنی پلیٹ سے آلیٹ کا چیس اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھا اور سلاٹس کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک سیب کھا کر آپ سہرا دن کیسے گزار لی ہیں۔" سعد نے دودھ سے گلاس بھر لیا اور پینے لگا۔

"آپ امریکہ میں کبھی روزے رکھتے ہیں۔" علینا نے اچانک پوچھا۔

"کیوں امریکہ کے مسلمانوں کو روزے معاف ہیں کیا۔" اس نے دودھ کا گلاس خالی کیا۔

"نہیں میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔" اس نے اپنی توجہ اپنی پلیٹ کی طرف کر لی۔

"خاتون شاید آپ کو پتہ نہیں ہے کہ روزے تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر فرض ہیں، ویسے بائی داوے، اس گھر میں صرف آپ ہی روزے رکھتی ہیں یا....." وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اب وہ اس بات کا کیا جواب دیتی اس نے نظریں جھکا لیں، سعد نے کندھے اچکائے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اچانک علینا کو کچھ خیال آیا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنیے۔" وہ بے اختیار پکاری۔
"جی فرمائیے۔" وہ پریشان ہو گئی، کیا کہے سمجھ نہیں آیا، وہ واپس پلٹ آیا۔

پھری اس کے ہاتھ سے اچک لی۔
"آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا؟" وہ کافی خوفزدہ تھی، سعد نے پھری سے سیب کاٹے۔
"آپ کو کچھ پکانا دکانا نہیں آتا۔" اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"بھلا سیب کھا کر بھی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔" وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر فریج تک گیا، وہاں سے اٹھ کر اور بریڈ نکال کر لے آیا۔

"سیب بعد میں کانا پہلے آلیٹ کے لئے پیاز کاٹو۔" اس نے علینا کے ہاتھ میں پیاز تھمائی اور علینا کسی معمول کی طرح پیاز کاٹنے لگی، سعد نے اٹھ سے پھینٹے اور پیاز مکس کرنے لگا، تب ہی علینا کو یاد آیا کہ ماموں کے بیٹے نے امریکہ سے آنا تھا اسے تھوڑا اطمینان ہو۔

"آپ کہیں وہ تو نہیں جو امریکہ سے آئے ہیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"جی ہاں وہ بد نصیب میں ہی ہوں، جسے اپنی پھپھو کے گھر میں پر دو کول مٹنے کی بجائے سحری بھی خود بتائی پڑ رہی ہے۔" اس نے فرائی پین اٹھایا۔

"لائیے مجھے دیجئے۔" علینا نے جلدی سے سعد کے ہاتھ سے فراننگ پین لے لیا اور چولہا آن کیا اور جھٹ پٹ سنہری سنہری سا آلیٹ بنا کر پلیٹ میں نکالا اور ڈبل روٹی کے سلاٹس کے ساتھ ٹیبل پر رکھا، پانی کی بوتل بھی ساتھ ہی رکھ دی، وہ کھانے لگا اور وہ خود سامنے کرسی پر بیٹھ کر سیب جلدی جلدی کاٹنے لگی، اس کی نظریں بار بار گھڑی پر جا رہی تھیں۔

"ابھی کافی وقت ہے، تم اطمینان سے کھاؤ۔" سعد نے کہا۔

"جسمیں دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا، میں تو سمجھا تھا کہ پھپھو کے گھر میں کوئی روزہ رکھتا ہی

”جی میرا خیال ہے آپ نے کچھ کہا ہے۔“ وہ اس کے مقابل کھڑا تھا علینا نے سر جھکائے جھکائے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”وہ دراصل..... مہما کو مت بتائیے گا کہ میں نے روزہ رکھا ہے۔“ اس نے کہا اور بھاگ گئی۔
 ”ہیں۔“ وہ حیران سا اسے دیکھتا رہا۔

ہو ہو ہو

سعد پاکستان میں اپنے بزنس کو وسعت دینے کے لئے چند دن کے لئے آیا تھا، وہ لیدر کی مصنوعات کے بزنس سے وابستہ تھا، یہاں دو پارٹیاں اس کے ساتھ بزنس کرنا چاہتیں تھیں، اس کی بات چیت دونوں پارٹیوں کے ساتھ کامیابی سے مکمل ہو چکی تھی اب بس کنٹریکٹ سائن ہونا تھے جس کی وجہ سے وہ یہاں رکا ہوا تھا، وہ روزانہ ہی افطار کے وقت گھر نہیں ہوتا تھا اور کشور جہاں نے اس بات پر بھی شکر ادا کیا تھا، وہ تو یہ سوچ کر ہی پریشان تھیں کہ جتنا ٹھنڈا ان کا شینڈل چل رہا تھا اس میں وہ سعد کے لئے کیسے ٹائم نکالیں، ابھی راشن بانٹنے کی بستیوں میں جانا پڑتا تھا تو ابھی زکوٰۃ کے چیک خود لینے کے لئے کسی نہ کسی افطار ڈنر میں شریک ہونا پڑتا، اس واقعہ وہ ایک بھی افطار کے موقع پر گھر موجود نہیں تھیں، اسی بات کا فائدہ علینا نے خوب اٹھایا تھا، افطاری کے وقت وہ کچن میں کھس جاتی خانا ماں شور مچاتا رہ جاتا اور وہ کبھی پکوڑے تل رہی ہوتی تو کبھی چھوٹے چھوٹے سو سے بناتی، خانا ماں ہنستا بھی جاتا اور اس کی پسندیدہ افطاری جھٹ پٹ تیار کر دیتا۔

روزہ چلنے میں تھوڑی دیر تھی جب سعد گھر میں داخل ہوا وہ سیدھا کچن میں آ گیا، علینا کڑا اسی چو لہے پر رکھے جلدی جلدی پکوڑے

ڈال رہی تھی۔
 ”ہاں بھئی کتنی دیر ہے افطاری میں؟“ سعد نے اتنی اچانک کہا کہ علینا جو پکوڑے ڈال رہی تھی گھبراہٹ میں مڑی، سعد کرسی سنبھال چکا تھا۔

”کیا بنایا ہے افطاری کے لئے۔“ وہ اتنی ہی تکلفی سے پوچھ رہا تھا جیسے ہمیشہ سے یہیں رہتا رہا ہو۔

”وہ..... وہ..... دراصل.....“ علینا کے ہاتھ جو بیسن میں لتھڑے ہوئے تھے اس نے بے خیالی میں ہال ٹھیک کرنا چاہے جو بیسن ماتھے پر سامنے آ رہی تھیں انہیں ہٹانا چاہیے، نتیجہ کے طور پر بیسن کے شاہکار بن گئے۔

”ارے..... ارے..... ارے..... یہ کیا کیا؟“ سعد ہنستا ہوا کرسی سے اٹھا۔

”ہنو یہاں سے۔“ اس نے آستین فولڈ کیں اور اس سے پہلے کہ علینا کچھ سمجھتی سعد نے جھٹ پٹ بیسن کا پیالہ اٹھایا اور مہارت سے پکوڑے ڈالنے لگا، علینا حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو آتے ہیں پکوڑے بنانے۔“ وہ گم صم صی تھی ہوش آیا تو پوچھ بیٹھی۔

”ارے محترمہ! ہم امریکہ میں رہتے ہیں امریکہ میں۔“ اس نے جلدی جلدی پکوڑے نکالے اور پلیٹ میں ڈالے اور مزید پکوڑے ڈالنے لگا۔

”اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امریکہ میں سب کو کام کرنا پڑتا ہے، باقی داوے، خانا ماں کہاں ہے۔“

”چھٹی پر ہے، اماں رحمت کو بخار ہے، اس لئے۔“ وہ نجانے کیوں وضاحت دے رہی تھی، سعد نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

ماہنامہ حنا (۹۸) اگست 2014

کر۔" سعد نے مزہ لیا۔
"چلو آ جاؤ اذان ہونے والی ہے۔" واقعی
تب ہی سائرن بجنے لگا، علینا سائرن کی آواز
سننے ہی سب کچھ بھول بھال جلدی سے کرسی پر آ
بیٹھی۔

☆☆☆

سعد سو کر اٹھا تو دوپہر ہو چکی تھی، اس نے
اٹھ کر پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے اور
الماری میں سے کپڑے نکال کر نہانے چلا گیا،
باہر آیا تو کمرے میں کشور جہاں کو موجود پایا۔
"السلام علیکم بھوپو" وہ مسکراتا ہوا انہیں
بے حد اچھا لگا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" اس نے تولیہ
صوفے پر ڈالا۔

"آپ آج گھر پر کیسے ہیں؟" وہ ڈریسنگ
تجمل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"وہ بیٹا، تم تو جانتے ہو، میں ملا جی ادارہ چلا
رہی ہوں، تو اس مہینے میں زکوٰۃ وغیرہ کی وجہ سے
مجھے بے حد مصروف ہونا پڑتا ہے پھر مستحقین تک
راشن کپڑے وغیرہ پہنچانا بہت ذمہ داری کا کام
ہے، اس لئے بیٹا میں تمہیں نا تم نہیں دے سکی۔"
وہ کچھ معذرت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"سوری بیٹا۔"

"نہیں نہیں بھوپو۔" وہ ان کے برابر آ
بیٹھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ان کی گود
میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"بیٹا! میں تمہارے اعزاز میں افطار ڈنر دینا
چاہ رہی تھی کل کا دن ٹھیک رہے گا۔" انہوں نے
پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"ارے کیا ہو گیا ہے بھوپو۔" وہ اٹھ بیٹھا۔
"ارے کیا ہو گیا ہے بھوپو۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

ماہنامہ حنا (۹۱) اگست 2014

"اچھا چلو تم دو دھنکا لو، شربت بناؤ اور کچھ
فروٹ جلدی سے کاٹ لو۔" سعد بے اختیار ہنس
پڑا، غالباً علینا کو ابھی تک محسوس نہیں ہوا کہ اس
کے بالوں اور چہرے پر ہنس لگا ہوا ہے، اس نے
سوچا اور جلدی جلدی پکڑے نکالنے لگا۔
"آپ کیوں ہنستے؟" علینا نے ہست کر کے
پوچھ لیا۔

"بس ایسے ہی۔" اس نے مسکراہٹ
دہائی۔

"چلو جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔" اور علینا
اس کے معنی خیز ہنسنے کے انداز کو نظر انداز کر کے
جلدی جلدی کام کرنے لگی، جھٹ پٹ شربت بنا
کر جگمگا اس میز پر رکھے، مجبوریں صاف ستھری
پلیٹ میں ڈالیں اور کچھ فروٹس نکال کر کاٹنے لگی،
تب ہی مریم آگئی، اس کے ہاتھ میں وہی بڑوں
کا پیالہ تھا۔

"یہ لیس علینا آپی، روزہ اسی سے کھولنا۔"
"لاؤ۔" علینا نے جلدی سے پیالہ اس کے
ہاتھ سے لے لیا۔

"یہ کیا؟" مریم نے علینا کے بالوں پر سے
ہاتھ سے ہنس صاف کیا۔

"کیا ہے؟" علینا بے خبری میں چہرہ صاف
کرنے لگی۔

"کچھ نہیں جیسن لگا ہوا تھا۔" مریم نے
اپنے دوپٹے کے کونے سے اچھی طرح اس کا چہرہ
صاف کیا علینا کو اب سعد کے ہنسنے کی وجہ سمجھ آئی،
مریم جا چکی تھی، علینا نے سعد کی طرف دیکھا وہ
اب میز پر آ بیٹھا تھا اور اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا
تھا، علینا جھینپ گئی۔

"آپ بتا نہیں سکتے تھے؟" اسے یکدم
فصہ آگیا۔

"اوں ہوں، فصہ نہیں کرتے روزہ رکھ

بس تم جس طرح بھائی جان کے لئے فکر مندی ظاہر کر رہے تھے تو مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی، اللہ تم جیسی فرمانبردار اولاد ہر ماں باپ کو دے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر بے اختیار سعد کی پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

گازی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، کشور جہاں کھلی سیٹ پر بیٹھی سوچوں میں غرق تھیں، انہیں آج سعد ہی یاد آ رہا تھا۔
"علینا کو کتنا کہتی ہوں ذرا اچھی طرح رہا کر ڈھنگ سے کپڑے پہنا کر، مگر مجال ہے جو ذرا اثر ہو اس لڑکی پر، ہر وقت اول جلولو صلیے میں رہتی ہے، اس کے ساتھ کی دوسری لڑکیاں کیسی اچھی لگتی ہیں، اپنے پہننے اور چھنے سے، بوتیک بھرے پڑے ہیں اسٹائلش کپڑوں سے مگر یہ میری علینا، نجانے کس پر مگنی ہے، حرام ہے جو میرا اثر لیا ہو، اوپر سے رہی کئی کسر اماں رحمت نے پوری کر دی ہے، اماں رحمت کا بس چلے تو اسے پوری ملائی بنا دے۔" انہیں غصہ آنے لگا۔
"اس اماں رحمت کا بھی کچھ کرنا پڑے گا، ورنہ میری ہنسی، میرے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔" انہوں نے باہر کے گزرتے مناظر پر توجہ کر لی۔

☆☆☆

علینا اور مریم جھولے میں بیٹھی تھیں، مریم، کشور جہاں کی موجودگی میں علینا کے ساتھ بہت لیا دیا انداز اپنائے رکھتی، علینا بھی ایسا ہی رویہ مریم کے ساتھ رکھتی تھی جانتی تھی کہ بے شک کشور جہاں اظہار نہیں کرتیں مگر درحقیقت انہیں ملازمین کے ساتھ میل جول ناگوار گزرتا ہے البتہ ان کے گھر سے جاتے ہی علینا بھی مریم کے گھر خود پہنچ جاتی اور بھی مریم آ جاتی، اس دن بھی

"میں کہاں کا وزیر یا سفیر ہوں جو میرے اعزاز میں افطار ڈنر ہوگا۔" اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"کیوں..... میرا بیٹا کیا کسی سفیر یا وزیر سے کم ہے کیا؟" انہوں نے لاڈ سے ہلکی سے چپت لگائی۔

"بس بیٹا پھر کل کا دن ٹھیک ہے ناں۔" انہیں جانے کی جلدی تھی۔

"نہیں پھپھو۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"آپ کو پتہ تو ہے کہ میرا شیڈول بھی آپ

کی طرح کتنا فٹ ہے، کل میری آخری فائل

میںٹگ ہے، کنٹریکٹ سائن ہو جائے گا، پھر انشاء

اللہ میں جانے کی تیاری پکڑوں گا، آپ کو پتہ ہے

پاپا آج کل اکیلے بزنس سنبھال رہے ہیں، میرا

بھارا دھیان ان کی طرف ہے۔" سعد نے انہیں

تفصیلی جواب دیا، سعد بول رہا تھا اور وہ اسے

محویت سے تنگ رہتی تھی سعد ہو بہو ان کے بڑے

بھائی ارسلان کی کالی تھا اور پھر اس کا باپ کے

لئے متفکر انداز انہیں بہت بھلا لگ رہا تھا،

اچانک ایک خیال ان کے دل میں آیا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اتنا اچھا سلیمنا ہوا

انسان میری علینا کا مقدر ہو، مگر کہاں؟" انہوں

نے مایوسی سے سر جھٹکا۔

"کہاں وہ امریکہ کی کھلی ڈھلی سوسائٹی کا

پروردہ اور کہاں علینا، جو آج کل ملائی زیادہ لگتی

ہے، بھلا کہاں پسند آتی ہیں ایسی لڑکیاں، آزاد

معاشرے کے پروردہ آزاد لو، رنر برنگی ٹیلیوں کو

پسند کرتے ہیں۔"

"کھپو کہاں کھو گئیں۔" وہ نجانے کیا کیا

سوچے جا رہی تھیں جب سعد نے ہاتھ ان کے

آگے لہرایا۔

"آں..... ہاں..... کہیں..... نہیں بیٹا....."

ہیں کہ شب قدر ستائیسویں رات کو ہوتی ہے۔
”نہ پتر، یہ کسی کو نہیں پتہ کہ شب قدر کون سی
رات کو ہے۔“ اماں رحمت نے فلسفیانہ انداز سے
انہیں دیکھا۔

”پھر اماں جی۔“ مریم نے پوچھا۔
”پتر اللہ کا حکم ہے کہ شب قدر کو آخری
روزوں میں تلاش کرو اور تمہیں بتاؤں، اللہ
سو نہڑے نے ہمارے لئے کیا اشارہ دیا ہے۔“
”کیسا اماں جی!“ علینا نے کھوئے کھوئے
لہجے میں پوچھا۔

”حکم ہے کہ شب قدر کو آخری عشرے کی
طاق راتوں میں تلاش کرو۔“ اماں رحمت ہلکا سا
مسکرائیں۔
”طاق راتیں، کیا مطلب اماں جی؟“ علینا
ابھی۔

”پتر اس کا مطلب ہے اکیسویں،
تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انیسویں رات
میں عبادت کرو اور ڈھونڈو تلاش کرو اس رات کو
جس میں روح الامن اور ہزاروں فرشتے اپنے
پروردگار کے حکم سے اس روئے زمین پر نازل
ہوتے ہیں اور پتر یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر
ہے اور اس رات میں اللہ نے قرآن جو کہ ہماری
ہدایت کے لئے نازل کیا۔“ اماں رحمت آنکھیں
بند کیے بول رہی تھیں۔

”بس ٹھیک ہے مریم، اس بار ہم بھی شب
قدر کو تلاش کریں گے کیا پتہ.....“ علینا بولی۔
”ہاں ہاں پتر، کیا پتہ..... اللہ کی مہربانی
سے ہم بھی شب قدر کو پالیں۔“ اماں رحمت نے
علینا کی بات کائی اور مسکرائے لگیں۔

☆☆☆

کشور جہاں رات گئے گھر آئیں اور سیدھی
علینا کے کمرے کا رخ کیا علینا کی وی دیکھ رہی تھی

دونوں جھولے میں بیٹھی تھیں، مریم نہانے کون
کون سے قصے سنارہی تھی، علینا تھوڑی تھوڑی دیر
کے بعد مریم کی کسی نہ کسی بات پر خوب ہنستی، تب
ہی اماں رحمت وہاں آ گئیں اور گھاس پر بیٹھ
گئیں۔

”نہ بچوں روزہ رکھ کر اتنا نہیں جنتے، روزہ
رکھ کر تو خود کو کنٹرول کرتے ہیں۔“ انہوں نے جو
دونوں کو قہقہہ مار کر ہنستے دیکھا تو فوراً ٹوکا، دونوں
کی ہنسی کو بیک لگے گئے۔

”اماں رحمت۔“ علینا فوراً جھولے سے اتر
کر اماں رحمت کے پاس بیٹھ گئی۔

”ہاں پتر۔“ اماں رحمت نے اس کے سر پر
شفقت سے ہاتھ پھیرا، مریم بھی ان دونوں کے
پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”اماں! جب ہم نے شب برات کو عبادت
کی تھی تو کتنا حزن آیا تھا، اب ہم شب قدر کو پھر
عبادت کریں گے ٹھیک ہے نا۔“

”ہاں پتر کیوں نہیں، اللہ تم لوگوں کی
عبادت قبول کرے۔“ اماں رحمت خوش ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے اماں جی، ستائیسویں روزے
کو ساری رات جاگ کر عبادت کریں گے۔“
علینا کے ساتھ مریم بھی پر جوش ہوئی۔

”ہاں پتر، اللہ کو جوانی کی عبادتیں بہت
پسند ہیں۔“ اماں رحمت جذب کی کیفیت میں
بولیں۔

”بڑھاپے میں تو سب اللہ کے خوف سے
عبادت کر لیتے ہیں مگر اس سوتلے رب کو جوانی
کی عبادت اور گرمیوں کے روزے بڑے پسند
ہیں، مگر یہ تمہیں کس نے کہا کہ عبادت صرف
ستائیسویں روزے کی رات ہوتی ہے۔“ انہوں
نے دونوں سے پوچھا تو دونوں ہر بڑا گئیں۔

”وہ..... وہ..... اماں جی..... سب کہتے

ماہنامہ حنا (101) اگست 2014

ماں کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی، ان کے ہاتھوں میں ڈیڑھ سا چمک بیگڑ تھے انہوں نے اس کے بیڈ پر رکھے اور خود وہ بیٹھ گئیں۔

”مما یہ کیا ہے؟“ علینا تجس کے مارے جلدی جلدی شاچنگ بیگڑ کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

”تمہارے لئے شاچنگ کر کے لائی ہوں۔“ انہوں نے اسے کپڑے کھول کھول کر دکھانے شروع کیے۔

”مجھے خیال آیا کہ تمہارے سارے کپڑے پرانے فیشن کے ہیں، لہذا میں نے آج واپسی پر تمہارے لئے کچھ ڈریسز لے لئے، اب ایسا کرنا کل ملازمہ کو ساتھ لگا کر الماری میں بھرے کپڑے نکال کر کسی ضرورت مند کو دے دینا اور یہ سب وارڈ روب میں سیٹ کر دینا۔“ وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں جبکہ علینا گنگ سی کپڑوں کو دیکھ رہی تھی زیادہ تر کپڑے سلیو لیس تھے اور اتنے جدید اسٹائل کے تھے کہ ماڈلز بھی پہننے سے شرمائیں۔

”مما آپ یہ میرے لئے لائی ہیں۔“

”ہاں ہئی، تو اور کیا، اب تم بڑی ہو گئی ہو، تمہیں ہائی سوسائٹی میں سوو کرنا ہے اور اس سوسائٹی کے یہی اپنی کیٹس اور طور طریقے ہیں اور ایسا ہی پہناوا ہے۔“

”مما یہ سوسائٹی آپ کو مبارک ہو۔“ علینا نے رکھائی سے کہا اور ہاتھ سے کپڑے ایک طرف کر دیے۔

”یہ بھلا کپڑے ہیں کہ ایک طرف کا ڈھکوسلہ تو دوسری طرف سے محل جائے، دونوں طرف سے شرٹ درست کرو تو پیچھے سے اونچی ہو جائے، سواری مماس میں یہ سب نہیں پہن سکتی۔“

”کیوں نہیں پہن سکتی یہ ڈریس۔“ انہوں

نے غصے کو دبایا۔

”آخر امریکہ میں بھی تو لوگ ایسے ہی ڈریسز پہنتے ہیں۔“ سعد انہیں بہت پسند آ گیا تھا چاہتی تھیں علینا کی طرح اسے متاثر کر لے۔

”ہاں تو نہیں امریکہ والے، لاکھ دفعہ پہنیں مگر مماسمجھ سے یہ توقع نہ رکھے گا میں ایسا کچھ پہنوں گی۔“ علینا نے برہمی سے کہا۔

”بے وقوف تو سمجھتی کیوں نہیں۔“ وہ زچ ہو گئیں۔

”اب کیسے سمجھاؤں، امریکہ والوں کو متاثر کرنا ہے تو ان کے جیسے تو لگو۔“ وہ دبی دبی زبان میں سمجھا رہی تھیں۔

”نہیں کرنا مجھے کسی امریکہ والے کو متاثر۔“ وہ سارے کپڑوں کو شاچنگ بیگڑ میں ٹھونسنے لگی، ہنسی نہیں تھی ماں کا اشارہ سمجھ گئی۔

”علینا تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو، لگتا ہے اماں رحمت کے ہاتھوں میں سمجھیں دے کر میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے، لہذا میں اس کی خبر بھی میں۔“ وہ غصے سے پھنکار رہی ہوئی تھیں اور تن فن کرتی کمرے سے نکل گئیں، سامنے سے اختر صاحب آتے نظر آ گئے۔

”آپ کے لاڈ پیار نے بچوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مجال ہے جو میری بات مان لیں۔“ انہوں نے سارا غصہ مہاں پر نکالا، ویسے تو دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں گم رہتے تھے، دونوں جو گھروں سے نکلتے تو رات گئے گھر آتے، اختر صاحب کی بزنس میٹنگز ختم نہیں ہوتی تھیں تو کشور جہاں کا سوشل ورک بارہ مہینے چلتا تھا، بچوں کے لئے دونوں کے پاس ٹائم نہیں تھا، علینا اور حارث دونوں اماں رحمت کی نگرانی میں پروان چڑھ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ علینا کی شخصیت میں بہت سے اثرات اماں رحمت کے تھے۔

سعد کے پاپا ارسلان احمد پوچھ رہے تھے، دونوں سکا پ پر بڑی تھے۔

”بس پاپا، پرسوں صبح کی فلائٹ ہے، آپ سنا نہیں کاروبار کیسا جا رہا ہے۔“ دونوں کاروباری باتیں کچھ دیر کرتے رہے، پھر سعد کی امی سلٹی بھی کھانگو میں شریک ہو گئیں۔

”میرا جیتا صرف بزنس مینٹلز ہی بھگتا تا رہا ہے یا کوئی لڑکی وڑکی بھی پسند کی۔“ انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

”کہاں ماما، مینٹلز سے ہی جان نہیں چھوٹی۔“ سعد جینپ گیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے امریکہ میں ہی کوئی لڑکی پسند کریں۔“ وہ مسکرائیں۔

”اورے تو بہ کریں ماما، امریکہ میں بھلا لڑکیاں اس قافلہ میں کہ شادی کی جائے۔“ سعد خنسا ہو گیا۔

”اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ ہماری علینا کیسی لگی؟“ ارسلان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”علینا؟“ سعد نے سر کھجایا۔

”کون علینا؟“

”ہائیں کون علینا؟“ سلٹی بیگم حیرت زدہ ہوئیں۔

”میاں صاحبزادے، جہاں خیر سے تم ٹھہرے ہوئے ہو، وہاں میری ایک عدد بھانجی بھی رہتی ہے، علینا خیر سے اس کا نام ہے، سلٹی بیگم۔“ انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

”جی..... جی.....“ سلٹی فوراً متوجہ ہوئیں۔

”بیوی مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔“ ارسلان احمد معنی خیز انداز میں بولے۔

”ہونہ۔“ سلٹی بیگم کی منہ خیز ہنسی کے ساتھ ہی سعد کا جاندار قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

☆☆☆

رات کو کشور جہاں سوچکی تھیں جب علینا نے تسلی کر کے اماں رحمت کے کواٹر کا رخ کیا، اماں رحمت عبادت میں مشغول تھیں ان کے کواٹر میں رات کو بہت جیس ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کواٹر کے صحن میں مصیٰ بچا لیتی تھیں، مریم اور علینا بھی اماں رحمت کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

”رات کو کتنا مزہ آیا۔“ علینا کی آواز آئی۔

”ہاں علینا آئی، سچ شب قدر کو تلاشنے کا کتنا مزہ ہے۔“ مریم نے آنکھیں بند کر لیں جیسے ابھی بھی اللہ کی عبادت کر رہی ہو۔

وہ دونوں گھر کے پچھواڑے لان میں بیٹھی تھیں، سعد کے کمرے کی کڑکی لان میں کھلتی تھی وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر مصروف تھا جب ان دونوں کی باتیں سن کر کڑکی کی طرف آگیا۔

”مریم..... آئیڈیا.....“ علینا نے چٹکی بجا لی۔

”وہ کیا؟“ وہ دونوں گھابوں کی کیا رویوں کے پاس بیٹھی تھیں۔

”دیکھو اماں جی کو مناتے ہیں کہ اگلی طاق رات ہم چھت پر عبادت کریں، تاکہ شب قدر کو ڈھونڈنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے آئی۔“ مریم نے پر جوش ہو کر کہا۔

”اللہ میاں جی ہم شب قدر کو ڈھونڈنا چاہتے ہیں، ہماری مدد کر دیں نہ۔“ علینا نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے۔

”آمین۔“ مریم نے جھٹ آئین کہا، سعد مسکرا دیا۔

☆☆☆

”ہاں بیٹا جی، کب تک واپس آرہے ہو۔“

طرف بڑھائے اپنے فعل سے سعد اتنا شرمسار ہوا کہ کمرے میں آتے ہی اس نے وضو کیا اور نفل نماز پڑھنے لگا صبح اس کی روانگی تھی۔

☆☆☆

سعد سحری کے وقت کچن میں آیا تو علینا پہلے سے ہی کچن میں موجود تھی۔

”ارے واہ کیا بات ہے؟ آج تو کچن سے بڑی خوشبو نہیں آ رہی ہیں۔“ اس نے ہاتھ پاٹ کا دھکن اٹایا۔

”آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ مجھے کچھ پکانا دکان نہیں آتا تو میں نے سوچا کہ آج آپ کا آخری دن ہے تو۔“

”ہیں ہیں آخری دن، اللہ نہ کرے بی بی کہ میرا آخری دن ہو۔“ سعد نے گھبرانے کی اینٹنگ کی۔

”نہیں نہیں میرا مطلب تھا کہ۔۔۔۔۔“ علینا نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

”ابھی میں نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے جو دنیا سے جانے کی تیاری کروں۔“ سعد اسے گھبرانے سے محفوظ ہوا۔

”میرا مطلب تھا کہ۔۔۔۔۔“ وہ پھر وضاحت دینے لگی۔

”جی چھوڑیے مطلب کو یہ بتائے کیا بتا رہے۔“ اس نے ہاتھ پاٹ اٹھایا۔

”ہوں دم کا قیمہ اور پرائیوٹ، آلیٹ، سویاں، واہ بھئی واہ ہائی واوے خود بنایا ہے یا پھر اماں رحمت۔“ اس نے شرارت سے پوچھا، وہ جو پہلے ہی پریشان سی تھی مزید رہ بانسی ہو گئی اور چولہا بند کر کے فریج کی طرف آگئی، فریج میں سے فروس نکالے پانی کی بوتل لے کر ٹیبل پر رکھی اور کرسی پر آ بیٹھی۔

”ارے واہ مزے دار ہے۔“ اس نے کھانا

”چلو بتاؤ جلدی سے، علینا کیسی لگی تمہیں۔“ سلٹی پیچھے پڑ گئیں۔

”ای آتے تو دیں مجھے امریکہ، پھر بات کریں گے۔“ سعد نے جان چھڑا کی اور اسلان احمد اور سلٹی نے اختیار رفس پڑے۔

رمضان کی تیسویں شب تھی علینا اور مریم نے اماں رحمت کو منالیا تھا کہ رات کو چھت پر عبادت کریں گے جیسے ہی کشور جہاں بچوں کے کمروں میں راؤنڈ لگا کر اپنے بیڈ روم میں گئیں علینا سیدھی اماں رحمت کی طرف بھاگی اور تینوں چھت پر پہنچ گئیں، ہلکی ہلکی سی ہوا چل رہی تھی، تینوں اللہ کے حضور نیت باندھ چکی تھیں۔

تب ہی سعد دبے پاؤں چلتا ہوا چھت پر پہنچ گیا، زینے کی طرف اندھیرا تھا، نیچے ان میں روشن آئینس کی وجہ سے چھت پر کافی روشنی تھی وہ اوپر والی میز پر بیٹھ گیا سامنے ہی علینا سفید روپے کے بالے میں کوئی آسمانی مخلوق لگ رہی تھی۔

”پھپھو میں اور علینا میں کتنا فرق ہے۔“ اس نے سوچا۔

”دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پھپھو کے لباس میں اور علینا کے لباس میں کتنا فرق ہے، علینا تو پھپھو کی بیٹی ہی نہیں، ابھی بھی بڑے سے روپے میں سنی مقدس سی لگ رہی ہے۔“ سعد نے بے خیالی میں سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبایا۔

”دھت تیرے کی۔“ اچانک اسے کچھ خیال آیا اور اس نے سگریٹ واپس پیکٹ میں ڈالا۔

”وہ لوگ حاق راتوں کی عبادت کر رہے ہیں اور میں سگریٹ سلگانے چلا تھا۔“ وہ خود کو سرزنش کرتا اٹھ بیٹھا، اس نے قدم اپنے کمرے کی

”اس سے تو اچھا تھا کہ میں کچھ بھی نہ کرتی۔“ دروازہ بند ہونے کا سائرن نفا میں گونج رہا تھا تب اس نے دھوکا کیا۔

☆☆☆

”اماں جی وہ دیکھئے، وہ کیا ہے؟“ وہ تینوں اس رات بھی عبادت میں مشغول تھیں جب علینا نے سلام پھیرا تو اس کی نظر اچانک آسمان کی طرف اٹھی، اماں رحمت نے جلدی جلدی سلام پھیرا اور اوپر نگاہ کی، آسمان بے حد شہری ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے نور کی بارش ہو، اماں رحمت نے آنکھیں بند کر لیں اور بے اختیار جہدے میں گر گئیں، لیکن علینا کو تو ہوش ہی نہیں تھی وہ دم بخود آسمان کے نظارے میں محو تھی، اسے نہیں پتہ لگا کہ اماں جی جہدے میں ہیں وہ بس تسک باندھے ایک طرف دیکھے جا رہی تھی، نور دیکھتے ہی دیکھتے بڑھتا جا رہا تھا تب ہی زور دہر بجلی چمکی علینا کو کوئی آواز بجلی چمکنے کی سنائی نہیں دی علینا کو لگا کہ وہ بجلی نہیں چمکی بلکہ وہ کوئی نور تھا جو پلک جھپکتے زمین تک آیا اور غائب ہو گیا، علینا دم بخود تھی تب ہی اس کا سر چترانے لگا اور وہ اگلے ہی پل چکرا کر گر گئی۔

”اللہ مہیاں!“ اس کے حلق سے آواز نکلی اور چہت کے فرش پر گر گئی، مریم پہلے ہی اماں رحمت کے پاس گر گئی پڑی تھی۔

☆☆☆

سعد کو گھنے دو دن ہو چکے تھے، کشور جہاں بہت مایوس تھیں، بی بی ان کی ہدایتوں پر عمل نہیں کرتی تھی ورنہ ان کا پورا خیال یہی تھا کہ اگر علینا ان کی بات مان لیتی اور امریکہ کے پروردہ لوگوں کا سا پہناوا پہن لیتی تو شاید سعد اس سے متاثر ہو جاتا، ویسے بھی اکلوتا وارث بے حد خوبصورت اوپر سے سگا بھتیجا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی، مگر یہ

شروع کیا۔ ”تم نہیں کھا رہیں۔“ اسے فروٹ کاٹتے دیکھا تو بوچھل گیا۔

”کھاؤ کھاؤ اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے۔“ علینا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور سر جھکائے فروٹ تھوڑا تھوڑا کر کے کھانے لگی، پانی کا گلاس پیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کہاں چلیں؟“ سعد نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا تو آواز دی۔

”اپنے کمرے میں۔“ سعد کو اس کی آواز بھیجی بیٹکی سے تھی۔

”ہیلو بی بی میں مہمان ہوں اور آپ میزبان لہذا آداب میزبانی بھائیے اور چپ چاپ بیٹھ جائیے، جب تک میں کھانا نہ کھا لوں، کھانے میں شریک رہیے۔“ سعد اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

”نہیں آپ کھائیے، میں اماں رحمت کو بلا لاتی ہوں تاکہ۔“ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا چھنے لگا۔

”کیا تاکہ..... بیٹھے..... اور کھا کر بتائیے کیا پکا ہے۔“ اس نے اس کے آگے پراٹھا اور قیہ کیا۔

”نہیں سوری، میرا دل نہیں کر رہا۔“ علینا نے یہ کہا اور جھپاک سے بچن سے نکل گئی، آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے کو تیار تھے، بھلا کتنی محبت سے قیہ پکایا تھا اور کتنا خیال رکھا تھا کہ براٹھے گول گول نہیں اور یہ سعد کا بچہ، اس نے آنکھیں رگڑیں، کتنے مزے سے کہہ دیا۔

”اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے، ہونہر۔“ وہ سیدھی واش روم میں آئی اور پانی کے چھپاکے آنکھوں پر ڈالے۔

ماہنامہ منا (105) اگست 2014

علینا، انہیں رو رہا کہ علینا پر غصہ آتا۔

سارا بگاڑ اماں رحمت کی وجہ سے ہے، میری بچی کو ملائی تنادیا، انہوں نے آج دن میں اماں رحمت کو اپنے کمرے میں بلا کر بہت سنائی تھیں، اماں رحمت بھی مجرم بنی یوں چپ چاپ سستی رہیں تھیں جیسے سعد کا رشتہ اگر علینا سے نہیں ہو سکا تو سارا قصور ان کا ہی ہے۔

ستائیسویں شب تھی، کشور جہاں نے آج گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کر دیا تھا، مدر سے سب بچے بلائے گئے تھے، پھر روزہ کھلوا یا بے شمار کھانا، راشن اور کپڑے تقسیم ہوئے، رات گئے وہ تھک گئیں، مگر ان کے میسجور آنا شروع ہو گئے، انہوں نے لی وی آن کر لیا، ستائیسویں شب کے حوالے سے لی وی کے سارے چینلوں خصوصاً نشریات کا اہتمام کر چکے تھے، ہر چینل کے میزبان کا دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ رہیے تاکہ اجتماعی عبادت میں شریک ہو کر اجتماعی دعا میں شریک ہو کر اپنے گناہ بخشوا سکیں، وہ کبھی کسی چینل سے حائر ہو کر اس کی اجتماعی عبادت میں شریک ہوتیں تو اچانک اس چینل پر جب کسی پروڈکٹ کا اشتہار آتا تو وہ فوراً دوسرے چینل کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں، ساتھ ساتھ میسجور کا سلسلہ بھی جاری تھا جن کا لب لباب کچھ یوں تھا۔

”آج کی رات شب قدر ہے جس کی فضیلت ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، آج اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے گا۔“ کشور جہاں بھی اپنے ملنے ملانے والوں، سہیلیوں اور ساتھ کام کرنے والوں کو دعا کی درخواست کے لئے میسجور کر رہی تھیں، مگر میسج آ رہے تھے چارہ تھے مگر شاید دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا تھا تب ہی اچانک میسج کی جگہ کال آ گئی انہوں نے فوراً وصول کی کیونکہ امریکہ سے تھی دوسری طرف ان

کے بھائی ارسلان احمد تھے، وہ خوش ہو گئیں اور ریپوٹ اٹھا کر لی وی آف کر دیا یعنی عبادت سے وقتی طور پر کنارہ کر لیا، وہ بھائی سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی تھیں مگر بھابھ نے اتنا موقع ہی نہیں دیا اور ذرا دیر بعد ہی ارسلان احمد سے فون لے کر خود باتیں کرنے لگیں۔

”ہاں کشور کیسی ہو بھئی؟“ سلٹی بیگم اپنے مخصوص بے تکلفانہ انداز میں بول رہی تھیں۔

”میں ٹھیک ہوں بھابھی بیگم، آپ کیسی ہیں؟“ کشور جہاں فون لے کر صوفے پر ٹیک لگا کر لیٹ گئیں۔

”ہاں بھئی میں بھی ٹھیک ہوں، کیا کر رہی تھیں؟ میرا خیال ہے پاکستان میں تو آج ستائیسویں شب ہو گیا اور مجھے پکا یقین ہے کہ علینا آج بھی عبادت کر رہی ہوگی۔“

”جی.....“ وہ حیران سا ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

”آج بھی، کا کیا مطلب بھئی؟ دل خوش کر دیا کشور تم نے تو، کیا تربیت کی ہے بچی کی، بھئی میں تو جھوم اٹھی جب مجھے سعد نے علینا کے بارے میں بتایا، مجھے تو یقین ہی نہ آیا کہ علینا اتنی عبادت گزار ہے کہ طاق راتوں کی بھی عبادت کرتی ہے اور پھر سعد نے اتنی تعریفیں کی ہیں علینا کی کہ کیا بتاؤں۔“ وہ بے لگانہ بولے جا رہی تھیں۔

”سعد کی باتوں سے تو مجھے لگا کہ علینا مشرقی حسن کا شاہکار ہے، اتنی گرمیوں میں بھی مجال ہے جو روزہ چھوڑ دے، یہ بڑا سادہ پنہ لے کر رہتی ہے اور بھئی کشور بچ بتاؤں امریکہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، کی اگر ہے تو شرم و حیا کی اور بھئی میں تو بڑے بڑے دوپٹے دیکھنے کی حسرت لئے پھرتی ہوں، یہاں جسے دیکھو تو آدھے آدھے کپڑے پہنے گھوم رہا ہے، فیشن کے

ہاں ہم شادی میں دیر نہیں لگائیں گے، بس میرا تو دل کرتا ہے کہ۔۔۔ وہ نجانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں مگر وہ عجیب ہی صورتحال میں گھری ہوئی تھیں۔

”ہاں کشور پھر یونو، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔“ اب ارسلان بھائی بول رہے تھے۔

”علینا راج کرے گی یہاں۔“

”بھئی سعد تمہارے سامنے ہے میری ہر چیز کا اکلوتا وارث اور بھئی لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک ہے میرا بیٹا۔“ بات کر کے انہوں نے قہقہہ لگایا اب کی دفعہ کشور جہاں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئیں۔

”جی جی بھائی جان، بالکل ٹھیک آپ کہہ رہے ہیں، بس اختر صاحب سے مشورہ کر لوں پھر بات کرتے ہیں۔“ انہوں نے سجاؤ سے بات سنبھالی ورنہ دل تو ضد کر رہا تھا کہ ابھی ہاں کر

نام پر چھتھرے تن سے لیٹے بھرتیں ہیں۔“ وہ نہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں اور کشور جہاں کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھیں۔

”گرمیوں کے روزے، طاق راتوں کی عبادت، یہ کب ہوا؟ وہ اتنی غافل رہیں اپنی اولاد سے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ ان کی بیٹی کن سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہے تب ہی یکدم روشنی کا جھماکا سا ہوا، یہ اماں رحمت کا ہی دم تھا کہ ان کی بیٹی کو بھٹکنے نہ دیا ورنہ خدا نخواستہ جس طرح وہ غافل رہیں اگر اماں رحمت بھی علینا پر نظر نہ رکھتیں تو نو جوان لڑکیاں برے اعمال کی طرف بھی متوجہ ہوتے لمحہ نہ لگاتی ہیں پھر علینا تو جس عمر میں ہے وہ تو بے ہی بچی عمر، اگر علینا بھگ جاتی تو۔۔۔“ وہ کانپ گئیں۔

”ارے سن رہی ہو۔“ دوسری طرف سے سلسلی بیگم نے ان کی مسلسل خاموشی محسوس کی تو پکارنے لگیں۔

”ارے دیکھیں لائن تو نہیں کٹ گئی۔“ وہ شاید ارسلان احمد سے کہہ رہی تھیں۔

”نہیں نہیں بھابھی بیگم، میں سن رہی ہوں۔“ ان کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

”کشور سن لو بھئی، علینا میری بیٹی ہے، میں تم سے علینا کو مانگ رہی ہوں۔“ سلسلی بیگم بڑے مان سے کہہ رہی تھیں۔

”ہیں۔۔۔۔۔ بھابھی بیگم۔“ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

”ارے بھئی جیسے ہی سناں تمہارے بھائی کو فرصت ملتی ہے تو ہم لوگ ملگنی کرنے آ جائیں گے، بھئی پہلے ہمیں بھی مغربی دنیا بہت متاثر کرتی تھی مگر جب سے یہاں آئے ہیں تو اس تہذیب کا کھوکھلا پن اچھی طرح واضح ہو گیا ہے، میرا بس چلے تو میں ابھی علینا کو انگوٹھی پہنانے آ جاؤں اور

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

○ اردو کی آخری کتاب،

○ آوارہ لڑکی ڈائری،

○ دنیا گول ہے،

○ ابن بطوطہ کے تعاقب میں،

○ چلتے ہو تو چین کو چلے،

○ گھری گھری پھر مسافر،

○ لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکل روڈ لاہور۔

دیں، مزید تھوڑی دیر بات کر کے انہوں نے فون بند کر دیا، کافی دیر تک وہ گم صدمہ ہی پیشگی رہیں، ان کا دل بولے جا رہا تھا۔

”اماں رحمت نے علینا کی تربیت کی ہے، میں تو کہیں بھی نہیں، اگر ملائی بنا دیا تو کیا ہے، کم از کم اسے بھٹکنے سے تو بچایا اور میں..... میں نے کیا کیا، بچوں کو ملازموں کے حوالے کر دیا، وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میرے بچے نیک لوگوں کے ساتھ رہے تب ہی انہیں خانساں یاد آیا، وہ کیسے رونا رٹا یا سبق پڑھتا تھا ان کے سامنے۔“

”دس بجے بی بی نے اپیل جوس لیا اور ایک بچے لے لی۔“ تو اس کا مطلب ہے کہ سب میری بچی کے ساتھ ملے ہوئے تھے کیونکہ سعد کے مطابق اس نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔“

”اف۔“ انہوں نے صوفے کی پشت سے تکیہ لگالی۔

ان کے موبائل پر پب سٹائی وی، انہوں نے موبائل اٹھایا، پھر ایک طرف ڈال دیا، جاتی تھیں دعاؤں کی درخواست ایک دوسرے سے کی جا رہی تھی مگر دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا، تب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آج ستائیسویں شب ہے عبادت کی رات، یقیناً علینا عبادت میں مشغول ہو گئی، وہ چپ چاپ انہیں اور علینا کے کمرے میں آگئیں، توقع کے مطابق کمرہ خالی تھا، انہوں نے گہری سانس لی اور چپت کا رخ کیا وہاں سے اماں رحمت کا کواٹر صاف نظر آتا تھا، وہ اوپر آگئیں اور دھک سے رہ گئیں، وہ تینوں وہاں موجود تھیں، وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئیں سب سے پہلے اماں رحمت نے سلام پھیرا، کشور جہاں کو دیکھ کر وہ سناٹے میں آگئیں، علینا نے تو کہا تھا کہ ماسو چکی ہیں وہ گھبرا گئیں، اب بیگم صاحبہ بولیں گی، علینا اور مریم بھی

سلام پھیر چکی تھیں۔

”وہ بیگم صاحبہ.....“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا، کشور جہاں کا دل بھرا ہوا تھا۔

”اماں رحمت، اماں جی۔“ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

”اماں جی مجھے معاف کر دیں۔“ وہ اب رو رہی تھیں۔

”بیگم صاحبہ، کیسی بات کر رہی ہیں۔“

”میری بچی کی تربیت آپ نے جتنی شاندار کی ہے، اسوئیں میں آپ کو دیکھی عزت نہیں دے سکی۔“ علینا ہکا بکا تھی۔

”نہ بیگم صاحبہ، پیشیاں تو سب کی ساٹھی ہوتی ہیں، میں نے کوئی انوکھا نہیں کیا۔“ اماں رحمت آبدیدہ ہو گئیں۔

”اماں جی.....“ وہ کچھ کہتے کہتے ہکا نہیں۔

”جی بیگم صاحبہ حکم کرو جی۔“ اماں رحمت نے کہا۔

”اماں رحمت میں..... میں بھی..... آپ کے ساتھ عبادت کر سکتی ہوں۔“ وہ بولیں تو ان تینوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں بیگم صاحبہ، اللہ سوہنترے کا در سب کے لئے کھلا ہے، میں بھلا کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔“ اماں رحمت نے جذب کے عالم میں کہا۔

ذرا دیر بعد کشور جہاں وضو کر کے آئیں، انہوں نے قوم کے ساتھ انتہائی عبادت ترک کر دی تھی اور اس خدا کے سامنے سجدہ ریز تھیں جس نے ان کی بیٹی کو سیدھا راستہ دکھایا تھا اور ان کی غفلت کے باوجود ان کی بیٹی کو بھٹکنے سے بچالیا تھا، آخر سجدہ شکر تو ان پر واجب تھا، علینا کو لگا آج ہی عید ہو گئی ہے۔

۲۲ ۲۲ ۲۲

ماہنامہ حنا (108) اگست 2014

تم ملو تو عیسیٰ ہو



آج صبح سے ابھی خاصی تیز دھوپ نکل ہوئی تھی اور اب دوپہر کے دو بجے تو یہ تیز دھوپ بے حد نوکیلی ہو گئی تھی۔ بدن کو پھینک دیتی ہوئی گہری اور بھس نے بے جا ل کر رکھا تھا۔ وہ کب سے بس اسٹاپ پہ کھڑی تھی۔ یہیں حسب معمول خواب بھری ہوئی تھیں۔ بوریت سے اکتا کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس سے کچھ فاصلے پہ اس کے اسکول کی میڈم صالحہ کھڑی تھیں۔ وہ پچاس برس کی خاتون تھی۔

میڈم صالحہ کا سارا فائوٹلش بہہ کر ان کے چہرے پر عجیب و غریب نقشے بنا گیا تھا۔ آنکھوں کا کاجل پھیل کے چہرے پر سیاہ لکیریں بنا گیا تھا۔ بھاری جسم پر سفید کی چٹکی گہری لال ساڑھی اور سیاہ بلاؤز، گرمی کی شدت سے میڈم صالحہ کا جلیہ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اتنے میں اپنی مطلوبہ بس دیکھ کر اس نے شکر ادا کیا۔ جب ٹھکی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو ظہر کی نماز پڑھتی امی نے سلام پھیرا اور مسکرا کر اس کی تسکین کو کھوئے لگیں۔

”السلام علیکم امی۔“ زویا نے سلام کیا۔
”آگئی میری زویا، پانی لے آؤں؟“ امی نے محبت سے پوچھا۔

”زویا! میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں تم ہانڈی بنا لیا اور عمارہ اٹھ جائے تو فیڈر بنا دینا۔“ اتنے میں بھابھی نے عجلت میں آ کر کہا اور چل دی۔

امی کچھ بولی نہیں تھیں مگر چہرے پہ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔

”تم آرام کرو میں ہانڈی بنا لوں گی۔“ امی نے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ امی میں ٹھکی نہیں آئی میں بالکل ٹھیک ہوں آپ آرام کریں۔“ اس نے زبردستی

مسکراتے ہوئے خود کو فریٹس ظاہر کیا۔
کچھ دیر میں فریٹس کھو کر نماز پڑھی۔ امی اتنے میں بھنڈی، پیاز کاٹ چکی تھیں۔ شکر تھا آٹا فریج میں گوندھا رکھا تھا۔ سالن بنا کے تو بے چہ جلدی جلدی اپنی اور امی کی دو روٹیاں ڈالیں۔ روٹیاں بنا کے برتن رکھے۔ ابھی سلا لقمہ ہی لیا تھا عمارہ کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ عمارہ کو گود میں اٹھایا۔ امی نے فیڈر بنایا۔ عمارہ خاموشی سے فیڈر پینے لگی۔ سکون سے کھانا کھایا گیا۔

”امی! چائے بناؤں؟“ زویا نے پوچھا۔
”نہیں۔۔۔۔۔ رہے دو۔“ انہوں نے ڈالا۔

وہ چائے تھی امی دوپہر کے کھانے کے بعد لازمی چائے پیتی ہیں۔ برتن اٹھا کے کچن میں آئی۔ چائے بننے کے لیے چولہے پہ رکھی اور برتن دھونے لگی۔

”امی! چائے پی لیں۔“ زویا نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ چائے رکھی۔

”بنا چائے مت بناتی ٹھکی ہوئی آئی تھی۔“
”ٹھکن کیسی امی۔“ اس نے پینہ صاف کیا۔

”تم آرام کر لو۔“ امی نے جگہ بتائی۔
”جی۔“ وہ بھی ٹھکی ہوئی تھی۔ جیسے ہی لیٹس لائٹ چلی گئی۔

”اسے بھی ابھی جانا تھا۔“ امی نے افسوس سے کہا۔

گرمی سے برا حال تھا۔ وہ نہانے چلی گئی۔
نہا کے آئی تو بھابھی آچکی تھی۔

”زویا!“ انہوں نے پکارا۔
”جی بھابھی۔“ زویا کمرے سے باہر آئی۔

”یہاں آؤ۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔
وہ صحن میں رکھی چار پائی پہ بھابھی کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

”خیر بڑی تو نہیں ہوں۔ تم سے دو سال چھوٹی ہوں۔“ وہ فوراً جتنا نہیں۔
”میرا مطلب ہے آپ رشتے میں بڑی ہیں۔“ زویا نے رمانیت سے بولی اور اندر آگئی۔

☆☆☆

برتن دھو کے عشاء کی نماز پڑھ کے جیسے ہی فارغ ہوئیں ارمان کی کال آگئی۔ رکی سلام و دعا کے بعد وہ پھر بعد تھا جواب کے لیے۔

”ارمان! میں اپنے گھر والوں کی رضامندی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اگر راضی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ زویا نے سکون سے جواب دیا۔

”مجھے یقین ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ ارمان خوشی سے بولا۔ زویا محض مسکرا کر رہ گئیں۔ جانتی تھی گھر والے بہت خوش ہوں گے۔ ای کو کتنا اطمینان ہوگا۔ پھر آگے کے تمام معاملات آہستہ آہستہ طے ہونے لگے۔

امی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ارمان سے ان کو پیار بھی بہت تھا اور پسند بھی بہت تھا۔ بھابھی بھی بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

کپڑوں کی تہہ لگا کے رکی ٹیوشن پڑھنے والے بجے آگئے۔ انہیں لے کر چھت پہ آگئیں۔ نیچے ان کے شور پہ بھابھی کو اعتراض تھا۔ مغرب سے پہلے بچوں کی چھٹی کر دی۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ کچن میں آئی۔ سالن وہ دن میں بنا چکی تھی۔ بھابھی آنا گوندھ رہی تھی۔ روٹی بھائی کے آلے پہ پھنی تھی۔ رات کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی اور کمپیوٹر آن کیا۔

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں

اگست 2014

”خالہ زبیدہ آئی تھی آج۔ ایک رشتے کا بتایا ہے۔ اتوار کو آئیں گے وہ لوگ۔“ بھابھی نے بتایا۔

”لڑکا کیا کرتا ہے؟“ امی نے سوال کیا۔
”لڑکے کا اپنا ریسٹورنٹ ہے، اچھا خاصا کھانا ہے، اپنا گھر ہے اور کیا چاہیے۔“ بھابھی جوش سے بولی۔

”ایجوکیشن کیا ہے؟“ اس نے ہزاری سے پوچھا۔

”دیکھو زویا! انسان اچھا ہونا چاہیے۔ شریف لڑکا ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ گھر وغیرہ اچھا ہے۔“ بھابھی نے سمجھایا
”بھابھی آپ انہیں منع کر دیں۔“ زویا قطعیت سے بولی۔

”کیوں دماغ خراب ہے تمہارا؟ تم تیس سال کی ہو چکی نہیں ہو۔ کب تک منع کرو گی؟ آج یہ ایک دور رشتے بھولے بھٹکے آ جاتے ہیں۔ کل یہ بھی نہیں آئیں گے۔ لوگ کہیں گے باپ سر پہ تھا نہیں۔ بھائی بھابھی نے رشتہ نہیں کیا۔ بھابھی نے ملازمہ بنا کے رکھا ہوا ہے۔“ بھابھی غصے سے چلانے لگی۔

آنکھوں میں آنسو بوند ہو گئے تھے۔ وہ صحرا کا منظر پیش کرتی تھیں۔ دل میں چیخیں تو ہوئی تھی۔ بھابھی کی باتوں سے مگر چہرے پہ اس کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ بے اثر انداز کے ساتھ وہ تار پر سے کپڑے اتارنے لگی تھی۔

”زویا! میری باتوں کا برا مت ماننا۔ تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔“ بھابھی کو شاید اس کی خاموشی پر ترس آ گیا تھا۔ تب ہی بہت نرم انداز میں بدلیں تھیں۔

”نہیں! بھابھی برا کیا ماننا۔ آپ میری بڑی ہیں۔“ زویا نے جواب دیا۔

ماہنامہ حنا (11)

ہو۔ ہماری زویا نے اردو ادب میں ایم۔ اے کیا ہے۔ زویا میں کس چیز کی کمی ہے؟ خوش شکل ہے، خوش اخلاق ہے، سلیقہ شعار ہے۔" بھائی نے محبت سے اپنی چھوٹی بہن زویا کو دیکھا۔ بھائی کی محبت پہ زویا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ بھابھی البتہ منہ پھلا میں خاموشی سے کھانے میں مصروف رہی۔ اس کے بعد اس موضوع پہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ امی اور بھائی ہلکی پھلکی باتوں میں مشغول تھے۔

زویا نے دسترخوان سمیٹا، برتن دھونے لگی۔ بھابھی بھائی کے لیے چائے بنانے لگی۔ کچن صاف کر کے عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھ کے بستر پہ آگئی، صبح کی انہی ہوئی تھی۔ لیکن نیند آنکھوں سے کبھی دور تھی۔

☆☆☆

زویا کے والد محمد صدیق اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ ان کی بیوی گھریلو خاتون تھیں۔ ان کے دو ہی بچے تھے۔ بڑے بیٹے محمد عمر تھے۔ وہ بھی اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ زویا نے اردو ادب میں ایم۔ اے کیا تھا۔ وہ بہترین اسکول میں میٹرک کلاس کے بچوں کو اردو پڑھاتی تھی۔ ساتھ میں اسکول میں ہونے والی نصابی غیر نصابی سرگرمیوں کی تیاری بھی کراتی تھی۔ زویا بہت دوستانہ مزاج رکھتی تھی۔ بظاہر اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر لحاظ سے اچھی تھی۔ لیکن نبانے رشتے کیوں نہیں معیار کے آتے تھے۔ جبکہ اس کا معیار کوئی بہت اونچا نہیں تھا۔ جو ملنا مشکل ہوتا۔ صرف اتنی خواہش تھی کہ لڑکا پڑھا لکھا، خوش اخلاق، بکھدار، ذمہ دار شریف ہو۔ نبانے پھر بھی ایسا رشتہ نہیں آیا۔ ان کا حلقہ احباب، ملنا جلنا بہت محدود تھا۔ رشتے والی خالہ کو شاید اس کے لیے مناسب رشتے ملتے ہی نہیں تھے اور یوں وہ

تکلیں سکی وہ نگاہ شوق سے دور نہیں، رگ جاں سے لاکھ قریب سکی ہمیں جان دینی ہے اک دن، کسی طرح وہ کہیں سکی

سر طور ہو، سر حشر ہو، تمہیں انتظار قبول ہے وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سکی وہ کہیں سکی نہ ہو ان پہ جو مرا بس نہیں کہ یہ عاسقی ہے ہوس نہیں

میں ان ہی کا تھا، میں ان ہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سکی مری زندگی کا نصیب ہے، نہیں دور، مجھ سے قریب ہے

مجھے اس کا غم تو نصیب ہے، مگر نہیں تو نہیں سکی جو ہو فیصلہ سنائیے، اسے حشر پہ نہ اٹھائیے جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سکی، وہ یہیں سکی

زویا آنکھیں پھاڑے مائیں کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ یہ میل اسے ارمان نے بھیجی تھی۔ "میری آئی۔ ڈی اسے کہاں سے ملی؟" ارمان اس کا اماں زوڈ کزن تھا۔ ملٹی میڈیٹل کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ پڑھا لکھا، بکھدار خوش شکل لڑکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی نہیں تھی۔ زویا میل کزنز سے فاصلے کی قائل تھی۔ ارمان بھی سنجیدہ مزاج تھا۔ خیر سر جھٹک کے وہ کچن میں آگئی۔

بھائی آگئے تھے۔ زویا روٹیاں بنانے لگی۔ بھائی دسترخوان بچانے لگی۔ اور اب برتن رکھ رہی تھی۔ امی سارہ کو لیے بھائی سے آنے والے نئے رشتے کو ڈسکس کر رہی تھی۔

"امی! خالہ زبیدہ سے کہیں کوئی مناسب رشتہ لائیں۔ لڑکا کم از کم پڑھا لکھا اور شریف تو

ماہنامہ حنا (112) اگست 2014

اپنی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالیں

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب

☆ شمار کنندہ

☆ دنیا گول ہے

☆ آوارہ گرد کی ڈائری

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں

☆ چلتے ہو تو چین کو چلئے

☆ گمری ٹری پھر اسافر

☆ خط انشائی کے

☆ ہستی کے اک گوپے میں

☆ چاند نگر

☆ دل ڈال

☆ آپ سے کیا پروہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

☆ قواعد اردو

☆ انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

☆ طیف تر

☆ طیف غزل

☆ طیف اقبال

لاہور: لکھنؤ، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

تیس برس کی ہو گئی تھی۔ امی رات دن نگر مند رہتی
تھی۔ بھابھی بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد
اپنے گھر کی ہو جائے۔

امی آج کل رات دن وظیفوں میں مشغول
تھیں۔ وہ صابر و شاکر تھیں۔ رات کروٹیں
بدلتے نہ جانے کس پہر آنکھ لگ گئی تھی۔ صبح حسب
معمول فجر کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھی، قرآن
پاک کی تلاوت کرنا۔ صبح کا ناشتہ سب کا بھابھی
بناتی تھی۔ زویا ان کی مدد کرتی۔ سب سے ایک
ساتھ ناشتہ کراتے۔ زویا کو بھائی کا لچ جاتے
ہوئے راستے میں اتار دیتے تھے۔ واپسی میں
البتہ وہ بس سے آتی تھی۔۔

اداس دن گزر رہے تھے، بے کیف دن،
بے مزہ شامیں۔ ایک سی یکسانیت، وہ خاموشی
سے اپنے کاموں میں مشغول رہتی تھی۔ اس کی
عزیز بہترین دوست نمراتھی۔ جو شادی کے بعد
گمری لوڈہ داریوں میں مشغول ہو گئی تھی جو بھی
زویا بھی بھار فون کرتی تو کبھی چوہے پہ اس کی
ہنڈی لکھتی۔ کبھی وہ اپنے شوہر کو کھانا دے رہی
ہوتی۔ کبھی بچوں کو نہلا رہی ہوتی۔

☆☆☆

رات کو کپیٹر آن کیا۔ ارمان کی سیل آج
بھی تھی۔ وہ حیران تھی۔ تب ہی اس کے سیل پہ
کال آئی، نیا نمبر تھا۔

”ہیلو!..... جی کون؟“

”میں ارمان بات کر رہا ہوں۔“ اس کا نرم
بوجھل سالیجہ کانوں سے نکلایا۔

”آپ کیسے ہیں؟ ماسوں، مامی کیسے
ہیں؟“ زویا نے پوچھا۔

”ہاں! سب لوگ ٹھیک ہیں۔ آپ سب
کیسے ہیں؟“ اس نے جواباً حال احوال پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ زویا بولی۔

ماہنامہ حنا (113) اگست 2014

دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"زویا! وہ کچھ دیر رکا۔"

"جی کہئے۔" زویا بولی۔

"زویا! میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا۔ اس احساس کو اپنے دل کی تہوں میں اس طرح دبا کے رکھا کہ کبھی تمہیں احساس نہیں ہوا۔ اصل میں مجھ پہ ذمہ داری بہت تھی۔ امی نے صاف کہہ دیا تھا پہلے تینوں بہنوں کی شادی کرو آخر میں اپنی سوچنا۔ کبھی تمہارے کسی رشتے کا سنتا ہوں تو پریشان ہو جاتا۔ تمہیں کھودینے کا احساس میرے دل کی رگوں کو توڑتا محسوس ہوتا۔ بس اب اور نہیں ہونا انتظار ویسے بھی میں فرائض ادا کر چکا ہوں۔ غریب امی ابو کو بھیجوں گا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ حق دق رہ گئی۔

"میں کل دوبارہ کال کروں گا۔۔۔ سوچ لیتا؟" ارمان نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ زویا کے برگ و پے میں ایک عجیب سی بے چینی اتر رہی تھی۔ بلاشبہ ارمان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اس کے آئیڈیل کے معیار پہ پورا اترتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کے تھا۔ یہ احساس بہت خوش کن تھا کہ وہ اک عمر سے اس کی محبت میں جلتا تھا۔ اور وہ بے خبر تھی۔

رات بھر جاگنے سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟" امی ٹکرمند ہوئیں۔

"جی امی بس رات نیند نہیں آئی تھی۔" اس

نے سچائی سے جواب دیا۔

"بیٹا آج چھٹی کرلو۔" امی بولیں۔

"کبھی کبھار بیماری میں انسان چھٹی کر ہی

لیتا ہے۔" امی خفا ہوئیں۔

"امی بیماری میں نہ میں خدا نخواستہ کونسا بیمار ہوں۔" زویا نے جواب دیا۔

"مرضی ہے تمہاری شادی کے بعد بھی تو پڑھانا چھوڑو گی۔" امی بدستور خفا تھیں۔

امی کو خفا کر کے اس کا جانے کا دل نہیں چاہا۔ جانتی تھی وہ ماں ہیں اس کے لیے ٹکرمند ہیں۔

"چلیں امی آج آپ کی خوشی کے لیے میں نے چھٹی کر لی۔" اس نے چادر اتارتے ہوئے بیک رکھا۔

"آج میرے ساتھ اپنے ماموں کے گھر چلوں۔" امی خوشی سے بولیں تو وہ چپ رہ گئیں۔

ارمان کیا سوچے گا۔ کل اظہار محبت کیا آج وہ چلی آئی۔ اسے بہت عجیب لگا۔ لیکن امی کو منع کیسے کیا جائے۔

"امی رمضان قریب ہے ایسے کرتے ہیں آج بازار جاتے ہیں۔ عید میں پہننے کے لیے کپڑے لاتے ہیں۔ پھر سلائی بھی کرنے ہوں گے۔" زویا نے ماموں کے گھر سے پہننے کے لیے کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ بھی رضامند ہو گئیں۔

شام کو بازار میں کافی وقت لگ گیا۔ گھر آتے آتے مغرب ہو گئی۔ نماز پڑھ کے سالن بنایا۔ روٹی بنائی۔

زویا جتنا ارمان کے بارے میں سوچتی اتنا ہی دل الگ کھاتا تھا۔ "محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی" کے مصداق اسے محبت ہو گئی تھی۔

ماہنامہ حنا (114) اگست 2014

برکت کا سماں تھا۔ زویا بھی دل جہی سے عبادت میں مشغول ہو گئی۔ اس عظیم ماہ میں ہر عمل و نیکی کا امیر اور فضیلت بے پناہ تھا۔

ارمان سے بات بہت کم ہوتی دن بھر کام، شام میں ٹیوشن رات میں نماز و ترویج کے بعد وہ فوراً سو جاتی تھی اور تہجد کے وقت اٹھ جاتی۔ تہجد کی نماز اور کچھ دیر تلاوت کے بعد سحری بناتی۔ فجر سے فراغت کے بعد نماز فجر اور تلاوت قرآن کے بعد اسکول کی راہ لیتی۔ سو ایسے میں ارمان بے چارہ ترستا ہی رہ جاتا۔

زویا سارا دن بے حد مصروف رہتی تھی۔ رمضان کا مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ اس کا دل بے حد ادا اس تھا۔ اس مہینے میں ایک خاص رحمت اور سکون محسوس ہوتا۔ دل ہر لمحہ مطمئن رہتا۔ آج چاند رات تھی۔ ارمان اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل خوب صورت انداز میں دھڑک رہا تھا۔

”مبارک ہو چاند نظر آ گیا۔“ ارمان نے قریب آ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔
”خیر مبارک۔“ زویا بے ساختہ بولی
”یہ میری زندگی کی سب سے حسین عید ہوگی۔“ ارمان نے بہت محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”آج ہماری شادی کی ڈیڑھ گھنٹے ہو جائے گی۔“ زویا بے ساختہ نظریں جھکا گئی۔
”میں نیچے جا رہی ہوں۔“ زویا بولی۔
”سنو!۔۔۔ عید مبارک۔“ ارمان مسکرایا۔
زویا کو لگا یہ اس کی زندگی کی سب سے حسین اور یادگار عید ہوگی۔

☆☆☆

زویا اور گھر والوں کے اقرار و رضامندی کے بعد ارمان تو کھل ہی گیا۔

”مجھ سے فون پہ بات کرو میں غیر نہیں ہوں عنقریب ہم انشاء اللہ شرعی اور قانونی رشتے میں بندھنے والے ہیں۔“ ارمان اسے قائل کرتا۔ زویا قائل ہو جاتی۔

وہ اسے بتایا کب کہاں کیسے ان کا سامنا ہوا۔ وہ سہ سہری سی گفتگو، وہ رکی سی ملاقاتیں اس کے لیے قیمتی اثاثہ تھیں۔ اسے سب یاد ہوتا، حتیٰ کہ زویا کے ڈریس کا کلر تھا۔ زویا اس کی محبت پہ حیران ہوتی۔ وہیں خود کو خوش نصیب تصور کرتی۔

☆☆☆

اس کے کہا مجھ سے تمہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا ستاروں کا بھی کو شمار ہے
اس نے کہا کون تمہیں ہے بہت عزیز
میں نے کہا کہ دل پہ جسے اختیار ہے
اس نے کہا کہ کون سا تحفہ ہے من پسند
میں نے کہا کہ وہ شام جواب تک اوجھار ہے
اس نے کہا خزاں میں ملاقات کا جواز
میں نے کہا کہ قرب کا مطلب بہار ہے
اس نے کہا کہ سینکڑوں غم زندگی میں ہیں
میں نے کہا کہ جتنی یہ سانسوں کی مار ہے۔
اس نے کہا کہ مجھ کو یقین آئے کس طرح
میں نے کہا کہ نام مرا اعتبار ہے

محبت کا ننھا سا پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اب دل کی عجب حال تھی۔ رات ہوئی ارمان کا تصور نگاہوں میں آ بستا۔ وہ خوب صورت خوابوں کی دنیا آباد کر لیتی۔ ایسے میں ارمان کا فون آ جاتا تو اس کے ارد گرد خوب صورت رنگ ہی رنگ بکھر جاتے۔

ان ہی حسین شب و روز میں رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ ہر طرف رحمت و

ماہنامہ حنا (115) اگست 2014

رشتہ چکر سنگ بہار

یہ نکل شبنم

سہاگ کی سچ پر بیٹھی دوہنیں آنکھوں میں
ہزاروں خواب سجاتے امنوں بھرا دل لئے تھی
چاہت اور ارمان کے ساتھ اپنے ہمسفر کا انتہ
رکتی ہیں۔
مگر وہ شاید پہلی دوہن تھی جو انتہائی کوفت
اور بیزاری کے عالم میں بیٹھی آنے والے فحش
کے متعلق سوچ رہی تھی۔
اس کے پاس بیٹھی نو عمر لڑکی جو شاید اس ن

کولی سسرالی عزیز تھی اس کی خاموشی پر اکتا کر
باہر چلی گئی، اریب نے اس کے ہر سوال کا جواب
کچھ اتنی برہمی سے دیا تھا کہ بیچاری تھی ہی دیر
بوقت پن سے اس کی شکل دیکھتی رہی تھی، اس کے
جاتے ہی کمرے کی خاموش فضا میں مہیب سی
آہٹ کا احساس چاگا تھا۔
اس نے اپنی بڑی بڑی سحرزدہ کالی آنکھوں
سے مقابلہ کرنے کو دیکھا تو اندر نہیں دل

ناولٹ

کے سٹھ سن پر بیٹھے وجاہت سے بھرپور شخص کی
شبیب چہنچہور ہو رہا تھا۔
اریب کو آج وہ پہلے سے بھی زیادہ برا لگا
تھا، زبان نے محبت پاش نظروں سے اپنی جانب
انھی اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں بھانکا تو ایسا لگا
جیسے کسی مقناطیسی طاقت نے اس کی نگاہوں کو جکڑ
لیا ہو وہ شاکنگ پنک عروسی غرارے میں بیٹوس
اس کے تصور سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔
"السلام علیکم؟" "اے ہم لہجے میں سلام کرتا ہوں
اس کے پہلو میں ٹک گیا اریب بے اختیار ہانکھ دوڑ
ہوئی سلام کا جواب دینے بھی گوارہ نہ کیا۔
کھڑکی میں چور سے دنوں کا پاندہ کچھ افسردہ
ہو۔

"جانتی ہو تم آج پاندہ سے بھی زیادہ روشن
اور حسین لگ رہی ہو۔" زبان نے اس کی تھوڑی
کونری سے چھوتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب





موڑا تو وہ ناگواری سے "اور تم چاند پر گرہن" سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی، زبان نے تعجب سے اس کا انداز نوٹ کیا تھا۔

"مجھے چیخ کرنا ہے۔" آنکھوں میں استفسار تھا زبان نے ڈرینج کی سمت اس کی رہنمائی کر دی وہ کہہ بھی نہ سکا کہ ابھی رک جاؤ ابھی مجھے تمہیں اس روپ میں جی بھر کر دیکھ تو لینے۔"

آئینے کے سامنے جاتے ہی اس نے سارا زیور نوج نوج کراٹا پھینکا اور الماری سے سادہ سا کاشن کا سوٹ نکال کر واش روم میں حس گئی۔ پورا گھنٹہ واش روم میں صرف کرنے کے بعد جب باہر نکلی تو زبان کو اپنا منتظر دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کا خیال تھا کہ وہ اب تک سوچکا ہو گا مگر اس کی بلا سے کوئی سوئے یا جاگے اسے کیا، اب نے نظریں گھما کر بینڈ روم کا جائزہ لیا بینڈ روم کافی کشادہ تھا اسی لئے بیڈ کے دوسری جانب صوفہ رکھ کر اس جگہ کو رگیا تھا۔

وہ بینڈ سے نکلیے اٹھا کر صوفے کی سمت مڑنے ہی والی تھی جب زبان نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی نازک کلائی تھام کر اپنے قریب بٹھالیا۔

"راہی تم اس طرح کیوں کر رہی ہو۔"

"جب میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو آپ نے نکار کیوں نہیں کیا تھا۔" اس کی معصومیت پر وہ خوب لفظوں کو چبا چبا کر بولی تھی۔

"مگر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض کیا تھا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"وہ میں آپ کو ہانا ضروری نہیں سمجھتی۔" کہتے ہی اس نے سر پہ چادر تان لی، اندر سے اسکا

ماہنامہ حنا (118) اگست 2014

دل کھول کر رہ گیا تھا۔ "اوپر اعتراض، موصوف نے شاید کبھی آئینے کو غور سے نہیں دیکھا۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں دل کے آئینے پر اس کا عکس پھر سے جھلکانے لگا تھا، وہ مردانہ وجاہت سے بھرپور شخص کسی پل نظروں سے اوچھل ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا آسمان کی بانہوں میں اونگھتا چاند بھی اسے خود پر ہنستا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا کر اپنی توہین کا بدلہ لے رہا ہو ابھی کچھ دیر قبل اس نے اپنے محبوب کو چاند سے زیادہ روشن اور حسین جو کہا تھا۔

"آہ۔" محبوب کے نام پر دل میں ہوک سی اٹھی تھی، ازب اس کے ماموں کی بیٹی تھی ان کے خاندان میں کزنز سے زیادہ بے تکلف ہونے کا رواج نہیں تھا سوا ایک گریز اور فاصلہ ہمیشہ دونوں کے درمیان حائل رہا مگر ازب کو جب بھی دیکھا اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکنے لگتا تھا یہی وجہ تھی مگر میں جب اس کی شادی کا تذکرہ چلا تو اس نے بلا جھجک ازب کا نام لے لیا، سب نے لاکھ سمجھایا کہ تم دونوں کا جوڑ مناسب نہیں تم دھیمے مزاج اور خاصی سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہو جبکہ وہ تمہارے بالکل برعکس منہ پھٹ، خندی، مغرور اور خود پرست قسم کی لڑکی ہے اور ایک حد تک یہ سچ بھی تھا۔

وہ تین بہنیں تھیں روشنی اور چالا اس سے دو سال بڑی تھیں وہ دونوں جڑواں تھیں پھر ان کے بعد ازب کا نمبر آتا تھا اللہ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا جہاں جاتی مرکز نگاہ بن جاتی لوگوں کی رشک بھری ستاسی نگاہیں قدم قدم اس

ماہنامہ حنا (118) اگست 2014

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالینے

ابن انشا

☆ اردو کی آخری کتاب

☆ شمارندہ

☆ دنیا گول ہے

☆ آوارہ گرد کی ڈائری

☆ ابن بطوطہ کے تقاب میں

☆ جلتے ہو تو چھین کو چلے

☆ عمری گمری پھر اسافر

☆ ہمایوں نامہ کے

☆ لہستان کے آگ کوپے میں

☆ پانڈت

☆ دل ڈال

☆ آپ سے کیا پوچھ

ڈاکٹر مولوی عبدالق

☆ قواعد اردو

☆ انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

☆ طیف نثر

☆ طیف نثر

☆ طیف اقبال

☆ لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7310797-7321690

کا بیچھا کرتیں اور ان کے تو صغی کلمات اپنے بے
مثال حسن کا حق سمجھ کر وصول کرتے ہوئے اس
کی گردن حریت تن جاتی تھی۔

آئینہ دیکھ کر اسے ایک ہی خیال آتا، اس
چہرے کو چاہنے والا خود بھی کسی شہزادے سے کم
نہیں ہوگا۔ اور پھر ایک روز وہ شہزادہ اسے مل گیا
جو اس کے متعین کردہ معیار حسن کے پیمانے پر ہر
حفاظ سے فٹ آتا تھا۔

وہ بدھ کا دن تھا وہ گھر میں اکیلی تھی موسم
بے حد خوشگوار اور آسمان پر چھائے بادل پرستے کو
بے تاب تھے تھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی اس کا
دل پکڑوں کے لے لگایا تو اس نے دروازہ کھول
کر باہر جھانکا کہ شاید کوئی مل جائے۔

اس کے خرگوش موقع غنیمت جانتے ہوئے
اس کے پیروں کے قریب سے اچھلتے ہوئے باہر
لپکے ایک کو اس نے بھاگ کر پکڑ لیا تھا دوسرا
قلا نہیں بھرتا دور نکل گیا وہ اسے پکڑنے کو لپکی اور
پھر ٹھنک کر رک گئی، سامنے لینڈ کروزر سے نکلنے
والا شخص، وہ پلٹیں جھپٹتا بھول گئی تھی اس نے آج
تک کسی مرد کو اتنا خوب نہیں دیکھا تھا۔

”آپ کا خرگوش۔“ دوسرے والا خرگوش وہ
اسے پکڑا رہا تھا وہ تھمتے ہوئے بھی اسے دیکھتی
رہی اس کے پاؤں لب ہاہم پیوست ہی رہے وہ
شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئی، وہ واپس پلٹا وہ کھڑی
دیکھتی رہی۔

یہاں تک کہ بارش کی تیز بوندوں نے اسے
احساس دلایا کہ وہ جا چکا ہے، انہی دنوں پچھو
اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لئے اس کا پرپوزل لے کر
چلیں آئیں تھیں اب بھلا ابا اپنی بہن کو کیسے
ماریں کرتے، جھٹ ہاں کر دی۔

زبان ہنڈسم تھا مگر اسے تو وہ بلیک لینڈ
کروزر والا چاہیے تھا وہ اس سے کم پر راضی ہی

ماہنامہ دنیا (119) اگست 2014

نہیں تھی۔

بہت ہنگامہ مچایا مگر کسی نے ایک نہ سنی تو زبان کا نمبر گھما ڈالا اور وہ اس کی فرمائش سن کر عجیب چوٹیشن میں الجھ گیا تھا پہلے ہی گھر والوں کو بمشکل رضا مند کیا تھا اور اب جبکہ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں تو انکار... کیا معصکہ خیز اور فحشی سا لگ رہا تھا اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی، اس رشتے سے اب انکار کا مطلب تھا کہ اماں بھی اپنے بھائی کو ہمیشہ کے لئے کھودیں اور پھر اس کی موتی صورت اس سے دستبرداری کا تو تصویر ہی محال تھا۔

وہ اس امید پر شاد ہو گئی کہ دوسری جانب سے انکار ہو جائے گا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے جیسے زبان نے تو دل کی تمام تر گہرائیوں سے قبول کیا تھا مگر وہ ایسا کوئی تعلق بھانے کے موڑ میں بالکل بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

شادی کی اگل صبح دروازے پر ہونے والی مسلسل دھتک پر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے آنکھیں ملستے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا گھڑی گیارہ کا الٹی میٹم دے رہی تھی وہ بڑبڑا کر اٹھا تو نظریں صوفے پر نیم دراز وجود سے الجھ گئیں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

"راہی۔" زبان نے قریب آ کر اسے پکارا۔

"کیا ہے؟" وہ اسے سر پہ سوار دیکھ کر جھنجھلائی۔

"اٹھو اور بیڈ پر جا کر سوؤ میں سب کے سامنے کوئی حرکت نہ دیکھوں۔" عجیب عجیب بھر انداز تھا وہ شرافت سے اٹھ گئی مگر زبان کا درست لہجہ اسے بے حد برا لگا تھا، بھابھی ان کے لئے

ناشتہ لائی تھیں وہ فریش ہو کر میز پر آ بیٹھا۔
"ناشتے میں کیا لوگی۔" اس نے خاموش جینھی اریب سے پوچھ تھا۔

"زہر۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔
"وہ اس وقت دستیاب نہیں ہے فی الحال بریڈ اور بٹر سے کام چلاؤ، حلوا پوری بھی اگر کھانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں اور اگر "اس" زہر کے سوا کچھ اور کھانے کو دل چاہے تو بندہ حاضر ہے۔" وہ مسکرایا، جبکہ اریب کے لب بچھنج گئے، مگر مزید بھوکے رہنا بھی ناقابل برداشت تھا۔

"اریب میں نے تمہارا سوٹ نکال دیا ہے تم تیار ہو جاؤ پھر تمہارے گھر والے آتے ہی ہوں گے۔" آیا اس کے لئے بھاری کام والا سوٹ اٹھائے چلی آئیں۔

"سوری آیا آپ نے ناحق زحمت کی ورنہ میں دوسروں کی پسند کی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کرتی۔" ناک سکڑتے ہوئے اس نے باور کرایا اور اٹھ کر الماری کی سمت بڑھ گئی اپنے لئے جوڑا وہ خود منتخب کرنے والی تھی۔

آپا کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی اور پھر وہ ایک جھٹکی ہوئی سی نگاہ زبان پر ڈال کر چلی گئیں زبان نے سرزنش کرنا چاہا تھا۔
"اریب تمہیں آپا سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

"ایسے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے پلٹ کر عجیبی نظروں سے اسے ٹھورا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو اپنے انداز کو بھی اور میرے مطلب کو بھی۔"

"دیکھو مجھے اپنی پرسل لائف میں دوسروں کی مداخلت قطعی پسند نہیں۔"

"وہ دوسرے نہیں میرے گھر والے ہیں۔"
"تو پھر آپ تک ہی محدود رہیں۔" واٹش

ماہنامہ دنیا (1201) اگست 2014

سے ہاتھوں میں چلاتی مجھ کو، میں اس کی پوروں کی خوشبو سے مہک سا جاتا۔
پھر وہ راستہ بھر اس لقم کی مانگ، ہاتھ، پاؤں توڑ توڑ کر جوڑتا رہا۔

☆☆☆

وہ ملری ہسپتال میں ڈاکٹر تھا شادی سے دو ماہ قبل اس کی پوسٹنگ مری میں ہوئی تھی رہائش کے لئے انہیں ایک کالج دیا گیا تھا چھٹیاں ختم ہوتے ہی وہ دونوں لاہور سے مری شفٹ ہو گئے تھے، آج ان کا اس گھر میں پہلا دن تھا۔

رات ہو چکی تھی صبح ڈیوٹی پر بھی جانا تھا اسے کسی کتاب میں گم دیکھ کر وہ سونے کے ارادے سے بیڈ روم میں چلا آیا تھا نیند کی دایوں میں سفر کرتے ہوئے کوئی چیز ٹھک سے اس کے سر پر لگی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کشن اب زمین بوس ہو چکا تھا اور وہ آفت کی پرکالہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔

"اپنا بستر زمین پر لگاؤ۔"

"کیوں؟" اس کا معنی خیز سا سوال اریب کو سر تا پا سلگا گیا۔
"کیونکہ اس گھر میں ایک ہی بیڈ روم ہے۔"

"ہاں اور تمہیں اس بیڈ پہ سونا پسند نہیں تو فرشی نشست تم لگاؤ ورنہ اگر چاہو تو یہاں بھی سو سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" اس نے کہہ کر سر تا پا چادر تان لی وہ کچھ دیر تو کھڑی اسے گھورتی رہی پھر جا کر ساری کھڑکیاں کھول دی کالج کے عقب میں جھرنّا تھا پانی کا شور۔

"کھڑکی بند کرو میں ڈشرب ہو رہا ہوں۔"
چادر پھر سے اتارنا پڑی۔

"تم ڈشرب ہو رہے ہو تو لاؤنج میں سو جاؤ مجھے پانی کی آواز سننا اچھا لگتا ہے۔" مانگیں

روم میں گھس کر اس نے ٹھک سے دروازہ بند کیا تھا زبان کے کان جھنجھٹا اٹھے۔

☆☆☆

بڑی پھپھو کے گھر دعوت تھی زبان شیو کر کے باہر نکلا تو وہ بلیک سوٹ میں بلبوس بالکل تیار کھڑی تھی زبان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آج کالا لباس پہنے مگر جب اس نے فرمائش کی تو سفید لباس کی، جانتا تھا وہ بالکل الٹ کرے گی اور اب حسب خشاء رزالت سامنے تھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ اٹھ آئی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اسے چراتا ہوا اب بالوں میں ہر ش کر رہا تھا خلاف توقع وہ خاموش رہی تھی مگر دل ہی دل میں اچھی خاصی جزیبہ ہوئی تھی، سنکل پہ گاڑی رکی زبان نے دو گھرے لے کر اس کی سمت بڑھائے مگر وہ رخ موڑے بیٹھی رہی۔

"اریب مجھے لگتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہیے ہم دوستوں کی طرح بھی تو بی ہو کر سکتے ہیں نا۔"
"تھوڑا وقت ساتھ گزارنے سے کیا مجھے تم سے محبت ہو جائے گی۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر طر یہ انداز میں گویا ہوئی۔

"آئی ٹھیک۔" وہ گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے مسکرایا۔

"نہور۔" وہ اس کی مسکراہٹ سے چڑ گئی۔
"چلو میں دعا کروں گا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔"
"خوابوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"خواب بھی تو تمہارے ہیں۔" وہ کہاں خاموش رہنے والا تھا اریب نے جھنجھٹا کر سکل نکال لیا اور ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔
"کاش میں موبائل ہوتا، وہ اپنے نازک

جھاتے ہوئے وہ حرے سے بولی تھی، زیان نے دونوں کشن اٹھا کر کانوں پر رکھ لئے۔

☆☆☆

”اب اٹھ بھی جاؤ میں لیٹ ہو رہا ہوں ناشتہ نہیں ملے گا۔“ اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے ٹائی کی ٹاٹ لگاتے ہوئے پر فوم اسپرے کرنے کے دوران کوئی دسویں بار کہا تھا۔ ”دیکھو میں صبح دس بجے سے قبل اٹھنے کی عادی نہیں ہوں اور اسے یہ سمجھنے سنورنے کے امور لاؤنج میں انجام دیا کرو ساری نیند خراب کر دی۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں، زیان نے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کچن میں لاکھڑا کیا، اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر بھرنی گئیں۔

”اگلے دس منٹ تک ناشتہ ریڈی ہونا

چاہیے۔“

”جابل، آوارہ، جنگلی۔“ وہ اپنا غصہ برتنوں کو پٹخ پٹخ کر نکالتی رہی، چائے کا ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے اچھو لگا تھا، بریڈ الگ جلے ہوئے تھے۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ۔“ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

”مجھے ایسا ہی ناشتہ بنانا آتا ہے کہو تو کل سے بنا دیا کروں۔“ اس کی اداکاری قابل دید تھی۔

”نوازش ہے جناب کی۔“ وہ وہی جلے ہوئے بریڈ اور نمک والی چائے پی کر چلا گیا تھا اور اس کا دن بہت بور گزرا، آخر اب کتنا بھی سوتی، ریٹنگ سے لیک لگائے جیل میں بنتی، بگڑتی لہروں کو دیکھتی رہی پھر شاپنگ کا موڈ ہوا تو مال روڈ چلی آئی یہاں اس وقت کافی رش تھا سارے ٹورز وینڈو شاپنگ کرتے ہوئے نظر آ

رے تھے، وہ بھی اسٹال میں لگی رنگرز اور بینڈ دیکھ رہی تھی۔

”ہیلو۔“ تبھی عقب سے کسی نے پکارا تھا وہ پلٹی اور پھر گویا اپنی جگہ مسمرائز ہو کر رہ گئی۔

”ہیلو مس!“ کیا وہ ایک بار پھر سے اس کے سامنے کھڑا تھا حقیقت تھی یا خیال لیکن نہیں وہ سچ میں سامنے ہی تو تھا اپنی سیاہ کالی گھوڑی آنکھیں اس پر جمائے۔

”ہم پہلے بھی مل چکے ہیں شاید، آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔“

”اور آپ نے پہچان لیا مجھے؟“ اس کے لبوں سے بے ساختہ ہی پھسلا۔

”بھلا آپ کوئی بھولنے والی چیز تھی۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”جی۔“ اریب نے آبرو ادا کئے۔

”سوری خاتون۔“ وہ ایک بار پھر ہنسا۔

”ویل میرا نام اریب ہے۔“

”اور میں شہروز حیدر۔“ اس نے اپنا ہاتھ اریب کی سمت بڑھایا تھا جسے ہلکا سا تھام کر اس نے چھوڑ دیا۔

”اگر میں آپ کو ایک کپ کافی کی آفر کرواؤں تو؟“ وہ اتنا ہی مہذب تھا یا مین رہا تھا۔

”تو میں انکار کر دوں گی۔“ وہ شرارت سے بولی اور پھر دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

”نیل کیساتھ آئی ہیں۔“

”نہیں دوستوں کے ساتھ۔“ اس نے روانی سے جھوٹ بولا اور پھر دوبارہ ہنسنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔

”کیا قسمت اس پر اتنی ہی مہربان تھی جو اسے وہ نہ صرف دوبارہ مل گیا تھا بھلا پہچان بھی چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں چاہت کے وہ سارے رنگ بھی تھے جنہیں وہ اپنے خوابوں پر

ماہنامہ (122) اگست 2014

ساڑھی میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھی وہ کوئی ساتویں بار اندر آیا تھا اور وہ ہنوز اپنے بالوں کے ساتھ ہنرد آ رہی تھی۔
"جلدی کرو اریب۔" اب کی بار اس نے

ٹوک دیا۔
"تم بس کھڑے حکم چلا سکتے ہو کہاں بنانے آتے ہیں مجھے ہال، گھر میں اماں بنایا کرتی تھیں اور شادی کے بعد بھابھی؟ دو دن سے یونہی لیٹ کر رکھے تھے اب سلجھے تو بھلا کیونکہ....." تیز لہجہ میں بولتی وہ آخر میں رو ہنسی ہو گئی تھی ہال تھے یہ مصیبت پھر تھے بھی ٹھنکھریا لے، وہ بے شکل اپنی مسکراہٹ چھپاتا قریب چلا آیا۔

"اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔" خلاف توقع وہ خاموشی سے اچھے بچوں کی طرح اس کے آگے اسٹول پر بیٹھ گئی زبان نے پوروں سے پہلے اس کی انجینس سلجھائی تھیں اریب کو عجیب سانس اپنی گردن اور شانوں پر محسوس ہو رہا تھا، ذرا سی گردن موڑی، وہ قریب تھا اتنے قریب اس کا دل دھک سے رہ گیا زبان کا انداز بدل گیا تھا، چند لمحوں کی قربت اسے مدہوش کر گئی تھی۔

"اچھے میزبان ہو تم، ہمیں بلا کر خود غائب۔" وہ سب ایک ساتھ اندر آئے تھے ماحول پہ چھایا نسوں ٹوٹ گیا، زبان نے مسکراتے ہوئے سب کا تعارف کروایا۔

ماریا، کاشف، عرفان اور زوہیب؟ وہ سب کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے ماریا اور کاشف کی پچھلے سال شادی ہوئی تھی، ماریہ کو کاشف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی آج بھی وہ اس کے لئے گھرے لانا بھول گیا تھا، جس پر وہ خفا خفا سی تھی۔

"یار تم تو جانتی ہو میری آج ٹائیٹ ڈیوٹی تھی کتنی مشکل سے اپنی ڈیوٹی ڈاکٹر وحسی کو سونپ

اوڑھ لینا چاہتی تھی۔" وہ خوش تھی بہت خوش۔
گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا پہلا سامنا زبان سے ہوا تھا، وہ ڈائیننگ ہال میں بیٹھا اس کا ٹھنکھریا تھا۔

"کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں کہاں گئی تھی؟" اس کا انداز تفتیشی نہیں تھا مگر وہ خائف ہو گئی تھی وہ زبان سے خائف ہو گئی تھی بھلا کیوں۔

"میں نہیں تھی مال روڈ پر۔" اسے لگا وہ جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔
"اچھا آؤ کھانا کھا لو تمہاری فیورٹ ڈش ہے۔" وہ محبت سے بولا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے میزھیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

"اریب میرا ساتھ دینے کی خاطر ہی رک جاؤ۔" زبان نے یکراں مگر وہ اس کا ساتھ دینے کی خاطر نہیں رک سکتی تھی اسے زبان کا ساتھ قبول ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

"شام میں میرے کچھ دوست ڈنر پر مدعو ہیں ایک تو شادی کی ٹریٹ اور دوسرا تم سے ملنے کی خواہش میں یہ دعوت اربخ کی ہے میں نے۔"
ناشتے کے دوران زبان نے اسے مطلع کیا تھا۔
"تو میں کیا کروں؟"

"تم بس ان کے سامنے اپنے منہ کے زاویے سیدھے رکھنا۔" وہ چپ کر رہ گیا اس کی بے نیازی پر۔

"کوشش کروں گی۔" اس نے شانے اچکائے۔
"گڈ، کوشش ہی منزل کی پہلی میڑھی ہے۔"

وہ متاثر ہوا اور اریب بد مزہ۔

کچھ ڈشز اس نے ہوٹل سے منگوائی تھیں باقی ان میں باریبی کیو کا پروگرام تھا پنک شنون کی

ماہنامہ حنا (123) اگست 2014

"تمہیں کوئی شک ہے۔" زوہیب ڈھٹائی

سے چٹا۔

گھٹار کی مدھم دھن پر وہ دھیرے دھیرے
مگنٹانے لگا تھا۔

محبت تم بھی کرتی ہو

محبت میں بھی کرتا ہوں

مگر بس فرق اتنا ہے

کہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں

کہ اپنے آپ کو بھی بھول بیٹھا ہوں

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور ایسی ہے

کہ میری چاہتوں میں کوئی اور بھی نہیں شامل

تمہارے واسطے بس تمہارے واسطے

ایسی محبت ایسا چاہت ہے

اور اس چاہت میں کچھ اتنا جنوں

کچھ ایسی شدت ہے

کہ میری ذات بھی مجھ سے منہا ہو گئی ہے

جیسے کہ اپنی ذات کی خاطر بھی

میں نے کچھ نہیں چھوڑا

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور اس میں ایسی شدت ہے

کہ میری دھڑکنیں ہر لمحہ کہتی ہیں

مجھے تم سے محبت ہے

محبت تم بھی کرتی ہو

مگر بس فرق اتنا ہے

تمہیں تو صرف اپنے آپ سے ایسی محبت ہے

تمہیں تو صرف اپنی ذات سے اتنی محبت ہے

ذرا فرصت نہیں ملتی تمہیں

میری محبت میری چاہت

میری شدت کی طرف

بس اک نظر بھی ڈال لینے کی

سو میری جان

کر آیا ہوں کہ غلت میں کچھ یاد ہی نہیں رہا۔" وہ
اسے منانے کو بولا۔

"دیکھنا، ایک دن یہ غلت میں تمہیں بھی

بھول جائے گا۔" زوہیب نے مزید اس کے غصے

کو ہوا دی تھی کاشف نے اٹھ کر اس کی گردن

دبوٹائی۔

"ایک بار تیری شادی تو ہو جانے دے

تیرے کارناموں کی فہرست تو بمعہ ثبوت بھابھی کو

رو نمائی میں پیش کروں گا۔"

"کوئی بچائے۔" وہ نیچے سے دہائیاں

دے رہا تھا، عرفان اور زیان نے بچ بچاؤ کروایا۔

دہکتے الاؤ کے گرد بیٹھے وہ سب خوش گپیوں

میں مشغول تھے بارہا کیو کا پروگرام عروج پر تھا۔

"یار جلدی کر دو تمہارے ڈنر کے چکر میں

آج میں نیچ میں گول کر چکا ہوں۔" عرفان

بھوک کا کچا تھا لوگ دن میں تین بار کھاتے تھے

وہ چھ بار کھاتا تھا۔

"میرے بھائی تم نے یہ فاتحہ کا

تمہارا پیٹ تو زوہیب کی سیل بیلا

ہمیشہ خالی ہی رہتا ہے۔" کاشف نے مددنی

جتائی، اریب ان کی ٹوک جھونک کو انجوائے کر

رہی تھی، عرفان نے اٹھ کر گٹارا اٹھالیا۔

"زیان کوئی رنگ ہی جمنا تو مزہ نہیں آ

رہا۔"

"ہاں اس کا وقت کٹ جائے گا۔" کاشف

نے پھر مذاق اڑایا، زیان کی نظر میں اریب یہ جی

تھی اور اب سب اصرار کرنے لگے تھے بمشکل وہ

ایک نظم پر مان گیا تھا۔

وہ سب اس کی شاعری کے دیوانے تھے پھر

آواز بھی اچھی تھی تو اکثر وہ گھیر گھار کر گیت نظمیں

اور غزلیں سنا کرتے تھے بھی تو وہ اکتا کر کہتا۔

"میں کیا تم لوگوں کا ریڈیو ہوں۔"

محبت تم بھی کرتی ہو

مگر بس فرق اتنا ہے

اریب سمیت سب اس کی آواز کے سحر میں
گم ہو چکے تھے۔

☆☆☆

”کہاں تھی تم پچھلے دو روز سے مال روڈ
کے چکر کاٹ رہا ہوں۔“ وہ خفا خفا سا اس کے
سامنے کھڑا تھا۔

”کیوں؟“ عجیب سوال تھا شہروز کھڑا اسے
دیکھتا رہا۔

”کیوں تم میرے لئے دو دن سے خوار ہو
رہے ہو کیا لگتی ہوں میں تمہاری کیا تعلق ہے مجھ
سے۔“ وہ اپنا سوال دو ہزار ہی مگی، شہروز نے اس
کے دونوں بازو تھام لئے، پاس سے گزرتے من
چلنے زور سے سیٹی بجائی تھی۔

”آئی لو یو۔“ اس نے کہہ دیا وہ اس کے
ہاتھ جھٹک کر گھر چلی آئی راستے میں بارش ہو گئی
تھی اس کا لباس بھیگ گیا، کمرے میں زبان تھا۔
”تم؟“ وہ دم بخود رہ گئی۔

”میں ایک فائل بھول گیا تھا وہی لینے آیا
ہوں۔“ کہہ کر وہ اس کے بے حد قریب آن کھڑا
ہوا تھا اریب بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھی
زبان نے اس کی کھائی تھام لی۔

”تم شاید بارش کی وجہ سے ر کے تھے وہ تم
چکی ہے۔“ ہکلاتے ہوئے اس نے کھڑکی سے
باہر جھانکا زبان کی نظریں ہنوز اس کے سراپے
سے الجھ رہی تھی جو بھیگ کر اور بھی دلنشین ہو گیا
تھا۔

”اریب تم مجھ پہ اتنا ستم کیوں کر رہی ہو
بہت محبت کرتا ہوں تم سے، دل کی اتنا گہرائیوں
سے میں نے تمہیں چاہا ہے تم میری چاہتوں کی
انتہا ہو میرے پاس ہو کر بھی تم میلوں دور کھڑی

ہو تمہیں اتنے پاس دیکھتا ہوں تو میرے لئے
فاصلے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے میں اب تم سے دور
نہیں رہ سکتا۔“ اریب کی دھڑکنیں منتشر ہوتی جا
رہی تھیں، کیا دونوں کو آج ہی اظہار کرنا تھا۔

”چھوڑو مجھے۔“ وہ ایک جھٹکے سے اپنی کھائی
چھڑوا کر دور چلی گئی۔

”تم زبردستی مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔“
”زبردستی میں تمہیں حاصل کر سکتا ہوں
راہی، مگر کیا تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تمہیں
زبردستی اپنا نا چاہتا ہوں۔“ وہ ایک پر شکوہ سی نگاہ
اس پر ڈالتا باہر نکل گیا۔

”میرے خدا۔“ اس نے اپنا سر تھام لیا
تھا۔

☆☆☆

صبح سے اس کے کئی میسج آچکے تھے۔
”گڈ مرننگ۔“

”اب اٹھ بھی جاؤ۔“

”کوئی تمہارا منظر ہے۔“

”بس مجھے ابھی کہ ابھی نظر آؤ میں اتنی

خوبصورت صبح کو تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا
ہوں۔“ اور کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے تھی۔

”تم اب سے پہلے کہاں تھی اریب۔“ وہ
پیار کی ادنیٰ ڈھلوان پر بیٹھی تھی اور وہ اس کے
قدموں میں بیٹھا اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔
”ستاروں میں۔“ وہ کھٹکھٹائی۔

”اب سوچتا ہوں کیسے تمہارے بغیر برسوں
سے جی رہا تھا اب تو تمہارے بغیر ایک پل نہیں
گزرتا دل چاہتا ہے بس ہر پل ہر لمحہ تم ساتھ
رہوں۔“

”اچھا۔“ وہ یکدم اداس ہو گئی کیا وہ اسے بتا
دے کہ وہ شادی شدہ ہے اس نے سوچا ضرور مگر
زبان ساتھ نہ دے سکتی۔

”ہاتھ دکھاؤ۔“

”کیوں؟“

”دکھاؤ تو سکی۔“ وہ بغد تھا، اریب نے

دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔

شیراز نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پر ایک خوبصورت سا وائٹ گولڈ کا بریٹ سجا دیا تھا جس کے پھولوں میں ہیرے دمک رہے تھے۔

”ہماری محبت کا پہلا تحفہ۔“

”یہ تو بہت مہنگا ہے میں نہیں لے سکتی۔“

”محبت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا اسے ہمیشہ

اپنے پاس رکھنا۔“ وہ گھر آئی تو روشنی اور اجالا کالج کے باہر منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

”کہاں تھی تم، چانتی ہو دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔“

”اچھا اندر تو آؤ۔“ دونوں سے مل کر وہ دروازہ کھولنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

آج اس کا کس کام میں دل نہیں لگ رہا تھا لاہور سے کال آئی تھی امی، آپا اور بھابھی کا ہر بار ایک ہی سوال ہوتا تھا۔

”بے کوئی خوشخبری۔“ اسے خود بھی بچے کتنے پسند تھے، مگر اریب کا رویہ وہ تو سیدھے منہ بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

”بس بس بات مت کرو مجھ سے روز کے بہانے۔“ ڈاکٹر ماریہ با آواز بولتے ہوئے اندر آئی تو اس کی ابھی بھری منتر سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔

”ماریہ میری بات تو سنو۔“ پیچھے پیچھے ڈاکٹر کاشف تھا اس کو مناتا ہوا۔

”مجھے تمہاری کوئی وضاحت بھری بکو اس نہیں سننی۔“ وہ تڑخ کر کہتے ہوئے اپنی سیٹ سنبھال چکی تھی، کاشف نے مدد طلب نظروں

سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا ماریہ؟“ زبان کو مداخلت کرنا پڑی۔

”اب تم ہی بتاؤ یہ جھوٹا مکار، فریبی شخص معافی کے قائل ہے کہ نہیں۔“

”حدادب لڑکی شوہر ہوں تمہارا۔“

”پتہ تو چلے ہوا کیا ہے۔“ عرفان نے

کاشف کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے

استفسار کیا وہ ابھی ان کے پیچھے ہی آیا تھا۔

”تم تو خاموش رہو، ہماری ناک کے نیچے

عشق لڑایا اس ڈاکٹر احسان رضا کی تک چڑھی

بچی کے ساتھ اور اب آئے ہیں منگنی کا دعوت نامہ

لے کر۔“ توپوں کا رخ عرفان کی سمت مڑ چکا

تھا۔

”اب کوئی الف ایلی تو تھی نہیں جو۔۔۔۔۔“

”ایلی مجھوں کہو کھے لڑکے سب خبر ہے

مجھے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اب کی بار

عرفان کان کھجانے لگا، زبان کو فسی آگئی۔

”اس کو چھوڑو اپنی بتاؤ۔“

”کل رات مجھے فون کیا تیار رہنا ڈنر باہر

کریں گے میں گیارہ بجے تک انتظار کرتی رہی

موصوف ہارہ بجے تشریف لائے اور آتے ہی

”میں بہت تھک گیا ہوں“ کہہ کر چاسوئے اتنا

خراب موڈ تھا میرا اور اس نے منایا بھی نہیں۔“

”ہاں تو رات کے اس وقت تم سے بات

کرنا بھیڑوں کے پھتوں کو چھیڑنے کے مترادف

تھا اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔“

کتنی محبت ہے دونوں میں زندگی سے

بھر پور لوک جھونک، کبھی روٹھنا بھی منانا پسندیلی،

اس نے رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

کاشف نے اس کے بالوں سے کچرا تار دیا

تھا جس پر وہ ہاتھ میں پکڑی قائل اسے مار رہی

”کیوں تمہیں میرا یہ سب کرنا اچھا نہیں

لگ رہا۔“

”مجھے تو روحانی خوشی ہو رہی ہے تمہیں یہ سب کرتے دیکھ کر، پتہ ہے زبان بھائی اس نے کالج جانا ہوتا تھا اور پریڈ پورے گھر میں ہماری لگوا کر کرتی تھی، اجالا میرے کپڑے استری کر دو، امی میرے بال بنادو، روشنی میرا شہ لاؤ، ابو اب جلدی اٹھ جائیں مجھے دیر ہو جائے گی۔“ روشنی باقاعدہ اس کی نقلیں اتار رہی تھی۔

اریب نے چور نظروں سے زبان کو دیکھا وہ ان کی باتوں پر محض مسکرا رہا تھا، وہ مطمئن سی ہو کر کھانے سے انصاف کرنے لگی، ورنہ خدشہ تھا زبان کوئی شکایت نہ کر دے۔

”مگر کچ پوچھو نا اریب تو ساری روٹی تمہارے ہی دم سے تھی، تم ہر وقت کسی نہ کسی بات برای کا میسر گھمائے رکھتی تھی اب تو وہ کسی کو ڈانٹتی تھی نہیں اور اب بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔“ اجالا نے بڑی محبت سے اسے دیکھا تھا اسے بھی ابا بہت یاد آتے تھے۔

☆☆☆

آج اس کا آف تھا سودہ ایک لمبی بھرپور نیند لے کر صبح گیارہ بجے کے قریب بیدار ہوا تھا کھڑکیوں سے پردے ہٹا کر باہر جھانکا تو موسم کی دلقریبی عروج پر تھی مطلع آج صاف تھا ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔

اس کی نظریں آسمان سے بھٹکتی ہوئیں لان میں کھڑی اریب سے جانکر انیں پہاڑ، دادیاں، جہرنے، پھول، جھیلیں وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی آج اس نے پہلی بار ڈیپ فیروز کی رنگ پہنا تھا جس میں اس کی دودھیا شفاف رنگت سونے کی مانند دک رہی تھی، لمبے لمبے گھٹنوں والے بالوں سے بوند بوند برستا ساون

تھی۔

”میں تو کہتا ہوں ماریہ اب کبھی اس سے بات مت کرنا قدر ہی نہیں ہے اسے تمہاری ذرا جو احساس ذمہ داری نام کی چیز ہو جانتی ہو رات دس بجے میں نے اسے کسی لڑکی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے کیفے میں دیکھا تھا مجھے تو لگا تھا کہ تم ہو مگر.....“

یہ کیسے ممکن تھا دونوں کی جنگ میں زویب اپنا حصہ ڈالنے سے محروم رہ جائے ماریہ آنکھیں پھیلانے اسے سن رہی تھی۔

”زویب کے بچے۔“ کاشف کا کرشل کا گلہ ان اٹھایا ہی تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گیا، ڈاکٹر عرفان کو ایمر جنسی کیس آگیا تھا، جبکہ کاشف اور ماریہ کی ٹوک جھونک ابھی بھی جاری تھی، زبان کا دل مزید اداس ہو گیا۔

☆☆☆

”السلام علیکم!“ گھر میں اجالا اور روشنی آئی ہوئی تھیں، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ دونوں استراٹا اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”اور سناؤ کیا حال ہے؟“ وہ وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا، اریب انہیں باتوں میں مشغول چھوڑ کر کچن میں چلی آئی تھی۔

کھانا بنانے اور میز پر لگانے کے بعد اس نے دونوں کو پکارا تھا۔

”اٹھ جاؤ بھئی وہ دوسری بار آواز دینے کی بجائے کھانا اٹھا دے گی۔“ اجالا نے اٹھتے ہوئے روشنی اور زبان سے کہا تو دونوں فوراً اٹھ گئے۔

”اللہ، اریب آج تم ہماری میزبان ہو یقین نہیں آ رہا۔“ روشنی نے اسے چھیڑا تھا وہ مسکرا دی۔

ماہنامہ ستارہ (۱۲۷) اگست ۲۰۱۴

گھاس کی لڑیوں میں جیسے موتی ٹانگ رہا تھا۔

تم جو رنگ پہنو

وہ موسم کا رنگ

تم حسین پھول کو دیکھو

وہ بھی نہ مر جائے

تم جس لفظ پہ ہاتھ رکھ دو

اور روشن ہو جائے

تم ایک بار مجھے ہنس کر پکارو

میری زندگی میں سحر ہو جائے

وہ مہبوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"اٹھ گئے آپ۔" اس کے ساتھ اچالا

کھڑی تھی۔

"صبح سے آپ کا ہی انتظار تھا جلدی سے

تیار ہو جائے اور ہمیں اپنا شہر دکھائیں۔" اور

زیان فوراً گاڑی نکال آیا تھا، مگر عین وقت پہ

اریب نے انکار کر دیا۔

"ہیں کیوں بھئی۔" بس پوچھتے ہی وہ

گئے۔

"سر میں درد ہے۔" وہ بہانہ بنا کر لیٹ گئی

اسے خدشہ تھا کہیں شہر روز نہ مل جائے۔

"کہاں ہو تم؟" اور کچھ دیر بعد اس کا صبح

چلا آیا۔

"میں آن نہیں آ سکتی میری طبیعت ٹھیک

نہیں ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"نہیں پتہ ہو رہا ہے۔"

"اچھا مجھے اپنے کالج کا پتہ بتاؤ میں آ رہا

ہوں۔" اس کے استفسار پہ وہ اچھل کر رہ گئی۔

"نہیں نہیں تم یہاں مت آنا میرے ساتھ

اور بھی لڑکیاں رہتی ہیں۔"

"تو کیا ہوا؟" وہ برا مان گیا تھا۔

"نہیں تم نہیں آؤ گے بس۔" وہ قطعیت

سے بولی۔

"اچھا دو روز بعد میرا ہاتھ ڈے تب میں

کوئی بہانہ نہ سنوں۔"

"دو روز بعد۔" اس نے دل میں سوچا تب

تک تو اچالا اور روشنی جا چکی ہوگی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کہہ کر فون رکھ

دیا اور پھر بیٹھ کر ان پیسوں کا جوڑ توڑ کرنے لگی جو

زیان ہر مہینے اسے دیا کرتا تھا۔

"اریب یہ بدمسلیٹ کس کا ہے۔" میز پہ

برتن سیٹ کرتے ہوئے اچالا ایک ہی زیان کی نگاہ

اس کی کلائی سے ٹکرائی تھی اور وہ ہیروں کا چمکتا

دھماکا بریسلیٹ دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔

"میرا ہے۔" وہ یکدم گھبرا گئی تھی۔

"ڈانٹنڈ ہے۔" وہ مزید حیران ہوا۔

"نہیں یہ تو اسٹیلٹز ہے۔" خود کو لا پرواہ

ظاہر کرتے ہوئے وہ اب پلیٹ میں سالن نکال

رہی تھی۔

"گنا تو نہیں۔" زیان کا دھیان ہنوز

بریسلیٹ میں اٹکا ہوا تھا۔

دو روز بعد اس نے مال روڈ سے شہر روز کے

لئے ایک شرٹ اور ایک کاپر فیم خریدیا تھا اور

اب اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں موجود تھی۔

"پورے تین دن بعد کہیں جا کر اپنی جھک

دکھائی ہے۔" وہ واقعی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ

رہا تھا، اریب کی نظریں جھک گئیں۔

جانے کیسے عجیب سا احساس تھا شہر روز کی

آنکھوں میں جیسے دل میں کہیں پنکیاں لپٹا ہوا

دھماکہ ہوا یا پھر یہ باور کروانا ہو کہ کہاں کس کی

گاڑی میں بیٹھ گئی ہو اور پھر خالی لاؤنج دیکھ کر وہ

شاکہ رہ گئی تھی۔

"ہاں سب مہمان کہاں ہیں؟"

"میں اپنی ہاتھ ڈے صرف تمہارے ساتھ

انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔" شہروز نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"کیا ہوا ڈر کیوں رہی ہو۔"

"میں کیوں ڈروں گی۔" دل و دماغ میں جیسے کوئی سائرن سا بجتے لگا تھا اس نے خود کو بھادور ثابت کرنے کے لئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں وہی تو میں کوئی ڈر کیولا تھوڑی ہوں۔" وہ خواہ مخواہ میں ہنسا۔

"مجھے یہاں کا ماحول اچھا نہیں لگ رہا کہیں اور چلتے ہیں۔" اس نے کہہ کر دروازے کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے شہروز نے اچک کر اس کی کھائی تھام لی۔

"جلی جانا ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا اریب نے جھٹکے سے اپنی کلائی پھڑوانا چاہی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم اتنے خنرے کیوں دکھا رہی ہو یہی تو ہوتا ہے پیار، اس کے لئے تو تم میرے قریب آئی تھیں۔ ریم قریب کی کشش نے ہی تو تمہیں میری جانب متوجہ کیا تھا پھر اب کیا پراہلم ہے۔"

"شہروز۔" وہ محض اتنا ہی بول پائی تھی۔ "یار شاہی تو ہمیں کرنی ہی ہے تو پھر۔۔۔۔۔"

اگلے ہی لمحے اریب نے ایک زمانے دار تھپنر اسے رسید کیا تھا۔ "گھٹیا انسان۔" ساتھ ہی قریب پڑا کرشل کا گھد ان بھی وہ اسے مار چکی تھی، شہروز کے ہاتھ سے اس کی کلائی چھوٹ گئی اور یہی ایک لمحہ اس کے فرار کا سبب بن گیا تھا۔

لیکن اسے راستے سمجھ میں نہیں آرہے تھے، ہلد بازی میں بھاگتے دوڑتے وہ بہت دور نکل

آئی تھی جانے یہ کون سا علاقہ تھا، سانپ کی مانند بل کھاتے راستے، سسنان سڑکیں، پہاڑ، گھاٹیاں، اس پر اندھیرے قدم بہ قدم اجالوں کو نلگتے چارے تھے شام سے رات ہونے والی تھی، وہ جب تھک گئی تو وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر روئے لگی۔

"زیان مجھے لے جاؤ واپس۔" آخری بار وہی فحش یاد آیا تھا اور پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر گر گئی تھی۔

☆☆☆

"اریب اٹھو۔" عالم غنودگی میں اسے احساس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اس پر جھکا اسے پکار رہا ہو، چند لمحوں میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔" سامنے زیان تھا۔

"بخار ابھی باقی ہے۔" تھرما میٹر اس کے منہ میں ڈالنے کے بعد اب وہ اسے چیک کر رہا تھا۔

"یہی تو ہے پیار جس کے لئے تم میرے قریب آئی تھیں۔" لنگھوں کی بازگشت پورے وجود پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہی تھی وہ بے کل سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"تو مس اریب یہ تھا تمہارا آئیڈیل۔" کوئی اس پر زور سے ہنسا تھا اریب نے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے اور زور سے آنکھیں میچ لیں۔

"اب جلدی سے یہ سوپ بچو پھر میں زبردست قسم کا ناشتہ بھی کراؤں گا۔" زیان نے گرم گرم سوپ اس کی جانب بڑھایا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی کٹنی شرافت و پاکیزگی اور عاجز جھٹکتی محسوس ان میں، اس نے وحشت ڈرہ سا ہو کر پیس جھکا لیں دل کی دنیا میں ایک سماطم برپا

ہو چکا تھا، شہروز کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اذیت دینے لگا تھا۔

”یہ بہت اچھا نہیں ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے۔“ زیان نے ایک جھج اس کی جانب بڑھایا، اریب کی آنکھوں میں سگریزے چھپنے لگے۔

”تم ہاسپٹل نہیں آئے۔“ وہ اپنی توجہ ہٹانے کو بولی۔

”اب تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا۔“ وہ برا مان گیا اور اس کا یہ اپنا بیت بھرا التفات ادریب کی بے حس کے احساس کو چھوڑ کر رکھ گیا تھا، گود میں رکھا باؤل پوری قوت سے فرش پر مارتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی۔

”مت کرو مجھ سے اپنی محبت، اس محبت کے قابل نہیں ہوں میں۔“ زبان اپنی جگہ ساکت رہ گیا اسے لگا کہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

☆☆☆

شام میں ماریہ اور کاشف آئے تھے اس کی
خیریت معلوم کرنے، انہیں ہی وہ کل رات سڑک
کنوارے ہوش ملی تھی۔

ماریہ کچھ دنوں سے میکے میں تھی کاشف
اسے لے کر واپس آ رہا تھا دونوں میں حسب
معمول جھگڑا چل رہا تھا۔

وہ خفا ہو رہی تھی، کہ ابھی اسے کچھ دن مزید
رہنا ہے وہ اتنی جلدی کیوں لینے آیا ہے کاشف کی
وضاحتیں۔

”اتنے دنوں سے میں نے ڈھنگ کا کھانا
 نہیں کھایا، کپڑے روز اٹھ کر خود استری کرو، کبھی
 شوز نہیں ملے کبھی ٹائی عائب، جانتی ہو ایک فائل
 ڈسٹنڈ نے کے چکر میں ساری کتابیں بکھر گئی تھیں
 چائے چو لہے یہ چڑھاؤ تو بریڈ جلتے لگتا ہے اسے

ٹوٹر سے نکالا تو چائے ابل کر رہ گئی آلیٹ میں
 نمک تیز..... افیم سوچ نہیں سکتی پوری لائف
 ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔ "کاشف نے بے ساختہ
 اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو اس نے مسکراہٹ
 ضبط کرنے کی کوشش میں منہ گھمایا تبھی اس کی
 نگاہ اس وجود سے ٹکرائی تھی۔

”کاشف گاڑی روکو۔“ بجلت میں اس نے
اسٹیرنگ۔ ہاتھ مارا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ وہ گاڑی روکے بغیر
اطمینان سے بولا۔

”وہاں سڑک پر کوئی تھا۔“
”دیکھ چکا ہوں اور تم جانتی ہو یہ علاقہ کتنا
خطرناک ہے۔“

”ہمیں اس کی ہیب کرانی چاہیے۔“
”جیسے اسی نیکی کا کوئی شوق نہیں جو انا گلے
”بڑ جائے۔“

”شرم کرو ڈاکٹر ہوتے۔“ وہ ذرا جو متاثر ہوئی
 ہو اس کے مصنوعی دھبے۔

”پتہ ہے مجھے۔“ وہ بھی گاڑی چلاتا رہا۔
 ”کاشی پلیرز۔“ وہ اب منت پر اتر آئی تھی۔
 ”افوہ۔“ اسے رو رو کر گھمانا ہی پڑا۔

”یہ تو اریب ہے زبان کی بیوی۔“ مارچ سے اس کی شناخت کرنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آیا تھا۔

"اریب فور یہاں۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے فوراً گاڑی سے اترتی پھر کاشف کے ساتھ مل کر اسے گاڑی میں بٹھاتا۔

”بی بی! تو ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی
ہے زیادہ فکر مندی والی بات نہ ہوتی ہے تم زبان
کے گھر کی سمت چلو۔“ ماریہ نے اسے چیک
کرنے کے بعد کاشف کا ہدایات دیں تو اس نے
سر ہلاتے ہوئے گاڑی زبان کے گھر کی جانب

سالنامہ (130) اکت 2014

موزی۔
وہ گھر کی دہلیز پر بیٹھا اسی کا منتظر تھا آج سے قبل وہ اتنا لیت بھی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج اس کا بالکل لحاظ نہیں کرے گا وہ اس کی دی ہوئی آزادی کا کچھ زیادہ ہی ناچانز قائدہ اٹھا رہی تھی لیکن اسے کاشف اور ماریہ کے ساتھ یوں ہوش و خرد سے بیگانہ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا وہ بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ رات بھر اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھا رہا تھا۔

لیکن اریب کی پاؤں پھینکنے والی حرکت نے جیسے اسے کنگ سا کر دیا تھا اور اب تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بالکل بھی خوش نہیں ہے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے آزاد کر دے گا۔

☆ ☆ ☆
ڈھلتے سورج کی لالیاں شفق میں کھلی رو پہلے سنہری دن کو خیر آباد کہہ رہی تھی وہ کھڑکی سے سر ٹکائے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹنے پرندوں کی قطاریں دیکھنے لگی۔

”مجھے بھی اب لوٹنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت اندھیرا ہو جائے اور اس اندھیری رات کی سیاحی میرے وجود کو چھو لے پھر اس کا لگ کے ساتھ بھلا کون مجھے قبول کرے گا مگر میں اس سے کیا کہوں۔“ وہ بے بسی سے اسٹڈی کے بند دروازے کو دیکھنے لگی اس کے دل کے تمام تر دروازے کھول کر اب خود دروازہ بند کیے بیٹھا تھا۔

اس کا جی چاہا وہ دو کپ چائے بنائے اور زیان کے ساتھ اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ ساری باتیں سنے جو وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور دروازہ

کھول کر اندر چلی آئی، وہ کسی بک کے مطالعے میں محو تھا۔

”کچھ چاہیے۔“ اس نے کتاب کا صفحہ موز کر ایک جانب رکھ دی اور کھل طور پر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”میرا دل نہیں لگ رہا کہیں باہر چلیں۔“

”پہلے تو اکیلے ہی جاتی تھی۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گیا۔

”ہاں مگر اکیلے مجھے راستہ بھول جاتا ہے اور میں اب بھٹکتا نہیں چاہتی۔“ اور وہ اٹھ ہی گیا۔

”باہر بہت سردی ہے کوئی شال اوڑھ لو۔“ ریڈ کلر کے سوٹ میں وہ زیان کو اتنی کیوٹ لگی تھی کہ اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ اس رہنمی لباس اور شغون کے پار یک دوپٹے میں اس کے سوا کوئی اور اسے دیکھے، اریب نے خاموشی کے ساتھ اسکی بات مان لی تھی، وہ حیران تو ہوا تھا مگر خوش فہم نہیں۔

راستہ بھر دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ حائل رہا تھا جسے سنگل پہ کھڑے اس معصوم بچے نے توڑا۔

”صاحب! میڈم کے لئے پھول لے لو۔“ اس کے ہاتھوں میں تازہ کھلے ہوئے موشے کے گجرے تھے کچھ ادھ کھلے گلابوں کی کلیاں تھیں، زیان مبہم سا مسکرا دیا۔

”چھوڑو یا تمہاری میم صاحب کو پھول پسند نہیں ہیں۔“

”پسند گزرتے وقت کے ساتھ بدل بھی تو جاتی ہے۔“ وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی تو زیان نے سارے پھول خرید کر اس کا دامن بھر دیا تھا۔

اریب کو لگا وہ دن دور نہیں جب ان کی خوشبو سے زندگی کا ہر پل صبحے گا اور ساری آرزوئیں کھرجائیں گی۔

کے ایف سی کے شاندار ماحول میں وہ مینو کارڈ ہاتھوں میں لئے، بسٹ پہ نظر دوڑا رہی تھی، جب "السلام علیکم ڈاکٹر صاحب!" کی آواز اس کے کہیں بہت قریب سے ابھری نظریں اٹھا کر دیکھا تو اپنی جگہ پتھر کی ہو کر رہ گئی، وہ زبان سے مصافحہ کرتا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
 "یہ آپ کی....."

"میری مسز ہیں۔" زبان کو نہ چاہتے بھی تعارف کروانا پڑا اریب کی رنگت ہل میں ہلدی کی مانند زرد ہو چکی تھی وہ دو چار باتیں کرنے کے بعد چلا گیا لیکن دھیان اریب میں ہی اٹکا رہا تھا۔

"کون تھا یہ۔" اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

"اس علاقے کے جاگیردار خان ولی احمد کا اکلوتا عیاش رئیس زادہ ہے اور کیا سنگواؤں۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہنے والا تھا جب اریب نے ٹوک دیا۔

"گھر چلیں۔" اور وہ مردانگی سے اسے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ اٹھا تو سب کام ریڈی تھ اسٹری شدہ کپڑے، پالش جوڑے اور ناشتہ تیار، یہاں سے وہاں گھومتی وہ تمام کام جلدی جلدی ختم کر رہی تھی وہ کسی خواب میں گھرنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا بہت اچھا۔

پراٹھا کچھ کچا پکا سا تھا آلیٹ ٹھیک ہاں چائے اچھی تھی وہ منہ کے زاویے بگاڑے بغیر کھا کر چلا گیا۔

اور وہ کتنی ہی دیر بیٹھی اس کی سعادت مندی پر ہنسی رہی برتن اور صفائی سے فراغت کے بعد وہ لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جب فون کی بیل

نے اس کی توجہ کھینچی۔
 "ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری جانب کی آواز سن کر اس کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلدان گر گیا۔

"کیسی ہیں مسز زبان ملک۔" وہ ریسیور کریڈل پہ رکھ کر وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا۔

کل رات بھی اس کے بیل فون میں کال آئی تھی اس نے سم نکال کر موبائل لا کر میں رکھ دیا تھا۔

اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح فون کی بیل پھر سے بجتے لگی تھی اور پھر وہ وقفے وقفے سے سارا دن بجتا ہی رہا آج اسے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا، آنے والے لمحوں میں مجھے طوفان کی آٹھیں اس کا دل ہولا رہی تھی اب جانے کیا کچھ بکھرنے والا تھا۔

☆☆☆

"کیا چاہتے ہو تم آخر مجھ سے۔" تین روز سے یہ بلی چوہے کا کھیل جاری تھا کبھی آنسرنگ پر پیغامات آرہے تھے تو کبھی دن بھر فون کرنا رہتا وہ تنگ آ کر ہیڈ ٹکال دیتی پھر زبان کا مسئلہ ہوتا کہ اگر اس نے گھرنون کر دیا تو اپنی اس حرکت کا کیا جواز دے گی۔

اب بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اور مسلسل چنگھاڑتی اس بیل نے اس کا خون کھول دیا تھا۔

"میں تو بس تمہیں چاہتا ہوں۔" دوسری جانب اس کی بے بسی کا مزہ لیتے ہوئے وہ خوب والہانہ انداز میں بولا تھا۔

"بند کرو بکواس۔" وہ درشتی سے چلائی۔
 "کبھی تو اس بکواس کے لئے دوڑی چلی آتی تھی۔" اس کا طعنے چبھتا ہوا سا لہجہ اریب

ماہنامہ حنا (132) اگست 2014

نے دانت پیٹے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

”تم جیسے آوارہ راہ چلتے پر اعتماد کرنے کی سزا بھگت رہی ہوں۔“

”سزا تو ابھی باقی ہے میری جان۔“

”دیکھو میرا بچہ چھوڑ دو۔“

”چھوڑ دوں گا مگر اک شرط ہے۔“

”مجھے تمہاری کس شرط سے غرض نہیں۔“

”جولوہ ادھورا چھوڑ گئی ہو پس اسے ملل کر

دو۔“ اس کی ڈیماٹھ، ادیب سر تا پاسک انھی۔

”میں کیا تمہیں راستے میں پڑی نظر آتی

ہوں۔“

”تمہیں راستے میں لانا میرے لئے مشکل

بھی نہیں ہے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر خباثت

سے مسکرایا۔

”تم مجھے بلک میل کر رہے ہو۔“

”نہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارے

پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے اب بتاؤ کب آؤ گی

یا پھر میں آ جاؤں ڈاکٹر صاحب تو آج گھر آنے

والے نہیں ہیں۔“ اور ادیب کا سانس گویا اندر ہی

کبھی رک گیا وہ اتنا باخبر تھا کیسے۔

اس نے بھاگ کر ساری کھڑکیاں،

دروازے بند کیے اسی وقت لایٹ چلی گئی تھی وہ

سکڑ سمٹ کر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گئی، کئی بار

زیان کا نمبر لڑائی کیا۔

پھر یاد اپنی مخصوص ٹون میں آپریٹر اپنا پیغام

سنانے لگی تھی۔

”اف میرے خدا۔“ اس نے سر تھام لیا۔

فون پھر سے بجنے لگا تھا اس نے لیڈ نکال

کر پھینک دی، کچھ ہی لمحوں بعد، دروازے پر

بڑی زور کی دستک ہوئی تھی اس نے سر اسیمہ ساہو

کر دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے، دستک لہو پہ لہو

بڑھتی گئی، پھر اس کے ساتھ اک صدا بھی بلند ہوئی۔

”ادیب کہاں ہو تم۔“ اس سے ہلا تک نہ گیا۔

”راہی میں ہو زیان۔“

”زیان! اس کے لب دھیرے سے ہلے

وہ اٹھی اور بھاگ کر دروازہ کھول دیا وہ تاریج

ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

”کہاں تھی تم کب سے، دروازہ بجا۔۔۔۔۔“

دھیان اس کی متورم آنکھوں اور بھیگی بھیگی پلکوں

پہ پڑا تو ٹھنک گیا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”زیان وہ۔۔۔۔۔“ اس سے کچھ بولا ہی نہیں

گیا بے اختیار اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ

پھوٹ کر رو پڑی۔

اس وقت لایٹ بھی آگئی تھی پورا لاؤنج

روشنیوں میں نہا گیا وہ اسے ساتھ لگائے لاؤنج

میں لے آیا صوفے پر بٹھا کر پہلے اس کے آنسو

صاف کیے اور پھر پانی کا گلاس بھر لایا۔

”اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟“

”میں ڈر گئی تھی۔“ اتنے میں اسے بھی خود کو

سنجالنے کا موقع مل گیا تو کسی حد تک سچ بتا دیا

زیان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

”کاش یہ ڈر تمہیں میری موجودگی میں بھی

لگا کرے اسی بہانے پاس تو رہا کرو گی۔“

”زیان۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی۔

”اچھا بھئی اپنے گھر میں ڈرتے نہیں

دروازہ لاک کر لو میں ایک فائل لینے آیا تھا شب

بچیر۔“ ہر وقت اسے احساس ہوا کہ وہ لیٹ ہو رہا

ہے سو فوراً اٹھ گیا۔

”نہیں پلیز تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔“ وہ

اس کے راستے میں حائل ہو چکی تھی۔

(ماہنامہ ہمتا) اگست 2014

”پہلے تو بڑی خوش ہوتی تھی میری غیر موجودگی سے، اب ایسی کیا آقاؤں آن پڑی ہے کہ اکیلے نہیں رہ سکتی۔“ وہ زچ ہوا تھا تھا اس کے بل بلاتے رنگوں سے۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے بس۔“

”ضروری کیس ہے میں لیونٹیں لے سکتا، چلو تمہیں ماریہ کے ہاں ڈراپ کروں ڈاکٹر کاشف بھی آج ہیٹ ڈیوٹی پر ہے تمہیں صبح واپس پک کر لوں گا۔“

☆☆☆

ماریہ کے گھر وہ آج پہلی بار آئی تھی وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ویسے بھی وہ مزاجا کافی باتونی اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

ارباب کا دل بہل سا گیا مگر فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا وہ کب تک خود کو یوں دبا سکتی تھی۔ اس نے اپنا سیل فون چیک کیا رات سے اب تک کوئی فون یا ایس ایم ایس نہیں آیا تھا۔

شدید حیرت کے ساتھ ساتھ ایک اطمینان سا اس کے اندر اترنا یکدم اسے پرسکون سا کر گیا تھا اسی طرح دو دن گزر گئے اور پھر ایک ہفتہ، شہروز نے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اسے لگا وہ اسے بھول چکا ہے، مگر یہ اس کی بھول تھی۔

ہلہ ہلہ ہلہ

”کھانا تو دھیان سے کھاؤ۔“ زبان کب سے اسے دیکھ رہا تھا وہ بے دھیانی سے پلیٹ میں پیچ چلاتی جانے کن خیالوں میں گم تھی جن کا محور کم از کم وہ تو نہیں تھا یہی سوچ کر وہ چ گیا۔

”ہاں..... اچھا۔“ وہ چونک کر سیدھی ہوئی کھانے سے اس کا من اچاٹ سا ہو گیا، وال کلاک کی جانب نظر اٹھی تو دوپہر میں شہروز سے ہونے والی ٹڈ بھیر یاد آ گئی۔

”گاڑی میں بیٹھو۔“ وہ اسٹور سے کچھ ضروری اشیاء لے کر باہر نکلی تھی جب بلیک لینڈ کرؤزر کے ٹائر اس کے قریب آ کر چڑچڑائے اور اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر وہ جس استحقاق بھرے انداز میں بولا تھا اس پر وہ اپنی جگہ کھول کر رہ گئی تھی، پھر لب کھلتے ہوئے قدرے رساں سے بولی۔

”دیکھو میں مانتی ہوں میری غلطی ہے مجھے تم سے دوستی نہیں کرنی چاہیے تھی مجھے اپنے اس عمل پر افسوس ہے اب تم پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

”تمہارے افسوس کرنے سے اب کیا ہوتا ہے جو بھول تم کر چکی ہو اس کا خیارہ تو اب بھگتا ہی پڑے گا آج شام آٹھ بجے مال روڈ پہ تمہارا دیت کروں گا اگر تم نہ آئی تو یاد رکھنا پھر میں آؤں گا۔“ کہہ کر وہ زن سے گاڑی بھاگ لے گیا تھا۔ سات بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے وہ برتن اٹھا رہی تھی مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور جسم بالکل ٹھنڈا پڑا ہوا تھا وہ برتن واپس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔

بس چند لمحوں اور پھر گویا کہ قیامت آنے والی تھی وہ بیٹھ کر دس منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگی، پھر زبان کو دیکھا وہ کوئی فائل کھولے بیٹھا تھا تک، تک کی آواز کے ساتھ وقت گزر رہا تھا اور پھر ہی مسافت بھی سمٹ ہی گئی، آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ڈور بیل بج اٹھی تھی زبان اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ چکا تھا وہ اٹھی اور زبان کے پیچھے ہی چلی آئی، زبان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہو گئی سامنے شہروز کھڑا تھا۔

”تم یہاں۔“ زبان نے حیرت بھری سوائل نظروں سے اسے دیکھا۔

ماہنامہ حنا (134) اگست 2014

آئی تھی اریب اسے اتنی صبح صبح دیکھ کر حیران تو ہوئی مگر ظاہر نہ کیا۔

”آؤ ماریہ بیٹھو۔“ اریب نے اسے لاؤنج میں بٹھایا۔

”ناشتہ کرو گی۔“ برتن اٹھانے سے قبل اس نے ماریہ کو دعوت دی اور پھر اس کے انکار پر بغیر ناشتہ کیے پھیلاوا سیٹنے لگی۔

”یہ سب بعد میں کرنا پہلے یہاں آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔“ اس کا غیر معمولی انداز اریب کو چونکا گیا تھا، وہ برتن وین چھوڑ کر اس کے قریب آن بیٹھی، ماریہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اریب کیا تم زبان کے ساتھ خوش نہیں ہو۔“ وہ بغیر کسی تہید کے گویا ہوئی، جبکہ اس اچانک اور قدرے غیر متوقع سوال پر وہ الٹا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”آج صبح زبان آیا تھا ہسپتال، بہت ڈسٹرب لگا مجھے، میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتا دیا کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو اور وہ تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہے آج اس کی وکیل صاحب کے ساتھ میننگ ہے وہ طلاق کے کاغذات تیار کروانے گیا ہے۔“ ماریہ کے انکشاف پر وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

”ماریہ کیا تم اس کے وکیل کو جانتی ہو۔“
”میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتی مگر ایڈووکیٹ اعتشام رضا میر کے ساتھ اس کی ابھی علیک سلیک ہے شاید وہ اسی کے پاس گیا ہو۔“
”تم میرے ساتھ چلو گی۔“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ہی کہا تھا۔

ماہنامہ حنا (135) اگست 2014

”ہاں میں تمہاری بیوی کا یہ پریسیلیٹ لوٹا نے آیا ہوں جو وہ غلطی سے میرے بیڈروم میں بھول آئی تھی۔“ اریب کی جانب استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ زبان سے مخاطب ہوا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ کھول کر اس پر پریسیلیٹ رکھا اور چلا گیا۔

”گنڈ نامیٹ اریب! تمہارے ساتھ گزرا وقت ہمیشہ یاد رہے گا۔“ جانے سے پہلے وہ پھر پلٹا اور جیسے اس کی بے بسی کا مکمل لطف لیتے ہوئے بولا۔

زبان ساکت سا کھڑا بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اریب کا جی چاہا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سا جائے نظروں سے گرنے کا احساس کس قدر جان لیوا ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جب نظروں میں بے رہنے کا ارمان دل میں جاگزیں ہو جائے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

”زبان!“ اریب نے پکارنا چاہا مگر الفاظ حلق میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

☆☆☆

وہ رات بھر گھر نہیں آیا تھا اریب کی نظریں دروازے پر لگی رہیں رات بھر وہ لٹکوں کو توڑ توڑ کر جوڑتی رہی مگر ایسا کوئی متن وضاحت دلیل تیار نہ کر پائی جس سے زبان کی بدگمانی دور کر پاتی۔

اگلے روز وہ آیا اور آتے ہی بیڈروم میں چلا گیا وہ اٹھ کر اس کے لئے ناشتہ بنانے لگی دس منٹ میں تیار ہو کر پیچھے آیا تھا اریب کو اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ اس پر اس میز پر سبجے لوازمات پر اکٹھا غلط ڈالے بغیر باہر نکل گیا۔

زبان کے ٹکٹے ہی دس منٹ بعد ماریہ چلی

”ہاں کیوں نہیں۔“

☆☆☆

”یہ رہے تمہارے کاغذات۔“ استغاثہ نے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا شانہ ہولے سے دبایا۔

”زیان ایک بار پھر سوچ لو۔“ اور وہ اب سوچتا ہی تو نہیں چاہتا تھا اس نے خاموشی سے پن نکالا اور کاغذات کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے پہلے صفحے پر سائن کر دیئے پھر دوسرے اور تیسرے پر اس کا قلم چلنے ہی والا تھا جب دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا اور اربیب کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

اس نے آتے ہی طلاق نامہ اس کے ہاتھ سے لے کر ککڑے ککڑے کر کے ہوا میں اچھال دیا۔ استغاثہ رضا میراثہ کرچیمبر سے باہر چلا گیا، اب کمرے میں دونوں اکیلے تھے۔

زیان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ایک دم بھڑک کر اٹھی تھی۔

”پہلے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تم نے زبردستی مجھے اپنایا اور اب جب میں نے تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں تو تم مجھے جھوٹا چاہتے ہو سمجھتے کیا ہو تم خود کو جو تمہارے دل میں آئے گا تم کرتے پھر دو گے ہر بار تمہاری من مانی نہیں چلے گی کچھ فیصلے تم نے اپنی مرضی سے کیے تھے اب کچھ فیصلے میری مرضی سے ہوں گے۔“ طیش کے مارے اس نے زیان کا گریبان پکڑ کر بھنجوڑ ڈالا وہ اسے اس وقت اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی، زیان نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا کر جھٹک دیئے۔

”تم نے جو کیا وہ قابل معافی نہیں ہے۔“ ”میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے تم سے محبت کی ہے باقی جو سب تھا وہ ایک سراب تھا

جس نے مجھے اپنے فریب میں الجھا لیا تھا مجھے پلیز معاف کر دو میرے قدم ہٹکے ضرور تھے مگر لڑکھڑائے نہیں، وہ شخص مجھ سے بدلہ لینے کی خاطر جھوٹ بول رہا تھا وہ بریسلٹ میں خود اس کے منہ پر مار کر آئی تھی اس سے قبل کہ میں تمہاری جانب لوٹ پاتی اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔“ دھیرے دھیرے اس نے زیان کو سب بتا دیا تھا زیان نے نکلی سے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

”اور تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا جب وہ بریسلٹ لوٹا نے آیا تھا تو میں کتنے ہی مل تمہارے سامنے بٹھکر کھڑا رہا کہ تم اس کی جگہ اس کو بھلاؤ گی، اپنی صفائی میں کچھ کمی ہو گی مگر تمہاری خاموشی.....“ اس نے ایک مل کو توقف میں اس کے صلیبے کا جائزہ لیا متورم آنکھیں زرد پڑنا چہرہ الجھے بھرے بال اس کا دل کٹنے لگا تھا۔

”تمہاری خاموشی نے ہی مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا مجھے لگا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں رابی، تم مجھے اداس اچھی نہیں لگتی۔“ اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیا لے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ رو پڑی۔

”بہت بری ہوں نا میں۔“

”نہیں بہت زیادہ تو نہیں ہاں مگر تھوڑی سی وہ بھی روتے ہوئے۔“ وہ مصنوعی سنجیدہ تھا اربیب روتے ہوئے ہنسنے لگی والپسی کا سفر بے حد خوشگوار تھا اور کیوں نہ ہوتا پت جھڑنے آتی ہوئی بہار کو خوش آمدید کہا تھا، اب خزاں ان کی زندگی سے رخصت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ماہنامہ حنا (136) اگست 2014

عید مسکین



نہیں مگر وہ اپنی کوفت اور بیزارگی کو بھی کوئی معنی نہیں دے پا رہی تھی اب بھی نہ جانے اس پر کیوں جھنجھلاہٹ سی طاری ہونے لگی تھی جی چاہا کہ پناخ کر جواب دے دے کہ انہم کو لگائے ان فضول کاموں میں مجھے افطاری بھی بنانی ہے مگر وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی۔

”امی یہ تو دو سوٹ ہیں شاید ایک انہم کا ہے۔“ ایک شاپر تھامے وہ ان کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔

”ہوں دیکھو تو کون سا دوپٹہ اچھا لگ رہا ہے۔“ انہوں نے سوٹ کے ساتھ دونوں دوپٹے لگاتے ہوئے پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

”مجھے تو یہ سبز والا اچھا لگ رہا ہے۔“ رانیہ نے دونوں کو دیکھتے ہوئے آخر کار اپنی پسند بتا دی۔

”لو بھئی شریا بیگم بیہو رانی نے اپنی پسند بتا دی، کب سے انہیں پڑی تھی تم دونوں دوپٹوں کے درمیاں یہ دوپٹہ میں ایک اور بیگم صاحبہ ہیں ان کو دے دوں گی انہوں نے ایسا ہی رنگ کرنے کو کہا تھا۔“ کب سے خاموش بواجی بھی بول انہی اور جانتی رنگ کے دوپٹے کو شاپر میں ڈالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھیک ہے رانیہ تم جاؤ تیاری کرو افطاری کی، بوا یہ دوپٹہ بھی رہنے دو کیا خبر زارا کو یہ والا پسند آجائے اور آج کل کی لڑکیوں کی پسند بھی خوب ہے۔“

جانی ہوئی رانیہ نے جب پیچھے سے ان کی بات سنی تو اس کی کوفت و بیزارگی غصہ میں ڈھل گئی جب پسند زارا ہی نے کرنا ہے تو اس کا وقت ضائع کرنے کا مقصد کچن میں آکر اس نے اپنا غصہ برتنوں کو شیخ کر نکالا لیکن اس سے بھی فرق نہ پڑا تو اس کا دل بھر آیا جی چاہا بلند آواز میں رونا

”رانیہ دیکھو ذرا یہ رنگ کیسا رہے گا؟“ انہوں نے کچن میں افطاری کی تیاری کرتی رانیہ کو آواز دی اور رانیہ بس اک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی، گرمی کے روزوں میں افطاری کی تیاری ویسے ہی بے جان اور بے حال سی ہو جاتی وہ اوپر سے وقت بے وقت ہر کسی کی پکار۔

”رانیہ!“ اب کی بار انہوں نے بلند آواز سے پکارا تھا۔

”جی آئی۔“ رانیہ جلدی سے باہر آئی۔

”بواجی دوپٹے ڈال کر والائی ہیں زارا کے سوٹ کے ساتھ یہ والے سجے گا یا پھر یہ؟“ قریب آتی رانیہ کو دیکھ کر انہوں نے ایک ہاتھ میں سبز اور دوسرے میں جانتی دوپٹہ رانیہ کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

”کون سے سوٹ کے ساتھ امی؟“ اپنی بیزارگی کو چھپاتے ہوئے اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

”ہائے ہائے بھول گئی ابھی کل ہی تو تم لوگ لے کر آئی تھیں میں نے فون پر بتا دیا تھا بواجی کو اور رانیہ کے ہاتھ سوٹ کی کٹرن بھجوا دی تھی اسی لئے فوراً رنگ لائی ہیں۔“ انہوں نے جلدی سے رانیہ کو یاد دلانا چاہا۔

”اچھا ایسا کرو وہ کل والے شاہجک بیگم میں سے سوٹ نکال لاؤ بیچ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔“ خاموش کھڑی رانیہ سے انہوں نے کہا اور رانیہ کوفت زدہ ہوئی ان کے کمرے کی جانب بڑھ گئی کچھ دنوں سے اس گھر میں جاری ایک سرگرمی نے اسے نہ صرف بیزار کر ڈالا تھا بلکہ وہ کچھ بدگیاں سی ہوتی جا رہی تھی ان سب کی محبت سے بلکہ سچ کہو تو وہ اپنے احساسات کو صحیح نام ہی نہیں دے پا رہی تھی، باہر اس نے خود سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ زارا سے حسد کر رہی ہے لیکن ایسا

شروع کر دیے مگر یہ سراسر حماقت ہوتی جسے وہ ہر گز نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی آنکھیں پھر بھی نم ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”بھابھی آج افطاری کی تیاری ابھی کر لیتے ہیں پھر آرام سے شاپنگ پر چلے گئے ورنہ اتنے دنوں سے صبح شاپنگ ہی نہیں ہو پارہی ایک دو چیزیں خرید کر گھر بھاگنے کی پڑی ہوئی ہے کہ جا کر جلدی سے افطاری کی تیاری کریں اور آج جائے گئے بھی حامد بھائی کے ساتھ یہ اصغر تو جلدی مچائے رکھتا ہے۔“ انہم نے لاؤنج میں ایک صوفے پر خاموش بیٹھی رانیہ کو آج کا پروگرام بتایا۔

”ارے میں کیوں بھئی؟ سنڈے تو آرام کرنے دو۔“ حامد جو پاس ہی دوسرے صوفے پر بیٹھا اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا انہم کا پروگرام سن کر جلدی سے بول اٹھا۔

”ارے نہیں بیٹا آج واقعی تم نہیں شاپنگ پر لے جاؤ اور یہ کام نمٹا ہی دو، روز روز ٹکنا دشوار ہے پھر عید سر پر آگئی ہے زارا کی پہلی عید اس کے میکے سے جانی ہے اس سفر کے کو تو اب سر کر ہی ڈالو۔“ ثریا بیگم بھی جلدی سے بول اٹھیں۔

”تم تو جانتے ہو زارا کی ساس ذرا تک جڑھی ہیں ہر بات میں اعتراض نکال لیتی ہیں، مجھے رانیہ کی پسند پر بھروسہ ہے کپڑے تو آگئے ہیں بس آج یہ اوپر کی چیزیں چوڑیاں، مہندی وغیرہ سب خرید لائے تو کل ہی اس کی عید روانہ کروں یہ پہلی عید ہے میری بچی کی اپنے سسرال میں اور یہ پہلی عیدی اس کی میکے سے جانی ہے کوئی کسر باقی نہ رہے بیٹیاں جب بیابھی جائے تو میکے سے آئی والی عید شب رات کا انہیں انتظار رہتا ہے اس میں انہیں اپنے میکے کا پیار اور مان

محسوس ہوتا ہے اور سسرال میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ایسے ہی لاوارث وہ وہاں نہیں پڑی ہوئیں ان کی خیر خبر رکھنے والے پیچھے موجود ہیں جن کا میکہ نہیں ان کا میکہ نہیں۔“ ثریا بیگم نے بات بڑھاتے ہوئے کہا اور آخری چند جملے سن کر رانیہ کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جائے اور کمرے میں آ کر دھاڑیں مار مار کر روئے اسے ان کی باتیں تکلیف پہنچا رہی تھیں مگر وہ صحیح طرح سے فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ وہ یہ سب اسے جان بوجھ کر سنارہی ہیں یا پھر ایسے ہی روانی میں کہہ جاتی ہیں۔

”اور تمہارے ڈیڈی نے بھی خاص طور پر زارا کی عید کے لئے علیحدہ سے پیسے دیئے ہیں کہ یہ اس کی پہلی عید جانی ہے بہت خاص اور بہترین ہوئی چاہیے، سسرال میں ٹاک لو نچا ہو جائے، رانیہ جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ آج افطاری میں دیکھ لوں گی آج یہ عیدی کا سارا کام نمٹا ہی آؤ۔“ ثریا بیگم نے رانیہ کو کہا جو دھواں دھواں چہرہ لئے فوراً اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کر کے روٹی چلی گئی۔

یہ اس کی بھی سسرال میں پہلی عید تھی زارا اور رانیہ کی شادی ایک دن کے فرق سے ہوئی تھی رانیہ نے اپنی ساس جو اور خلوص بھری فطرت سے سسرال میں ایک خاص مقام بنایا تھا اس کے سسرال والے بھی بہت اچھے تھے سب ہی بہت اچھے طریقے سے پیش آتے تھے لیکن اب جب سے رمضان شروع ہوا تھا رانیہ کو لگنے لگا تھا کہ وہ چاہے کچھ بھی کرے کتنی بھی محنت کرے جی جان سے سب کے کام کرے خلوص اور محبت سے رہے سب کا خیال کرے وہ اس گھر کی بیٹی ہر گز نہیں بن سکتی رہے گی تو بہو ہی اس کی ساس سر نند انہم اور دیور اصغر جو ہر وقت اس کا دم بھرتے

ماہنامہ سنا (139) اگست 2014

اگر سب کے ساتھ خلوص سے پیش آتی تھی تو وہ بھی اس کے خلوص کی قدر کرتے تھے مگر اب جو کچھ اس گھر میں ہو رہا تھا اس سے رانیہ کو دکھ پہنچا تھا۔

”ہونہہ ویسے تو یہ زارا اور انعم ہمیشہ کہتی ہیں کہ ہمیں نندیا مت سمجھے ہم آپ کی بہنیں ہیں اور امی جی کہتی تھی کہ میں ساس نہیں ماں ہوں مگر اب کیسے مجھے میکے کے نام پر طعنے مل رہے ہیں یہ اصغر جو مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح پیارا ہے ان میں سے کسی نے ایک عید کارڈ تک مجھے دینا گوارا نہیں کیا کیسے اس دن سب کزنز کے لئے دوستوں کے لئے اور زارا کے لئے اپنا اپنا کارڈ خرید رہے تھے میرے لئے ایک کارڈ تک عیدوش کا نہیں خرید سکے کچھ یہ سسرال سسرال ہی ہوتا میکے بھی نہیں بن سکتا اور تیرا تو ہے ہی نہیں آپ نے بھی بس فون پر رمضان کی مبارک باد دے دی اور کام ختم۔“ رانیہ نے دلگرجی کے ساتھ سوچتے ہوئے بازار جانے کی تیاری کی۔

☆ ☆ ☆

”انعم، یہ پیسے زیادہ بن رہے ہیں بلکہ ڈبل ہم نے اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں؟“ رانیہ نے کالینکس کی ایک بڑی دوکان پر خریداری کرنے کے بعد کاؤنٹر پر بل بنا دینے پر پچھے کھڑی انعم سے پوچھا۔

”نہیں بھابھی زیادہ نہیں کچھ میں نے اپنے لئے بھی شاپنگ کی ہے زارا آپنی کی عید کی شاپنگ کے ساتھ۔“ انعم نے جلدی سے جواب دیا اور کاؤنٹر پر پڑے شاپر اٹھا کر دوکان سے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

”اب چوڑیاں اور جوتی رہ گئی ہے، شکر ہے آج ساری شاپنگ ختم ہوئی۔“

انعم نے پیچھے خاموشی سے آتی ہوئی رانیہ کو

تھے جب سے زارا کو پہلی عیدی بھجوانے کا ذکر گھر میں شروع ہوا تھا رانیہ تو جیسے ایک کونے میں کر دی گئی تھی حالانکہ ہر چیز اس کی پسند سے لائی جا رہی تھی مگر اسے لگنے لگا یہ سب اسے جتایا جا رہا ہے ان سب کا رویہ اسے دکھ دے رہا اور حامد جو کہ رانیہ کا شوہر تھا اور پورے گھر والوں کے ساتھ اتنے خلوص اور چاہت سے پیش آنے پر ہمیشہ رانیہ کی تعریف کرتا تھا اس تک نے جیسے رانیہ کو فراموش کر دیا تھا کسی نے تو کیا خود حامد نے بھی ایک بار رانیہ سے نہیں کہا تھا کہ وہ بھی اپنی پہلی عید کی خوب شاپنگ کرے بس ایک بار سرسری سا پوچھا اور رانیہ نے یونہی کہہ دیا کہ ابھی اس کے پاس نئی شادی کے سنے جوڑے پڑے ہیں انہیں میں سے کوئی پہن لے گی تو حامد نے اصرار کرنے کی بھی دوسری بار ذکر تک نہیں کیا اور یہ سب اسی وجہ سے تھا ناں کہ اس کا میکے نہیں تھا اور آج تو ہاتوں ہی ہاتوں میں ثریا بیگم نے اسے اس کی اوقات بتا دی تھی رانیہ کا دل بے حد افسردہ تھا روزے بھی بس اس سے گزر رہے تھے اور چند دن بعد آنے والی عید کا بھی اسے کچھ خاص انتظار نہ تھا وہ دن کے روپوں سے بددل اور ہزار ہو گئی تھی اسے اپنے امی ابو کی بہت یاد آ رہی تھی ابو تو اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور امی ایک سال قبل وہ وہی بہنیں تھیں بڑی بہن بیاہ کر تین سال قبل کینیڈا جا بسی تھی بس امی کے انتقال پر آ کر مہمٹ پٹ اس کی شادی کر کے وہ واپس جا چکی تھی اس کے سسرال کے توسط سے ہی حامد کا رشتہ آیا تھا چھان بین کر کے رانیہ کی آپنی کو یہ رشتہ نعمت خداوندی لگا تھا بھی اس کی مہمٹ پٹ شادی کروا کہ وہ آرام اور سکون سے کینیڈا روانہ ہو گئی تھیں اور تقریباً ایک سال میں رانیہ کو اپنے سسرال والوں سے بھی شکایت نہیں ہوئی تھی وہ

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالینے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ۱۰۰

خوار گندم ۱۰۰

دنیا گول ہے ۱۰۰

آوارہ گرد کی ڈائری ۱۰۰

ابن بلوط کے تعاقب میں ۱۰۰

چلتے ہو تو چھین کو چنے ۱۰۰

نکری نوری پھر امسافر ۱۰۰

خط انشائی کے ۱۰۰

مستی کے ایک گہرے میں ۱۰۰

چاند نمبر ۱۰۰

دل نشی ۱۰۰

آپ سے کیا پڑو ۱۰۰

ڈاکٹر مولوی عبدالحمق

قواعد اردو ۱۰۰

انتخاب کا امیر ۱۰۰

ڈاکٹر سید عید اللہ

طیف ثمر ۱۰۰

طیف نزل ۱۰۰

طیف اقبال ۱۰۰

ایبٹ آباد کی نئی اپوک اردو بازار بازار

فون نمبرز 7321690-7310797

مخاطب کیا اور چوڑیوں کے ایک بڑے اشال کی
جانب بڑھ گئی، رانیہ اس کے پیچھے ہر دلی سے آ
رہی تھی۔

وہ سوچتی تھی کہ اب اس کا میکہ نہیں ہے وہ
سسرال والوں کے ساتھ محبت اور خلوص سے
ایسے رہے گی کہ وہی اصل میں اس کے رشتے دار
ہو گئے اس نے کبھی انہم ذرا اور اصغر کو نند دیو نہیں
سمجھا تھا بلکہ بہن بھائی ہی سمجھا جب وقت جس
کام کے لئے انہوں نے کہا اپنے آرام اور
تھکاوٹ کو ایک طرف رکھے دل جی سے ان کا
کام کیا ہر روز رات کو وہ شریا بیلم کی ایزلیوں کی
مالش کر کے سوتی تھی کہ ان کی ایزلیوں میں درد
رہتا تھا چاہے وہ دن بھر کی تپتی بھی تھی ہو، غیند
سے برا حال ہو لیکن وہ اپنے معمول کے کام تن
دہی سے ہی سرانجام دیتی اور دل سے اپنے ساس
سسر کو ماں باپ کا درجہ دیتی، زارا جب بھی اپنے
شوہر کے ساتھ یا اکیلی میکے آتی خوب اس کی
مہمان نوازی کی جاتی اور وہ اس کی اور اس کے
شوہر کی پسند کی دو تین ڈشز تیار کرتی زارا میکے آ
کر فرمائشیں بھی خوب کرتی اور وہ خوش دلی سے
پورا کرتی مگر چند دن سے جو گھر میں زارا کی جگہ
غیدہ کو لے کر جوش و خروش شروع ہوا تھا اس میں
رانیہ تو یکسر نظر انداز کر دی تھی صرف رانیہ ہی
اپنے سسرال والوں کا خیال نہیں رہتی تھی بلکہ وہ
سب اتنی اچھی بہو اور بھابھی پا کر اس کے بڑے
قدر دان تھے شریا بیلم کو رانیہ اپنی بیٹیوں کی طرح
پیاری تھی مگر اب تو وہ یہی تھیں جنہیں دفعہ وہ خود رانیہ
سے سارے کام چھڑوا کر اسے کمرے میں بھیج
دیتیں کے صبح سے کام سے لگی ہو جاو اب آرام کرو
کھانے پینے سے لے کر ہر چیز میں اس کی پسند نا
پسند پوچھی جاتی اور خیال رکھا جاتا انہیں رانیہ کی
پسند اور سلیقہ داری بے حد پسند تھی، جس کا وہ برہنہ

ماہنامہ حنا (۱۴۱) اگست ۲۰۱۴

حامد نے کندھے اچکاتے لا پرواہی سے جواب دیا۔

”تم جاو ملو تو سہی کولنڈ ڈرنکس میں لے آتا ہوں اور جو بھی ان کی خاطر داری کا سامان چاہیے بتا دو میں لے آتا ہوں سنو سے بلکہ میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں سامنے تو سنو ہے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آتا ہوں تب تک تم ان سے مل لو پھر آکر سرو کر لینا میں تمہیں سامان لا کر آواز دے دیتا ہوں جاو اب۔“ حامد نے آگے بڑھ کر جلدی جلدی سے کہتے ہوئے رانیہ کو باہر کی جانب دھکیلا وہ سب ایسے ہی تھے ایک دوسرے کا خیال اور احساس کرنے والے آج کتنے دنوں بعد لا پرواہ سے حامد کی بجائے اسے پہلے والا خیال رکھنے والا حامد نظر آیا تھا وہ اداسی سے بس اسے دیکھے چلی گئی۔

”اٹو اٹھو بن کر کیوں کھڑی ہو جاؤ بھی۔“ حامد کے کہنے پر وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی۔

”نہ جانے کون ہیں؟ ان کے تو دور دور تک رشتے دار یہاں نہیں رہتے تھے جو چند ایک قریبی رشتے دار تھے وہ ان سے ہمیشہ لا پرواہ اور خود میں گمن رہے آج یوں اچانک کسی گواہ کی یاد آ گئی۔“ خود سے ابھرتی وہ آگے بڑھی حامد بھی اس کے پیچھے تھا۔

”میں نے سوچا پہلے تمہارے ساتھ تمہارے رئیس سے تو مل لوں پھر لے آتا ہوں سامان وغیرہ۔“ حامد نے قریب آکر کہا اور رانیہ حامد کے عجیب و غریب انداز پر بس اسے دیکھ کر آگے بڑھی اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سامنے صوفوں پر براجمان مہمانوں کو دیکھ کر وہ حیران پریشان کھڑی رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مہمان ہیں۔

اٹھار کر تیں مگر اب تو جیسے سب لوگوں کو وہ بھول ہی گئی تھی حتیٰ کہ حامد کو بھی وہ ایک بینک میں منجر کی پوسٹ پر تھا عید کے نزدیک ہونے پر اور چھٹیوں سے پہلے ان کے بینک میں بے تحاشا کام تھا صبح کا لگا وہ شام ڈھلے ہی آتا اور کھانا کھا کر نماز تراویح کرتے فوراً سو جاتا ایسے میں اس سے کیا بات کرتی یا کیا گلہ کرتی سو وہ اندر ہی اندر سب کے عجیب سے رویوں کو محسوس کرتی افسردہ اور تھوڑی سی بدگمان تھی اسے عید کا انتظار تھا نہ کوئی جوش غصہ میں آکر اس نے اپنے لئے کسی بھی قسم کی کوئی شاپنگ نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج چاند رات تھی رانیہ کی آنکھیں بار بار بھرا رہی تھیں لیکن وہ خاموشی سے عید کی تیاریوں میں مگن ہوئی تھی سب کے کپڑے وہ پریس کر چکی تھی انجم اور اصغر یونہی زارا سے ملنے گئے ہوئے تھے بس بیٹھے بیٹھے دونوں کا موڈ بن گیا اور وہ نکل گئے ایسے لگا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہے ہو رانیہ کو بلاوجہ کھوج کیا عادت نہیں تھی اور ویسے بھی آج وہ بہت اداس تھی ثریا بیگم نے ایک بار بھی نہیں کہا تھا کہ وہ حامد کے ساتھ جا کر چوڑیوں کی شاپنگ کر آئے آج سے حامد کو بھی بینک سے چھٹیاں ہو چکی تھیں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”بیگم آپ کے کچھ مہمان آئے ہیں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔“ حامد نے رانیہ کو کچن میں آکر اطلاع دی جو ست روی سے کچن کا پھلا واسیٹ کر ڈنر کی تیاری بھی کر چکی تھی۔

”میرے مہمان کون؟“ حامد کی اطلاع پر اسے اچھٹا ہوا اور مز کر حیرت سے ٹراوڑ رلی شرٹ میں ملبوس حامد سے پوچھا۔

”پتہ نہیں تمہارے کوئی رشتے دار ہیں۔“

ماہنامہ حنا (142) اگست 2014

”آپ.....؟“ وہ حامد کہہ رہے تھے کہ میرے کوئی رشتے دار مجھ سے ملنے آئے تھے مگر.....؟“ رانیہ نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے کنفیوژ ہوتے ہوئے کہا۔

”تو یہ تمہارے رشتہ دار ہی بیٹھے ہیں۔“ حامد نے آگے بڑھ کر اپنی بات پر زور دیا۔
”ہاں مگر آپ.....!“ رانیہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

”ہائے ہائے کیا بچی کو پریشان کر ڈالا ہے ایک تو یہ آج کل کی نو جوان نسل ہر بات میں خواہ مخواہ کا سسپنس اور سر پرانز چاہیے رانیہ بچے تم ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو میں بتاؤں۔“ ثریا بیگم نے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی بات یہ ہے کہ ہم سب تمہارے عید کے والے بن کر تمہاری پہلی عید لے کر آئے ہیں۔“ ثریا بیگم نے اسے پاس بٹھا کر کہا اور رانیہ اپنی جگہ حیران پریشان بیٹھی رہ گئی۔

”جی بھابی دراصل جب سے ہم زارا آپ کی عید کی شاپنگ کر رہے ہیں ساتھ میں آپ کی بھی کر رہے تھے اور اسی لئے آپ کو ضرور شاپنگ پر لے کر جاتے تھے تاکہ سب آپ کی پسند کا خرید سکے ابونے زارا آپ کی عید بھوانے کے جتنے پیسے دیئے تھے اتنے آپ کے لئے بھی دیئے تھے اسی وقت میرے اور اصغر کے مائنڈ میں آپ کو سر پرانز دینے کا خیال آیا بس پھر ہم دونوں نے امی ابو بھائی اور زارا آپ تک کو اپنے اس سر پرانز پلان میں شامل کر لیا۔“ انعم نے آگے بڑھ کر چپکتے ہوئے ساری بات بتائی۔

”بھابی آپ اپنے کفلس دیکھے ناں۔“ اصغر نے سامنے ٹیبل پر رکھے بہت سارے چھوٹے بڑے گفٹ پیک کیے ہوئے ڈبوں کی

جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
رانیہ تو بس اپنی جگہ گم صم بیٹھی رہ گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوشی کا اظہار کرے، حیرت کا یا اپنی بدگمانی پر افسوس کتنی جلدی اس نے خود کو سب گھر والوں سے الگ اور تنہا سمجھ لیا تھا۔
ایک دم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جو خوشی کے تشکر کے اور غدا مت کے تھے۔

”ارے بیٹا ہم جانتے ہیں پہلی عید کے سے آتی ہے مگر تمہارا میکے میں کون ہے آ جا کر ایک بہن وہ بھی پردیس میں اور پھر یہ میکے سسرال کیا تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہو اٹھنے بھوکے روپ میں ایک فرماں بردار، سچی سلیقہ مند، محبت کرنے والی بیٹی عطا کی ہے اس لئے ہمارا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم عید پر میکے کی کمی محسوس نہ ہو اور ہم سب لوگ بھی ثابت کر سکے کہ ہم ہی تمہارے اصل رشتے دار ہیں، بہن بھائی اور ماں باپ ابذا ہم سب بچوں کے اس خیال میں شامل ہو گئے یوں اچانک یہ سب پا کر تم اور زیادہ خوش ہو جاؤ گی، خوشی میں روتے نہیں ہلکا ہتے ہیں۔“ ثریا بیگم نے اسے لگاوٹ سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”چلو بیٹا جلدی سے عیدی دیکھو سر پرانز کے چکر میں تو انہوں نے مجھے بھی کچھ نہیں دکھایا کہ ابا کے منہ سے کچھ نکل نہ جائے۔“ صدیقی صاحب نے متوجہ کرتے ہوئے کہا اور رانیہ نم آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے کفلس کھولنے لگی زارا کی طرح کا بوتیک سے لیا ایک بے حد جاذب نظر اور دلکش سوٹ تھا جس کی قیمت تقریباً دس ہزار تھی رانیہ نے خود ایسا ہی زارا کے لئے پسند کیا تھا اور پھر ساتھ میں چوڑیاں مہندی، جوتے، جیولری اور کاسٹیکلس کی چیزیں تھیں اصغر اور انعم کی جانب سے عید کارڈز بھی تھے زارا نے

ماہنامہ حنا (143) اگست 2014

بھی چوڑیاں بھجوائی تھیں۔

ہوئی بس پڑی۔

”او..... ہو۔“ جب وہ کمرے میں چیزیں رکھنے آئی تو پیچھے سے آکر حامد نے اسے متوجہ کرتے ہوئے گلہ صاف کیا۔

”جناب یہ عیدی تو آپ کے میکے کی طرف سے آئی ہے ہمارے لئے کیا حکم ہے۔“ حامد نے قریب آکر رانیہ کی کمر میں بازو حاصل کرتے ہوئے لگاؤٹ سے پوچھا۔

”آپ مجھے کھانے کے بعد شاپنگ مال لے کر جائے گے وہاں سے مجھے زارا، انعم، اصغر اور امی ابو کے لئے شاپنگ کرنی ہے۔“ رانیہ نے جھٹ سے کہا۔

”یعنی لین دین، کچھ اچھا نہیں لگتا یہ تو بدلہ چکانے والی بات ہوگی، انہوں نے تمہیں عیدی دی اور بدلے میں تم بھی دے رہی ہو۔“ حامد نے کہا۔

”نہیں جناب ایسا نہیں انہوں نے عیدی اپنی بیٹی کو دی ہے اور یہ شاپنگ ان کی بہوان کے لئے کر رہی ہے اور مجھے پتہ ہے میری لور زارا کی شاپنگ کے چکر میں انعم اور اصغر نے اپنی بس آدمی شاپنگ کی ہے امی ایک دن کڑھائی والی چادر کا ذکر کر رہی تھیں ابو کے نئے چپل رہتے ہیں، زارا نے مجھے چوڑیاں بھجوائی ہیں میرا بھی تو اسے کوئی گفٹ دینا بنتا ہے اور یاد آیا آپ نے سب کے ساتھ مل کر مجھے نظر انداز کیا جانتے تھے ناں کہ میں آج کل اداس ہوں تو بھی گھٹنے بنے رہے اس کی سزا یہی ہے کہ اب آپ ہم سب کو شاپنگ مال لے کر چلے شاپنگ کے بعد ڈنر۔“ رانیہ نے تفصیلاً جواب دیا اور جتنا تھی نظروں سے دیکھا۔

”بندہ ختم کا غلام ہے پتہ تھا ان لوگوں کے ساتھ ملنے کی سزا ضرور ملے گی آپ کی یہ سزا دل و

”اچھا ابھی اس دن بل زیادہ بنا تھا میں بھی کہوں اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں جتنا بل بنا ہے۔“ رانیہ نے انعم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں اس دن آپ کے ساتھ آپ کے لئے کچھ چیزیں خریدی تھیں ورنہ تو میں اور اصغر بعد میں جا کر ویسے ہی شاپنگ کر کے آتے تھے جیسی زارا آپ کی لئے آپ کر کے لاتی تھیں۔“ انعم نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اور یہ سوٹ امی آپ اس لئے مجھ سے دوپٹے کا رنگ پوچھ رہی تھیں۔“ رانیہ نے مڑ کر پوچھا۔

”ہاں یہ تمہارے اور زارا کے لئے میں نے خریدا تھا بس دوپٹے کے رنگوں کا فرق ہے اس دن بوا رنگ کر لائی تو تمہاری پسند کا بہتر دوپٹہ میں نے تمہارے لئے رکھ لیا اور جاسنی زارا کو لگا کے دے دیا۔“ ثریا بیگم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”تھنک یو، تھنک یو سوچو یہ عید اور یہ عیدی سر پرانز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور آپ سب کا یہ احساس دلانا کہ میں اس گھر کا فرد ہوں یہ میرا سسرال بعد میں اور میکہ پہلے ہے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرا کر دوں اتنا کم ہے میں بہت خوش ہوں، امی ابو انعم اور اصغر ہم سب کا بہت بہت شکریہ اتنے خوبصورت سر پرانز دینے کا۔“ رانیہ نے نم لہجے سے خوشی سے بھرپور انداز میں سب کا شکریہ ادا کیا اور چیزیں سیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلو انعم تم خود کو مہندی لگاؤ پھر میں فارغ ہو کر آ کر تم سے لگواتی ہوں، پہلے میں کھانا لگا لوں۔“ رانیہ نے چپکتے ہوئے کہا اور رانیہ کی اتنے دنوں بعد چکار بھری آواز سن کر بھی مسکرا اٹھے ان کی نگاہوں میں ابھی شرارت پر رانیہ بھی ہنسی

ماہنامہ دنیا (14) اگست 2014

چہرے کو دیکھتے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا اور رانیہ دل سے سکرا اٹھی۔

”چلو اب جاؤ دل بے ایمان ہو رہا ہے۔“
حامد حریذ شرارتی ہوا۔

اس کی بات پر رانیہ فوراً ہنس کر مٹی اور تیزی سے پیچھے ہٹی مبادا وہ کوئی شرارت کرے نہ

ڈالے۔ ”میں..... میں سب کو بتاتی ہوں پروگرام کا آپ چیخ کر کے آجائے ہم سب تو تیار ہی ہیں۔“
رانیہ نے قدرے پوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور تیزی سے باہر کی جانب بھاگی، حامد کے قہقہے نے اس کا پیچھا کیا جس پر اس کے لبوں پر بھی میٹھی سی مسکان آن ٹھہری اور پھر کچھ ہی دیر بعد محبتوں کا قافلہ ایک گاڑی میں سوار شاچنگ مال کی جانب رہاں تھا اصغر اور انہم کی ٹوک جھوک، امی ابو کی مسکراہٹ حامد کی پیار لٹائیں نظریں رانیہ خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرتی تھیں تھا اگر اس نے انہیں اپنا بنایا تھا اور سمجھا تھا تو انہوں نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کے اپنے ہی ہیں رانیہ نے دل سے ہمیشہ کے لئے ان خوبصورت رشتوں کے یونہی قائم رہنے کی دعا کی اور ہر عید اس سے بڑھ کر خوبصورت سربراہ لائے اس نے دعا کی اور اصغر کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس کی ہنسی میں سب کی ہنسی شامل ہو گئی۔

☆☆☆

جاں سے قبول ہے کہ کافی دنوں سے آپ کی محبت بھری نظروں کو ترس رہے ہیں کم از کم آج چاند رات تو ہرگز نہیں آپ کی بے انتہائی برداشت ہو گی جلدی سے سب کو تیار ہونے کا کہو ابھی چلتے ہیں۔“ حامد نے جھٹ مانتے ہوئے کہا۔

”اور سنو تم میرے لئے بہت اہم اور خاص ہو کہ تم نے میرے دل میں محبت میرے سے گزر کر یا صرف میری چاہت میں نہیں بنائی بلکہ اول روز سے تم نے میرے ساتھ جڑے رشتوں کو اپنا سمجھا ہے اور انہیں بھی چاہا ہے بھی تو آج بھی تم نے اکیلے کینڈل ڈنر وغیرہ کی فرمائش کرنے کی بجائے سب کے ساتھ مل جل کر رہنے اور انجوائے کرنے کا خیال آیا ہے اور کس کی کیا چیز رہ گئی ہے اپنی اداسی کے باوجود تمہیں سب خبر رہی ہے مجھے تمہاری اسی ادا سے بے حد پیار ہے۔“
حامد نے اس کا بازو تھامتے ہوئے محبت سے کہا۔
”مگر میں نادم ہوں اپنی بدگمانی پر مجھے لگا آپ سب مجھے بھول گئے ہیں نظر انداز کر رہے ہیں۔“ رانیہ نے دل پر دھرا بوجھ کہہ کر ہٹا دی ڈالا۔

”یہ ایک فطری عمل ہے نادم تو تم تب ہوتی جب تم زہرا کی عید شاچنگ دل سے نہ کرتی یا کرنے سے منع کر دیتی۔“ حامد نے اس کے چہرے پر آئی شریر لٹ کو کان کے پیچھے اڑتے ہوئے محبت بھری نظروں سے اس کے معصوم

”مبارک باد“

حتا کی ہر دھڑکن مصنفہ فوزیہ غزل کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے ادارہ حنا کی طرف سے نوزیہ غزل کو دلی مبارک باد۔

ماہنامہ حنا (145) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اک چہرہ اور ہے

سعودہ اقصیٰ

امرت عمارہ کے گھر آتی ہے اس سے بات کرنے عمارہ کا بہت غلط رویہ اسے مزید پریشان کر دیتا ہے، گوہر اس سے معذرت کرنے پیچھے جاتا ہے، رستے میں آوارہ لڑکوں کے تنگ کرنے پر اسے گوہر کی ضرورت پڑتی ہے، گوہر اور امرت کی بہت اچھی تعلیمی بات چیت ہوتی ہے جس پر عمارہ کو اعتراض ہے، وہ ہر طرح سے عمارہ کو سمجھاتا ہے باوجود اس کے عمارہ کے دل میں کوئی خاص احساس نہیں جاگتا مگر جب عمارہ کی جگہ گوہر امرت کی پیشکش پر کام کرنے جانا چاہ رہا ہے تو عمارہ کچھ سوچ کر آفس جوائن کر لیتی ہے، امرت اس کے بار بار بدلتے رویے پر حیران اور افسوس کن ہے۔

امر کلہ کورستے میں ایک خاتون ملتی ہیں جو اپنے شوہر کو خودکشی کی دھمکی دے رہی ہے، خاتون اسے خودکشی کے طریقے بتانے لگتی ہے، وہیں شام ڈھلے اسے پروفیسر غفور مل جاتے ہیں جو اسے پریشان دیکھ کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور اس سے گھرت نکلنے کی وجہ پوچھنا چاہتے ہیں، وہ امر کلہ کو کچھ دن بعد ذکار کے گھر لے آتے ہیں تاکہ وہ اسے کھوج سکیں کہ امر کلہ کا اصل کیا ہے، جبکہ ذکار کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ بہت محتاط ہے مگر کبیر بھائی کا ذکر آنے کے بعد گوہر کے نام پہ وہ اپنی حیرت پر قابو نہیں رکھ پاتی۔

آٹھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے





”میں نے کب کہا کہ میں کسی ایسے بندے کو جانتی ہوں۔“ دوسرے ہی لمحے وہ سنبھلی تھی۔
 ”تم یہ جھوٹ پہ جھوٹ میرے ساتھ بول رہی ہو یا پھر خود اپنے آپ سے، تم خود کو بھی نہیں جانتی، تم علی گوہر کو نہیں جانتیں، پھر تم تو کچھ بھی نہیں جانتی ہوگی۔“
 ”میں واقعی کچھ نہیں جانتی، اب میں فری ہوں کھانا تیار ہے۔“
 ”تم آج رات یہاں رک سکتی ہو؟“
 ”کبھی بھی نہیں۔“

”تمہارے حوالے سے میرا ذہن کچھ سٹلزدے رہا ہے، دیکھو ہمیں بات کرنی ہوگی، مجھے لگتا ہے یہ ضروری ہے۔“

”مجھے آپ کا مسئلہ سمجھ نہیں آتا اس لئے کہ آپ کے ساتھ ایک وقت میں کئی مسائل ہیں جو آپ نے خود اپنے لئے تیار کیے ہیں، بہر حال اس کا بھگتن کسی اور کو نہیں بھگتنا چاہیے، بہت ہوگئی فتنوں کی بات اب آجائیں۔“ وہ کھانے کی ٹرے لے کر حال میں آگئی، پروفیسر ابھی تک سو رہے تھے۔

”تم واقعی اس لڑکی کو نہیں جانتی جس کی محبت میں علی گوہر گوشہ نشین بن گیا ہے، دیکھو مجھے اس کا پتہ دے دو مجھ سے علی گوہر کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔“
 ”اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“ وہ میز پر کھانا لگا کر پروفیسر کی طرف بڑھی اور سوچنے لگی ان کو جگانا کیسے چاہیے، اس نے چھڑی اٹھا کر میز پر ماری، ایک دو تین بار مگر ان کے خزانوں کا سلسلہ نہ رکا۔

”اسے سونے دو، ہم کھا لیتے ہیں۔“ وہ ناچار بیٹھ گئی کہ بھوک بہت لگی تھی، ادھر ان کا بھی یہی حال تھا۔

”میں نے ابھی تم سے کچھ پوچھا تھا، تم ایسا کیوں کر رہی ہو، علی گوہر بہت اچھا لڑکا ہے۔“
 اسے لگا وہ اس بحث کو ختم ہونے نہیں دیں گے۔

”مجھے پتہ ہے وہ بہت اچھا ہے۔“ وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

”تم وہی ہو نا، تمہیں اس سے ملنا ہو گا مریم۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھانے لگی۔

”تم اسے کیوں سزا دینا چاہتی ہو، وہ بہت چاہتا ہے تمہیں مریم۔“

”مگر میں اسے اس حوالے سے پسند نہیں کرتی تھی اور پھر اس کی ایک سنگیتر بھی ہے جو ہمیشہ اس کا انتظار کرتی تھی، پھر مجھے یہاں نہیں رہنا۔“

”پھر کہاں جانا ہے تمہیں؟“

”پتہ نہیں مگر یہاں سے بہت دور ہر جگہ سے دور، ہر عجیب لوگوں سے دور۔“

”عجیب لوگ شریف بھی تو ہوتے ہیں۔“

”سب نہیں ہوتے۔“

”تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟“

ماہنامہ حنا (148) اگست 2014

”میں نے یہ کب کہا؟“
 ”مردوں کے بارے میں تمہاری رائے کچھ اچھی نہیں ہوگی، اکٹری اکٹری رہتی ہو۔“
 ”مجھے ہر جگہ مرد ملے ہیں اور بہت اچھے لوگ ملے ہیں، مگر اس حوالے سے مجھے کسی پر بھروسہ نہیں ہے۔“

”اس کی وجہ؟“

”آپ کیوں جانا چاہتے ہیں؟“
 ”میرے جاننے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔“
 ”ایک بار دھوکا کھا کر دوسری بار کی ہمت نہیں ہے۔“
 ”تمہارے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے؟“
 ”اور کس کے ساتھ ہوا تھا؟“

”میرے بیٹے کے ساتھ۔“
 ”ادہ پھر میری ہمدردیاں آپ کے بیٹے کے ساتھ ہیں، مگر ہو سکتا ہو یہ آپ کا خیال ہو آپ کے بیٹے نے دھوکا کیا ہو۔“

”یہ نہیں ہو سکتا میرا بیٹا بہت شریف انسان ہے۔“
 ”شریف انسان ہی دھوکے کر کے برے ثابت ہوتے ہیں۔“
 ”خیر میں اپنے بیٹے کو زیادہ اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ وہ کھانا ختم کر چکی تھی۔
 ”اب تو ان کو اٹھ جانا چاہیے۔“ اس کا اشارہ پروفیسر کی جانب تھا۔
 ”کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ مریم ایسا لگتا ہے پرانا دوست مل گیا کوئی، تم سے بہت باتیں شیئر کروں اپنے بارے میں بہت مزے مزے کی پرانی باتیں، یادیں دل کرتا ہے کسی کے ساتھ پھر کوئی کہانی دہراؤں۔“

”دعا کرتی ہوں اس کے لئے آپ کو کوئی اور اچھا دوست مل جائے جو خود خواہاں ہو آپ سے سننے کا، کیونکہ میں زیادہ نہیں جانتی آپ کو نہ ہی مجھے دیکھی ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ پروفیسر صانع کے خزانوں میں کچھ کی واقع ہوئی تھی۔

”دوبارہ ملنے نہیں آؤ گی، میں تمہیں اپنی قائم مقام شہزادی بنانا چاہ رہا تھا۔“
 ”میں بہت عام سی ہوں شہزادی بننے کے قابل نہیں مگر ایک شرط پر۔“ وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی تھی۔

”وہ کیا؟“
 ”وہ یہ کہ علی گوہر سے کچھ نہیں کہیں گے، جب تک میں پروفیسر غفور کے پاس ہوں تب تک تو بالکل نہیں۔“

”تم پروفیسر کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟“
 ”جانا پڑے گا اس سے پہلے کہ ان کو میری عادت پڑ جائے۔“

ماہنامہ سنا (۱۴۹) اگست ۲۰۱۴

”مگر آپ سے ایک شرط پر پھر ملوں گی، وہ یہ کہ علی گوہر کے پاس میری ایک امانت ہے وہ اس سے لے کر رکھیے گا مگر جب میں یہاں نہ ہوں تب آپ اس سے بات کیجئے گا اپنی چیز لینے میں بھی نہ کبھی آ جاؤں گی۔“

”وہ کیا امانت ہے بتاؤ گی؟“

”اس میں کیا ہے یہ نہیں پتا مجھے، ہاں بس یہ جانتی ہوں کہ ٹھٹھری ہے چھوٹی سی۔“ وہ راز دارانہ انداز میں بات کر رہی تھی بہت آہستہ آواز میں۔

”کسی نے تجھے میں دی تھی؟“

”ہاں ایک دوست تھی۔“

”یاد آتی ہے؟“

”بہت یاد آتی ہے۔“

”دکھ ہوتا ہے؟“

”دکھ تو اور بھی بہت ساری چیزوں کا ہوتا ہے مگر اب میں ایڈجسٹ کر چکی ہوں، مجھے پتہ ہے میرے ساتھ کسی نے تادیر نہیں رہتا۔“

”وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہو گی؟“

”مجھے پتہ ہے بہت کرتی ہو گی، ہمارا ساتھ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک رہا ہے۔“

”بہت اچھی اچھی یادیں ہیں اس حوالے سے۔“

”صرف اچھی نہیں بری بھی ہیں، مگر اچھی زیادہ ہیں، میری ماں کے بگڑنے کے باوجود بھی وہ اکثر گھر آتی تھی، بہت ڈانٹ کھانی پڑی اسے میرے لئے ہر موقع ہر جگہ، بہت فقیں کیں اس نے میرے لئے بہت خواب دیکھے، بار بار مجھے موت کے منہ سے نکال لیتی تھی۔“

”اس کے پاس چلی جاؤ نا مریم۔“

”بہت مشکل ہے، وہ سمجھتی ہو گی میں مر چکی ہوں، میں ان میں سے کسی کی بھی زندگی میں لوٹنا نہیں چاہتی جو مجھے موت کے ساتھ قبول کر چکے ہو گئے، میں دوسری مرتبہ اپنی اصلی موت سے ان کو دکھ دینا نہیں چاہتی، مجھے پتہ ہے مجھے جلدی جانا ہے وہ درد پھر شروع ہو رہا ہے۔“

”دکھ کس قسم کا درد۔“ وہ اس کو لے کر راہ داری تک آ گئے تھے۔

”سر کا درد، ٹیوہر ہے مجھے، اب جان گئے کہ میں کیوں علی گوہر سے ملنا نہیں چاہتی۔“

”مریم!“ دکھ سے آواز زندہ تھی۔

”میں تمہیں زندگی کی دعا دیتا ہوں اور دوں گا، تم اپنا علاج کرواؤ نا۔“

”میرے پاس زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے پروفیسر صاحب۔“

”میرے پاس بھی زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے مریم سوائے اپنے بیٹے کے،

میرے پاس بھی وقت کم ہے تمہارے کبیر بھائی نے بتایا۔“

”تو اس وقت کو آپ جیتی بنائیں، پروفیسر صاحب کسی اور کے لئے نئی امید پیدا کریں یقین

جانیں آپ کے پاس بہت بہانے ہیں اور یہ کہ میں آپ کی زندگی کی دعا کروں گی اور دعا میں اثر

ہوتا ہے وہ دعا جو دل سے کی جائے اور پلیز پروفیسر صاحب علی گوہر کو کسی بات کی بھٹک نہ پڑے، میں فی الحال پروفیسر غفور کے پاس ہوں مگر یہاں سے چلی جاؤں گی میں یہاں مرنے نہیں چاہتی۔"

"مریم تم نے ناقدری نہیں کی ان سب رشتوں دوستوں کی۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"جیسے ابھی تم میری ناقدری کر رہی ہو کبھی بھی نہ ملنے کا کہہ کر۔"

"بہت ناقدری ہوں، یہ وصف مجھے ورثے میں ملا ہے۔"

"ہماری پوری فیملی میں ناقدری ہے، سلیٹش ہے بد لحاظ اور مفاد پرست جس میں ہر کوئی

اپنے لئے جیتا ہے۔"

"تم تو اپنے لئے نہیں جی رہی ہیں۔"

"میں جی رہی ہوں ابھی بہت ہے۔"

"تم اپنا خیال رکھو گی وعدہ کرو۔"

"آپ بھی رکھیے گا، یہ لے بال کنوا دیں اور داڑھی کم کر لیں تو اچھے خاصے خوبرو لگیں گے۔"

وہ ان کی اپنائیت پر مسکرائی تھی۔

"تمہارے خیالات علی گوہر سے کتنے ملتے ہیں۔" وہ ہنس پڑے۔

"کس کے خیالات کس سے ملتے ہیں؟" پروفیسر غفور چھڑی کھمکھمائے ٹوپی پہنے باہر آئے تھے۔

"تم کب اٹھے؟"

"ابھی ابھی، اٹھتے ہی کھانا کھایا جو تم لوگوں نے بچایا تھا اب ہاتھ دھو کر سیدھا اسی طرف آ رہا

ہوں، ویسے تمہارے گھر کے سبھی تل میں ڈنگ لگا ہوا ہے پانی کے ساتھ جو بہتا ہے۔"

"یہاں ہر جگہ ڈنگ لگا ہوا ہے پار۔"

"خیر مگر قابل قبول ہے سب کچھ تم بھی، جمہیں بھی تو ڈنگ لگ گیا ہے یہاں بیٹھے بیٹھے، پالش

کر دو ذرا خود کو۔"

"سوچ رہا تھا کوئی فرشتہ صفت لڑکی میرے جسم سے اور ذہن سے سونیاں نکالنے آئے گی۔"

"اس عمر میں؟" وہ مسکرائے تھے۔

"ہاں اسی عمر میں۔" وہ بے ساختہ ہنسے تھے، ان کے ساتھ امر کا نہیں ہنس سکی خیال نے

اسے ہنسنے سے روک لیا تھا۔

"تو پھر ہم چلتے ہیں، اب تم گھر سے باہر نکلا کرو پار۔"

"ضرور آؤں گا عبدالغفور خیال رکھنا ہماری بیٹی کا بھی اپنا بھی۔"

"خیال رکھوں گا اپنی بیٹی کا بھی اپنا بھی۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائے چلتے ہوئے۔

"آپ سے مل کر واقعی اچھا لگا۔" اسے کسی سوچ نے ہنسنے سے روک لیا تھا پر مسکرانے سے

نہیں۔

"ہمیشہ مسکراتی رہو اور جیتی رہو۔" بہت پیار سے سر تھپتھپایا، اسے لگا وہ ایک دفعہ اور اپنے کبیر

بھائی سے جدا ہو رہی ہے جیسی آنکھیں بھرا آئیں گیں۔

☆☆☆

ماہنامہ حسنا (151) اگست 2014

”تم یہ بھول جاؤ کہ تمہاری شادی کسی اور سے ہوگی، تمہاری شادی عبدالحنان سے ہی ہوگی۔“ پیار کا ہتھیار جب کام نہ آیا تو دوسرا ہتھیار تھام لیا۔

”آپ مجھے بلیک کر رہی ہیں؟“

”میں تمہاری ماں ہوں امرت۔“

”ہاں جیسی تو بلیک مل کر رہی ہیں، اکثر جب مائیں ایسا کرتی ہیں تو باپ ڈھال بن جاتے ہیں، میرے پاس دوسرا آپشن نہیں کسی سلسلے میں بھی نہیں، آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میرے پاس عبدالحنان کے علاوہ کوئی آپشن ہے اور میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”تو پھر تم بار بار انکار کیوں کرتی ہو شادی سے۔“

”اس کی وجہ میرے بدتر حالات ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں کے ناخن صاف کرتے ہوئے

بولی۔

”دیکھو امرت، حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے، میری آدمی زندگی گزر گئی ہے بوڑھی ہو رہی ہوں، چاہتی ہوں تمہاری شادی ہو جائے، خیر سے سکون مل جائے مجھے۔“

”آپ کا اور انکل کا کیا بنے گا یہ سوچا ہے؟“

”اس کی وجہ سے ہم تمہیں عمر بھر نہیں بٹھا سکتے، شادی تو ہونی ہے نا۔“

”امی میرے پاس اتنی بہت نہیں ہے کہ پہلے بھاری قرضے پر جہیز بناؤں اور پھر آدمی عمر قرضہ اٹارنے میں لگ جائے، ٹھیک ہے اسے اگر شادی کی جلدی ہے تو اسے بغیر جہیز کے مجھے قبول کرنا ہو گا اور بعد میں میں جا ب کر کے، ہم دونوں مل کر کچھ کر لیں گے، مگر فی الحال شادی جیسا جھنجھٹ میں انورڈ نہیں کر سکتی۔“

”امرت تم کیوں بناؤ گی بچے، ہم تمہیں دیں گے زیور، جہیز سب کچھ۔“

”بہت بڑی بھول ہے امی آپ کی، انکل کا پیسہ اتنی آسانی سے اس کا بیٹا ضائع ہونے نہیں دے گا جیل کروادے گا وہ نہیں۔“ وہ بڑے مزے سے مسکرا کر ہاتھوں کا جائزہ لینے لگی، کٹے ہوئے ناخن کی ایک چھوٹی سی پھیدہ رہ گئی تھی جس پر ناخن پیل رہی تھی بچہ ہی ٹیل کٹرا سے پتہ تھا اب یہ چھوٹی سی نظر نہ آنے والی پھیدہ ہر چیز میں اگلے گی، کپڑے، چادر، کبھی بال ہر چیز میں اٹ کر پریشان کرے گی اور پھر کمر پٹنے پر زخم ہو جائے گا اسے سوچ کر ہی ڈسٹر بنس ہو رہی تھی، تکلیف دینے کے لئے ایک چھوٹی سی پھیدہ ہی کافی ہوتی ہے، عبدالحنان اور امی تو اور بات ہے، نا یعنی سوچیں مسکراتے پر مجبور کرتی ہیں، وہ بھی بظاہر بے وجہ مسکرائی اور مسکرا کر بنس دی۔

”میں سنجیدہ ہوں امرت وہ دو چار دنوں میں آ رہا ہے۔“

”میں بھی سنجیدہ ہوں امی، وہ آ رہا ہے تو آنے دیں۔“

”وہ اب کی بار آئے گا تو بات پٹی کر جائے گا شادی کی ڈیٹ فکس کر کے ہی جائے گا ورنہ.....“ وہ کچھ سوچ کر ہی ڈر گئیں۔

”ورنہ کیا؟ عزرائیل ہے کیا، روح تو نہیں نکالے گا۔“

”پسٹل ہوتا ہے اس کے پاس۔“ وہ ہراساں گئیں۔

ماہنامہ دنیا (152) اگست 2014

”عبداللہ نہ ہوا موت کا فرشتہ ہو گیا۔“ وہ بے ساختہ ہنس دی۔
 ”مت کرو ایسا امرت، میں ڈیٹ دے دوں گی کوئی سی بھی پھر نہ کہنا کچھ بھی۔“
 ”اتنا زیادہ بوجھ ہے آپ پر میرا، اچھا ہوتا اگر آپ یہ بوجھ نہ لے آتیں یہاں، وہیں رہنے
 دیتیں، جہاں کی بنیاد تھا۔“
 ”تم جہاں بھی ہو تیں کیا شادی نہیں ہوتی، وہ کسی ان پڑھ جاہل کے ساتھ کر دیتے تب خوش
 رہتی تھیں۔“
 ”عبداللہ کون سا علم والا ہے، خیر وہ چوائس میری ہی تھا اس لئے بہر حال یہ الزام میں آپ
 کو نہیں دے سکتی۔“
 ”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کرنا چاہتی ہو، مگر مجھ میں کسی نئے تماشے کی سکت نہیں ہے
 امرت یہ سن لو۔“
 ”تماشے کا وقت اور سکت مجھ میں بھی نہیں ہے بہر حال، مگر آپ پریشان نہ ہوں، میں ملتی
 ہوں حنا سے، یا پھر بات کرتی ہوں، کچھ سوچتے ہیں، ان کی ٹیلی اگر آئے گی تو دھاوا بول دے
 گی، پھر تو نا ہونے والا بھی تماشہ ہو کر رہے گا، مجھے تو یہ سوچ کر ہول اٹھ جاتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ
 وہاں رہنا پڑے گا، ایسے عجیب ماحول میں۔“
 ”ماحول تو تمہارے سامنے تھا اب ہی سوچ لیتی نا۔“
 ”ہاں اس میں آپ کا کوئی تصور نہیں امی کہہ تو رہی ہوں، میں بہر حال اس سے بات کرتی
 ہوں ذرا سو جاؤ تھوڑی دیر تھک گئی ہوں پھر شام میں کرتی ہوں بات۔“
 آج سنڈے تھا، وہ گھر پر بھی کام سے فارغ ہو کر ہی بیٹھی تھی اور اب دماغ بچ رہا تھا حکمن
 اتنی تھی، اس لئے لیٹتے ہی نیند آگئی جو کبھی کبھی رات میں بھی نہیں آتی تھی۔

☆ ☆ ☆

”میں ویسے تو مریم بد دماغ ہوں، مگر تمہیں ایک پتے کی بات بتانا ہوں اور وہ یہ ہے کہ
 انسان خدا کے بغیر اوجھڑا ہے، عبارت سے امید پیدا ہوتی ہے محسوس ہوتا ہے کہ کہیں سگنل مل رہا
 ہے، ہماری کیفیات پہنچ رہی ہیں، کوئی درد آشنا ضرور ہے، خدا کو چاہے جس انداز سے پکارو، چاہے
 محمد ﷺ کا خدا ہو، یا عیسیٰ کا خدا، خدا بہر حال ایک ہے اور وہ سب کا ہے، چاہتا ہوں اگر مسجد نہیں تو
 گھر جا چلی جاؤ، جہاں سے سکون کیش کر سکتا تمہارے لئے آسان ہو، جس گمان سے تمہیں لینے کا
 رستہ دیا گیا ہو، مگر راستے بند نہ کرو، اس خدا کا ایک بار تو شکریہ ادا کرو، اس مریم کے خدا کا، جو تمہیں
 نئی سے نئی راہوں پر سہارے عطا کرتا ہے۔“

”میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ وہ صرف عائشہ کا خدا ہے، عمر فاروقؓ، ابو بکر صدیقؓ کا خدا ہے، میں
 تو کہہ رہا ہوں، وہ عیسیٰ اور مریم کا خدا ہے، تو پھر تم کسی اختلاف کی بنیاد پر اس سے دور کیوں ہو۔“
 پروفیسر عبدالغفور کے اندر یا تو فنکار کی روح گھس گئی تھی یا پھر کبیر احمد بھائی کی، وہ ہکا بکا
 پروفیسر کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

”میں تمہیں اس قدر بے چین نہیں دیکھ سکتا، مکی اولاد کی طرح پیاری ہو گئی ہو، ایک ہفتہ بٹھا

ماہنامہ حنا (153) اگست 2014

کر دکھایا ہے، کپڑے دھو کر رکھتی ہو پتہ بھی نہیں چلا، صبح اٹھتا ہوں تو گھر صاف ستھرا نکھرا ہوا ملتا ہے، ہر چیز اپنی جگہ پر ترتیب سے رکھی ہوتی ہے، احساس ہوتا ہے، اولاد کا سکھ کیا ہوتا ہے، لوگ کیوں خدا سے اولاد مانگتے ہیں اور اولاد کو بڑھاپے کا سہارا کیوں کہا جاتا ہے، کیوں میرا دوست اپنے آوارہ گرد علی گوہر کے لور لور پھرنے پر پریشان ہوتا تھا، اب دھڑکا لگا رہتا ہے کہ تم کہیں چھوڑ کر نہ چلی جاؤ، تھکانہ رہ جاؤں، عادی ہو گیا ہوں تمہارا، چھوڑ کر نہ جانا تم، خدا نے اولاد نہ دی مگر اولاد جیسی نعمت تو بھیج دی، بڑھاپے کا سہارا، اتنی محبت اور اتنا اسرار کے جس کا کوئی جواب نہیں ہے، امرت، حالدار، کبیر بھائی، علی گوہر، پروفیسر غفور، ذکا، کیسے کیسے لوگ زندگی میں آئے، آکر چلے گئے مگر اب یہ شفقت یہ احساس پتا۔" وہ بھی کہاں چاہتی تھی بنا دگاہ سے نکلتا وہ نہیں چاہتی تھی پروفیسر غفور کو چھوڑ جانا، وہ باپ کے طور پر قبول کر لینا چاہتی تھی، کبیر بھائی کے بعد یہ بڑا سہارا تھے۔

"مجھے ابا کہو، تاکہ مجھے پتہ چلے کہ میں اولاد سے فیض یاب ہوا ہوں۔" بوڑھی آنکھیں اشک بار تھیں۔
 "لوگ کہیں گے، باپ مسلم، بی بی عیسائی۔" وہ گیلی آنکھوں سے مسکرائی بلکہ مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
 "لوگوں سے کہیں گے، محمد علیؑ اور عیسیٰؑ کا خدا ایک ہی ہے۔" بڑی لاجواب سی دلیل تھی، دل میں گھر کر گئی اس کے۔

جواب ایسا تھا کہ سوال سارے چپ کی اوڑھنی لوڑھے مطمئن ہو کر سو رہے، ایک اس کے دل کی کشتی ڈول رہی تھی، لاجواب ہونے کے بعد بھی کچھ سوال، اگر زندہ تھے تو یہ زندگی کی علامت بھی تھی اور کمزور انسان کے ایمان کے اطمینان کا سوال تھا، پہلا شیخ ایمان، اس کے بعد اطمینان تھا اور وہ دوسرے پہلے اس کے درمیان بے نام سی کھڑی تھی، کبھی عائشہ، کلثوم، جویریہ، زینب اور اب امر کلہ اور مریم، ان سب میں وہ خود کہاں تھی خود اسے بھی اس کا علم نہ تھا، اگر علم تھا تو یقیناً نہ تھا اور اگر یقین تھا تو ایمان تھا، پھر ایمان تھا تو اطمینان نہ تھا، کشتی ہچکولے کھا رہی تھی جو ڈوبتی تھی پوری طرح سے اور نہ ہی کنارے کا نام لیتی تھی شاید اس لئے کہ نام بہت سے تھے اور کام بہت ناقص تھا۔

وہ اپنے ناقص علم کی بنیاد پر اندر ہی اندر ہچکولے لکھاتی اور اس کی سوچ اور دور اندیشی، بوڑھی آنکھوں کی رم جھم اور نظر میں کم ہوتی گئی، رحم اور شفقت خدا کی وہ صفت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے اور جب اس کا بندہ یہ صفت آزمانے لگتا ہے تو پل بھر کے لئے کائنات کے تمام دکھ ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

"تمہیں یہ کام پور تو نہیں کر رہا۔" وہ پرانے پرچے کھٹکانے لائبریری کے حصے میں آگئی تھی، اسے پرانے سلسلے دار ادبوں کو تلاشنا تھا وہ سندھی کہانی پر تجزیہ لکھنے جا رہی تھی اس لئے سندھی کہانی کی پوری تاریخ دیکھنی ضروری تھی، حالانکہ خود اسے کبھی کہانی کی کوئی خاص سمجھ نہ تھی بس وہ لکھتی تو

ماہنامہ حنا (154) اگست 2014

لکھتی ہی چلی جاتی تھی، اسے کہانی کی بھنیک سے کوئی سروکار نہ تھا، اسی لئے وہ کہانی کار کی بھنیک پر کوئی بات نہیں کر رہی تھی، وہ اس جزیات پر کسی اور سے رائے لے رہی تھی اس لئے اس نے بہت پرانے ادیبوں کے کائنات نمبرز نکالے تھے ایک دو سے رابطہ ہو گیا تھا اسے کوئی تسلی بخش جواب تو نہیں ملا تھا، البتہ وہ دیگر سے کچھ امیدیں رکھتی تھی اسی لئے وہ مزید کھنگال رہی تھی اور خود وہ کہانی کے کرداروں، واقعات کی ہنت اور فیملی کو فو کس کر رہی تھی جس میں کچھ اعتراضات اس کے سر فہرست تھے اور کچھ حیرن کن چیزیں سامنے آئیں تھیں، اسی ناظم عمارہ اپنے روم سے اٹھ کر اس تک آئی تھی۔

”کام اپنی پسند سے نہیں کرنا ہوتا بلکہ کام کو پسند میں ڈھالنا مجبوری ہوتا ہے، حالانکہ میں صرف کام کر رہی ہوں، اس سے پسند کا کوئی تعلق نہیں اور یوریت کی پروا وہ نہیں کرتی چاہیے۔“

”ٹھیک کہتی ہوں، میری کچھ مدد کرو گی۔“ وہ بہت سارے میگزین سنبھالے ہوئے تھے جو ابھی گرنے ہی لگے تھے، اس نے اس کے ہاتھ سے ایک دست لے لیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”ان سب کا کیا کرنا ہے۔“

”یہ کچھ الگ کر لو بلکہ ان سے نام پڑھ کر ان کی کہانیاں الگ کر لو۔“ اس نے ایک چھوٹی سی لسٹ اسے پکڑاتے ہوئے سمجھایا۔

”اس سارے کام کے تمہیں یہاں پیسے ملتے ہیں یا پھر یہ تمہیں کسی تقے سے لوازیں گے، ادبی بورڈ کی اعلیٰ خدمتگار کے طور پر، مجھے ان میں سے دونوں چیزوں کا امکان نظر نہیں آتا، نہ ہی ایسی کوئی امید رکھنا چاہیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ڈائری اور میگزین کے ورق پلٹتے ہوئے کچھ مطلوبہ چیزیں ڈھونڈ رہی تھی۔

”تمہیں ایسے نادر خیالات سوچتے کہاں سے ہیں اتنی پریشانیوں کے باوجود بھی۔“

”عمارہ میں دراصل امرت کو گھر ہی چھوڑ آئی ہوں، یہاں صرف ایک ورکر کام کرتی ہے جو اپنی ذمہ داری پوری طرح سے نبھانا جانتی ہے، ضروری نہیں عمارہ کہ سارے ورکر چست ہوں تو بات بنے، ابھی کبھار ایک ورکر بھی اگر ذمہ دار ہو جائے تو بات بن ہی جاتی ہے تھوڑی بہت۔“

”تم نے ہر کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کیا گوہر کی طرح۔“ وہ پرچے چھانٹ کر الگ کرتے ہوئے بیزارگی سے بولی۔

”علی گوہر تو لا جواب سا انسان ہے، میں بہت پسند کرتی ہوں اسے۔“

”ہاں مجھے پتہ ہے تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا پسند کرتے ہو۔“ اس کا لہجہ کچھ روکھا سا ہو گیا تھا۔

”میں اسے اس کی نیچر اور شرافت کی وجہ سے پسند کرتی ہوں۔“ وہ وضاحت دینا ضروری سمجھ رہی تھی۔

”بہر حال جو بھی ہے میرا درد سر نہیں۔“

”ہونا بھی نہیں چاہیے، ویسے شادی کر لیتی چاہیے اب تم دلوں کو اگر برانہ لگے تو میں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں کیا خیال ہے۔“

ماہنامہ حنا (155) اگست 2014

”اسے اپنے حساب سے کوئی لڑکی ملے گی تو کر لے گا، پسند تو اسے بہت سی لڑکیاں ہیں ویسے مگر شادی.....“ وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ گئی۔

”شادی بہر حال وہ تمہارے ساتھ کرے گا، تمہارا سنگیتر جو ہے۔“
”ہم لوگوں کی ہا قاعدہ سنگیتی نہیں ہوتی، بس گھر والوں کا خیال ہے۔“ وہ پہلی بار اس کے ساتھ ہارل انداز میں بات کر رہی تھی۔

”وہ مجھے اپنی بہن بھی کہتا ہے، کبھی دوست کبھی تو کبھی کبھ، اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔“
”بڑے مزے کی بات ہے میرا سنگیترا اگر مجھے بہن کہہ کر چھوڑ دے تو کیا ہی بات ہے، ویسے علی گوہر کا بھی کوئی جواب نہیں ہے وہ کسی اور کو پسند نہیں کرتا عمارہ۔“ اس کے ذہن میں فوراً سے خیال آیا۔

”تمہیں ایسا لگتا ہے، یا اس نے کچھ کہا ہے؟“ وہ مشکوک سی ہو گئی۔
”نہیں میں تم سے پوچھ رہی ہوں، مجھے کیوں بتائے گا وہ۔“
”کیوں تمہارے ساتھ تو بہت ساری گپ شب ہوتی ہے اس کی۔“
”کب ہوتی ہے ہماری گپ شب۔“ وہ حیرانی سے منس دی۔
”لاسٹ ٹائم نہیں ہوتی تھی کیا؟“ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی جیسے کہتا چاہ رہی ہو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔

”اتفاق سے ہوئی تھی، وہ مجھ سے معذرت کرنا چاہ رہا تھا تمہارے رویے کی۔“
”اور تم نے اسے اسے سے زیادہ تنگ اسٹوری بتا دی، مجھے کہہ دیتیں کہ اتنی سختیں کر چکی ہو تم میرے لئے، شکر یہ ادا کر دیتی ہیں، کوشش بھی کر لیتی احسان اتارنے کی بھی، اس سے شکایتوں کی پٹاری کھولنے کی کیا ضرورت تھی مجھ سے جتنی شکایات تھیں کہہ دیتیں۔“ وہ میگزین میز پر بے ترتیب انداز میں پھینک کر کرسی سے اٹھی تھی، وہ تو شکر ہے اس وقت لاہور ری کے حصے میں ان دونوں کے سوا کوئی دور نہیں تھا اور نہ کوئی نزدیک ورنہ اس کے انداز کا نوٹس کون نہ لیتا جس طرح وہ رسالے پھینک کر اٹھی تھی اور لہجہ تیز ہوا تھا۔

”میں کیوں شکایتیں کروں گی تمہاری اس سے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی عمارہ۔“
”ہاں غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنیاد پر اس نے مجھ سے جو بحث کی اور مجھے مجرم بنا کر کٹہرے میں اکٹھا کیا، ایسا کون سا ظلم کر لیا تھا میں نے امرت، زیادہ سے زیادہ تم سے اچھی طرح سے بات نہیں کرتی تھی اور کیا ایسا تھا۔“
”مجھے تم سے کبھی کوئی اچھی امید رہی بھی نہیں عمارہ۔“

”یہ سچ ہے کہ مجھے دکھ ضرور تھا تمہارے رویے کا مگر یقین جانو میں گوہر سے کیوں کہوں گی، اگر ضروری ہوتا تو میں تمہیں کہہ دیتی، میں کوئی تم سے ڈرتی تو نہیں تھی۔“
”امرت پلیز مجھے کسی قسم کی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“
”میں تمہیں کس لئے وضاحت دوں گی میں تمہیں بتا رہی ہوں عمارہ۔“

”بہر حال تمہارا جو خیال تھا کہ علی گوہر کو میرے خلاف کر کے تم مجھے ریٹائر کرادگی یا اس کے

وجہ سے مجھ سے معافی منگواؤ گی تو یہ تمہاری خوش فہمی ہی ہے، تم نے جو کیا خود کیا، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میرے لئے تم کسی محاذ پر کھڑی ہو جاؤ، پھر بھی تمہارا شکریہ، مگر معافی میں بہر حال نہیں مانگوں گی، چلتی ہوں۔“ اس نے میز سے اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔
وہ حیران پریشان سی افسوس سے رسالوں کے ڈبیر کے بیچ بیٹھی رہ گئی کتنی ہی دیر تک ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

”آف ہو گئی ہے آپ چلیں باہر رکشہ کھڑا ہے آپ کے انتظار میں۔“ ملازم کچھ دیر میں اندر آیا تھا، وہ جب چپ چاپ تھی۔

”ان کا کیا کرنا ہے میڈم!“ اس کا اشارہ رسالوں کی طرف تھا۔
”انہیں الگ کر کے رکھ لیں، میں کل دیکھوں گی۔“ وہ غائب دماغی سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی، عمارہ ہمیشہ اسے پریشان ہی کرتی تھی، اس سے بات کر کے اسے کبھی کبھی ملا سوائے دکھ اور افسوس کے۔

☆☆☆

”آٹھواں مہینہ، پہلا دن۔“ کیلنڈر دیکھتے ہوئے پہلی بار ہاتھ کانپے تھے۔
”وقت کا حساب کتاب بڑی دشوار چیز ہوتی ہے، جان نکال دیتا ہے یہ وقت بھی نا، تو ایک مہینہ آٹھ دن میں، میں کیا کچھ کر سکتا ہوں لکھ کتنا قیمتی ہوتا ہے۔“ پہلی بار احساس ہوا تھا، تو سب سے پہلے کیا کام کرنا چاہیے، گھر پہلے سے کچھ بہتر لگ رہا تھا، گھر کو مزید کچھ بہتر بنانے کا نہ وقت تھا نہ ہی ضرورت، تو کیوں نہ خود پر توجہ دی جائے اور نکھار لایا جائے، سب سے پہلے صبح سویرے شیو کی چہرہ صاف کیا بال کنوائے ٹائی کے پاس چاکر، چار گرمیوں کے سوٹ لے کر سلوانے کو دیئے اور رخ کیا علی گوہر کے گھر کا، جو سب سے ضروری کام تھا، دروازے پر بتل لگی ہوئی تھی دروازہ پینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

”جی آپ کون؟“ عمارہ ابھی ابھی دفتر سے گھر پہنچی تھی تھوڑی دیر پہلے ہی، اس نے سمجھا تھا گوہر آیا ہوگا۔

”مجھے علی گوہر سے ملنا ہے۔“

”وہ گھر پر نہیں ہے، کوئی پیج ہو تو دے دیں۔“

”تمہارا ابا گھر پر ہے؟“

”وہ بھی نہیں ہیں، آپ ہیں کون؟“

”تم مجھے نہیں جانتیں، پر میں تمہیں جانتا ہوں، عمارہ ہو تم۔“

”جی ہاں، میں عمارہ ہوں۔“

”عمارہ کیا ایک گلاس پانی کامل سکتا ہے، کیونکہ میں نے علی گوہر سے کہا تھا اس کے گھر کا پانی

پینے ضرور آؤں گا ایک دن۔“

”آپ پانی پینے کے لئے علی گوہر کے گھر آئے ہیں (تف ہے اس عقل پہ)۔“ وہ مسکرائی تھی

بے ساختہ۔

ماہنامہ حنا (157) اگست 2014

”تو مل جائے گا پانی بیٹے۔“

”ہاں ضرور ملے گا، میں آپ کو اندر بلا لیتی مگر اس وقت گھر پہ کوئی نہیں، اماں بھی نہیں ہیں۔“ پانی بہر حال لاتی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی اندر آئی کچن کی طرف پانی ٹکالا فریج سے اور لے آئی وہ بھری دھوپ میں پسینے میں مثل تھے۔

”شکر یہ بچے۔“ انہوں نے گلاس تھام لیا دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی تین وقفوں سے پیا اور اٹھے اسے گلاس پکڑا یا۔

”میں علی گوہر سے کیا کہوں کون آیا تھا؟“

”اسے کہنا کہ پروفیسر آیا تھا، تمہاری چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی پیا، وعدہ پورا کیا اپنا، تم بھی ایک چکر لگا لینا ایک مہینے آنکھ دن کے اندر اندر ورنہ شاید پروفیسر کو نہ پاؤ گے کبھی اس دیرانے میں، اب بولو میں نے کیا کہا؟“ اس کے چہرے پر الجھے تاثرات دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ اس کے پلے شاید ہی کچھ پڑا ہو۔

”پروفیسر صاحب آئے تھے دروازے پہ بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا اس مہینے چکر لگا لینا، بس یا اور کچھ؟“

”ہم لفظوں کا ہیر پھیر ہے مگر بات پہنچا سکتی ہو۔“

”چلو ایک بات اور سنو۔“ وہ ذرا راز داری والے انداز میں کچھ نزدیک ہوئے۔

”پلیز آسان لفظوں کا انتخاب کیجئے گا۔“ اس کے چہرے پر صاف ہیزاری تھی۔

”اسے کہنا امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے۔“

”کون سی امانت، وہ سرخ کوٹ۔“

”اوہ وہ تو میرے بیٹے کا ہے ہاں چلو اسے کہنا اگر اسے وہ کوٹ پسند ہو تو رکھ لے میں حالاً اسے بات کر لوں گا، مگر میں ایک گھڑی کی بات کر رہا ہوں جس کی گرہ کسی سے نہیں کھلی۔“

”وہ تو کسی لڑکی کی امانت ہے شاید۔“

”اسی کو لوٹانی ہے۔“

”کہاں ہے وہ؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا، تم اسے کہنا پروفیسر غفور کے گھر کا چکر لگا لے۔“

”اب اس کے گھر کا چکر کیوں لگائے وہ، وہاں کیا ہے؟“

”اف اوہ تم کہہ دینا بس، ٹھیک ہے یاد ہے نا۔“

”اب میں یہ سب دوبارہ نہیں بولوں گی۔“

”ٹھیک سے فریج دے دینا اسے، کہہ دینا دیر نہیں کرنی چاہیے۔“

”بس یا اور کبھی کچھ ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں ہوگا۔“

”نہیں فی الحال کافی ہے یہ سب، اسے سلام بھی کہہ دینا۔“

”چلیں کہہ دوں گی۔“

”چلوں گا، خدا حافظ۔“

ماہنامہ حنا (158) اگست 2014

”اللہ حافظ۔“ اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا اور کندھی چڑھا دی۔
”عجیب آدمی ہے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آگئی مگر ذہن اسی گٹھڑی کی طرف اشارے کر رہا تھا۔

☆☆☆

”نوکری نہیں تو کیا ہوا، مزدوری تو ہے، کام تو کام ہے، اپنا ہی کہا ہوا بیج کر دکھانا پڑا۔“
کانڈات جیب میں رکھ کر پیلے اٹھایا، سینٹ بکری ملا ملو بہ ڈھو کر اوپر تک لے جاتا تھا، لکڑی کی سیڑھی پہلی بار ٹانگیں کانپی لگ رہا تھا چکر آنے پر اگر پاؤں بے قابو ہوا تو دوسری منزل سے نیچے فرش پر، وہ ڈرتا پڑتا ایک باری کے بعد نیچے بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔

”کہا تھا بابو صاحب تجھ سے یہ کام نہیں ہوگا، بڑی مشقت والا ہے یہ دھندہ، ترس آرہا ہے تجھ پر، بولو کتنا پڑھا ہے۔“

”ماسٹرز کیا ہے ادا۔“ وہ مزدور کے ساتھ بیٹھا ہانپ رہا تھا۔

”میری مان ہو گیا شوق پورا اب گھر جا کپڑے بدل اور کوئی اور کام ڈھونڈ، دھندے بہت ہیں، یہ کام مختوں والا ہے نہیں کر پاؤ گے باؤ، اپنی تو جوانی کو ضائع نہ کر، کیا رنگ ہے گورا چننا، چار دن میں جل جائے گا، کیا نین تھش ہیں، کون سی لڑکی مزدور سے شادی کرے گی، اس سے بھلا ہے کچھ نہ کر، یا پھر قرضہ درضہ لے کر کوئی کاروبار کر لے چھوٹا موٹا، ارے دوکان ہی کھول لے۔“ وہ آدمی اس کی ہمدردی میں مراجارہا تھا۔

اس نے پانچتے ہوئے جوتے پہنے اور ٹائی مگلے سے نکال کر جیب میں رکھتے ہوئے اٹھا، کپڑے جھاڑے مگر سینٹ کے دھبے اور مٹی کے داغ سفید شرٹ پر چپک سے گئے تھے۔

”کل پھر آؤں گا بھائی، مگر کل بابو والا نہیں مزدوروں والا لباس پہن کر آؤں گا، پہنی پرانی قمیض کوئی اور چھوٹا سا درمال سہا کر آؤں گا کندھے پر، ڈھیر سارا تیل بالوں میں لگا کر آنکھوں میں سرما پہن کر کوئی تھینا اٹھائے آؤں گا، پھر کل جو مزدوری ملے گی اسے بائیں جیب میں چھپا کر جاؤں گا بنوہ بھی گھر چھوڑ آؤں گا اور ڈگری بھی، پھر نہیں آئے گا تمہیں مجھ پر ترس۔“ بات تو مسکرا کر کہی تھی مگر سننے والا پھر بھی مسکرا نہ سکا تھا اور وہ داغ دار لباس پہن کر مسکراتا ہوا سوچتا جارہا تھا کہ گھر جا کر سب سے پہلے آئینہ دیکھوں گا اور خود کو اپنی اوقات بتانے میں آسانی ہو جائے گی۔

☆☆☆

”یہ کیا حالت بنائی ہے اپنی، آ کہاں سے رہے ہو، پھر کسی جگہ تو نہیں گئے تھے۔“ وہ ابھی گیٹ سے اندر داخل ہی ہوا تھا۔

”اماں کہاں ہیں؟“

”اماں دوپہر سے گئی ہوئی ہیں کہیں ابھی لوٹی نہیں اور بابا ابھی ابھی لیٹے ہیں عصر پڑھ کر، مگر تم یہ کیا بن کر آئے ہو۔“

”کپڑے بدل کر آتا ہوں۔“ وہ فوراً کمرے میں گھس گیا اور بیس منٹ بعد نہا کر باہر آیا برآمدے میں جا نماز پچھائی اور عصر ادا کرنے لگا، وہ جب تک اس کے لئے چائے بنا کر آگئی۔

ماہنامہ حنا (159) اگست 2014

”حزردوری کرنے گیا تھا۔“ وہ اس سے چائے لے کر کرسی پر آ بیٹھا سر پہ ابھی بھی نماز والی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، مگر رے ٹکڑے کرتے میں وہ بہت سادہ نقیس اور سلجھا ہوا لگ رہا تھا خصوصاً اس طرح کی بات کرتے ہوئے تو کچھ زیادہ ہی، سلیپر سے پاؤں نکال کر وہ صحن کی طرف رخ کر کے بیٹھا ہوا چائے کے سیپ لینے لگا۔

”ہوش میں تو ہونا۔“ وہ اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر چادل پٹنے لگی ایک بڑا سا تھال گود میں رکھے۔

”ہوش میں آنے کی کوشش تو کی ہے، سوچا تھا تین سو پچاس روپے امیں کو کیسے دوں گا پہلی کمائی، شاید کل اس سے زیادہ دے سکوں تین سو پچاس روپے روز کہ ملا کر کل کتنے نہیں گے عمارہ، تمہارا میچہ مجھ سے زیادہ اچھا ہے نا۔“

”ٹوکل ساڑھے دس ہزار، تمہاری سٹری سے پھر بھی کم ہی ہو گئے مگر ملا جلا کر کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔“ وہ اگلیوں پر گھنٹے ہوئے بولا۔

”تم سنجیدہ ہو گو ہرہ حزردوری کرو گے تم؟“

”تو کیا ہوا حزردوری کام نہیں یا حزردوری کرنے کے بعد میں انسان نہیں رہوں گا حزردور بن جاؤں گا۔“ وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

”مجھے نہیں یقین آ رہا تم اتنی جلدی ہار مان لو گے گو ہر۔“ اسے قطعی پسند نہ تھا یہ آئیڈیا۔

”میں نے ہار کو شکست دی ہے یہ بتایا ہے خود کو میں بے کار نہیں ہوں نہ ہی کوئی کام بے کار ہے۔“

”تم ایسا کرو چلے جاؤ بورڈ، مجھے کسی اسکول میں کام مل جائے گا ویسے بھی یہ کام مجھے بہت پور کرتا ہے اور پھر جیسے میرے اور امرت کے حالات ہیں شاید ہی میں زیادہ دیر تک پاؤں، مجھے پتہ ہے چار دن ٹھہر کر اس نے میری کمپین کرنی ہے اور مجھے گیٹ سے باہر ہو جانا ہے۔“ وہ بڑے مزے لے لے کر بتا رہی تھی جیسے کوئی خوش گوار کہانی بتا رہی ہو۔

”تم نے پھر کوئی بحث کی ہے اس کے ساتھ۔“ اسے اندازہ ہو گیا۔

”کیوں کیا پھر شکایت تم تک ہیں بچی کوئی۔“

”عمارہ.... کیا کیا ہے پھر۔“ وہ بڑے فسوس سے دیکھنے لگا۔

”اس کا شکریہ ادا کیا مگر معافی نہیں مانگی۔“

”عمارہ۔“ فسوس کے ساتھ بے چارگی شامل ہو گئی۔

”کیا ہوا، اب تم ہر کسی کے لئے اتنے پریشان مت ہو جایا کرو۔“

”میں کتنی بار اس سے معافیاں مانگوں گا تمہاری وجہ سے۔“

”تو مت مانگو معافی تمہیں کس نے کہا ہے معافی تلافی کرنے کو۔“

”تمہیں ملتا کیا ہے اسے ہرٹ کر کے، اس کی انسلٹ کر کے۔“

”تمہیں تکلیف کیوں ہوتی ہے گو ہر ہڑب ٹرپ جاتے ہو اس کے لئے۔“

”میں نے سمجھا تھا گزرتے وقت کے ساتھ تم میچور ہو جاؤ گی، مگر تمہارا آئی کیو لیول بجائے

ماہنامہ حسنا (160) اگست 2014

بڑھنے کے گھٹنا ہی جا رہا ہے، تیز، لحاظ، محبت نہ سہی مروت ہی سہی اور وہی سہی مگر نہیں، تمہارے خانے سے ان چیزوں کی یا تو ایکسپاٹری ہو چکی ہے یا پھر سرے سے کی تھی، مجھے اس سے بات کرنا پڑے گی، پتہ نہیں اب وہ مجھ سے بات کرے بھی یا نہیں۔" وہ پریشان سا ہوا اٹھا تھا۔

"کر لینا بات مجھے پتہ ہے تمہارے اندر سب کا احساس ہوتا ہے ساری لڑکیوں کا درد کھائے جاتا ہے تمہیں، میں بھی جا رہی ہوں تم سے بات کر کے کچھ ملنا تو نہیں سوائے ملامت کہ مگر کسی کا میج تھا جو تمہیں دینا تھا۔" وہ چادل صاف کر چکی تھی، اٹھتے ہوئے اسے جتا کر بولی تھی جو اسے نظر انداز کر کے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا تھا۔

"کوئی ملگ آیا تھا تم سے ملنے کے لئے پیغام دے گیا ہے۔" وہ نمبر ڈائل کرتے ہوئے رکا مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

"دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا علی گوہر سے کہنا وعدہ پورا کر لیا ہے۔" بال لمبے تھے، بڑی سی داڑھی، بے ترتیب حلیہ، ایسا تھا، وہ اس بات پر فون رکھ کر فوراً حوجہ ہوا تھا۔ "بال نارمل تھے، کئے ہوئے، تازہ شیو کی تھی شاید، داڑھی نہیں تھی، مونچھیں نہیں، حلیہ بس ٹھیک تھا۔"

"کیا کہا اور اس نے؟"

"امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے، پروفیسر غفور کے گھر جاؤ اور ایک مہینے کے اندر ملنے آنا، وقت کم ہے وغیرہ وغیرہ۔" وہ کچھ سمجھتے نا سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"اور ہاں وہ سرخ کوٹ اس کے بیٹے کا ہے شاید پروفیسر صاحب، اوہ..... اور کیا کہا۔"

"بس شاید یہی کہا تھا۔" اس نے ذہن پر زور دینے کی پوری کوشش کی۔

"اس طرح نہیں کہا ہو گا جیسے تم کہہ رہی ہو۔"

"ہاں، اب جیسے بھی کہا تھا مطلب تو یہی ہوا نا۔"

"پروفیسر غفور کے بارے میں کچھ اور کہا؟"

"نہیں بس یہی کہ کھڑی لے کر جانا، امانت لوٹانی ہے۔"

"اوہ۔" وہ اب پوری بات سمجھ گیا۔

"یہ بھی کہا کہ وقت بہت کم ہے؟" اس نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں شاید کہا تھا۔" وہ تھال اٹھائے کچن کی طرف چلی گئی، وہ تیز تیز قدموں سے اپنے

کمرے میں آ کر تجوری کھولنے لگا، وہ سرخ کوٹ پہن کر کھڑی اٹھائی اور جیب میں اڑسی انہیں قدموں بائیک نکالی گھر سے غلت میں نکل گیا۔

"گوہر بات سنو، گوہر جا کہاں رہے ہو بات تو سن لو بھئی۔" وہ پیچھے کچن کی کھڑکی سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ عصر کا وقت تھا جب پروفیسر غفور کا سجدہ کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تھا اور وہ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی سرگٹھنوں پر نکائے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

ماہنامہ حنا (161) اگست 2014

جب انہوں نے سلام پھیرا تھا اور اس کی طرف دیکھا اور اسے اشارے سے پاس بلایا، وہ وہاں سے اٹھ کر ان کے نزدیک آئی تھی۔

”کیا چاہیے میری مریم کو؟“ ایسے پوچھا جیسے کوئی ماں بچے سے پوچھتی ہے، یا پھر باپ بچے سے پوچھتا ہے، کیا چاہیے تاکہ دنیا کی ساری خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔

”پتہ نہیں مریم کو کیا چاہیے ابا۔“ پہلی بار ابا کہا تھا ایسے کہا جیسے کوئی بچہ بہت سے کھلونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب نہ کر پاتا ہو۔

”میری بچی کو کیا چاہیے؟ میری مریم کو۔“

”مریم کو خدا جانے کیا چاہیے پر مجھے سکون چاہیے ابا۔“

”کس سے چاہیے سکون، بولو کس سے بات کرو۔“ ایسے پوچھا جیسے کوئی تحمل والا استاد نادان بچے سے رعایت کر کے آدھا سوال پوچھ لیتا ہے یا سوال پوچھتے وقت اشاروں میں آدھا جواب تو خود دے دیتا ہے۔

”اپنے خدا سے کہیں مجھے سکون دے دے۔“

”اپنے خدا سے کہوں مجھے سکون دے دے، ویسے ہی کہا جیسے استاد خود نادان بچہ بن کر دکھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے تاکہ شاگرد اصلاح کرنا سیکھ جائے۔“

”اپنے خدا سے کہیں اے پیارے خدا امر کلہ کو سکون دے دے۔“ امر کلہ تھک گئی تھی۔

”بہت ٹھوکریں کھائی ہیں ابا جی، بہت تھک گئی ہوں، زندگی نہیں چاہیے، صحت بھی نہیں چاہیے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے سکون کے اور اطمینان کے۔“ ایسے روئی تھی جیسے بچے ماں باپ کے آگے روتے ہیں، جب پرچے میں نمبر نہیں لے پاتے، جب کارکردگی نہیں دکھا پاتے، جب اسکول سے ہیدل آتے آتے تھک جاتے ہیں، جب ٹیچرن سے پاؤں شل ہو جاتے ہیں، تو وہ بے بسی سے ماں باپ سے لپٹ کر رو لیتے ہیں۔

”یا اللہ! میری بچی امر کلہ کو سکون بھی دے اور اطمینان بھی محبت بھی دے اور ایمان بھی، سلامتی بھی دے اور سرخروئی بھی، زندگی بھی دے اور صحت۔“

ایسے دعا مانگی جیسے ایک کے بجائے اے دس فرمائشیں پوری کرنی کی کوشش کرتے ہیں، سفارش پوری ہی تھی اور امر کلہ اے کا ہاتھ پکڑ کر ایسے روئی ایسے روئی کہ چپ ہونے کا نام بھی نہیں لے رہی تھی یہاں تک کہ عصر اور مغرب کا وقت گزرنے لگا۔

☆☆☆

اے عشق بتا کچھ تو ہی بتا

اب تک یہ مہر حل نہ ہوا

ہم میں ہے دل بے تاب نہیں

یا آپ دل بے تاب ہیں ہم

موٹر ہائیک جہاز کی طرح اڑی تھی اور اڑ کر جیسے پہنچ گئی، گلی میں کھڑی کی، چابی نکالی، تالا ڈالنا بھی یاد نہ رہا اور پروفیسر غفور کا دروازہ بچنے لگا۔

ماہنامہ حنا (162) اگست 2014

وتر کی پہلی رکعت تھی، جب ذہن کا تسلسل ٹوٹنے لگا، دروازے کے دھڑا دھڑ بچنے پر دل دھک دھک کر رہا تھا، دوسری رکعت میں یا اللہ، خیر دل سے نکل رہا تھا، تیسری رکعت تک ماحول اور منتشر ہو چکا تھا، سلام پھیرا، نہ دعا کی نہ تسبیح، تسبیح انگلیوں پر کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا جاؤ نماز گھٹی پڑی تھی۔

”خیر ہے سب، علی گوہر تم؟“ تسبیح کرتے ہاتھ رکے تعجب سے۔

”اس وقت یار، سب خیریت ہے نا، ابا تیرا ٹھیک ہے۔“

”سب ٹھیک ہے، اندر آ جاؤں۔“ وہ بے چینی سے دروازے کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

”آ جاؤ، اس وقت، اچانک، تو اب مغرب نہیں پڑتا کیا؟“

”پڑھ لوں گا قضا (ظہر بھی گئی مغرب بھی قضا ہوئی)۔“

”اچھا ٹھیک ہے آ جاؤ۔“ تسبیح پوری کرتے ہوئے جاؤ نماز اٹھا کر طے کر کے رکھی اور چھڑی اٹھا کر صحن میں آ گئے۔

وہ بے چینی سے پورے گھر کا جائزہ لے رہا تھا، آنکھوں میں آنکھوں سے، ایک اکلوتا کمرہ تھا اس گھر کا جس کا دروازہ پورا کھلا تھا ایسے کہ کمرے کا ہر ایک کونہ نمایاں تھا بیچ میں لگے دروازے کے کھلنے پر اس کے آگے برآمدہ، وہیں چھوٹا سا بچن کا منظر پیش کرتا ہوا ایک کونہ، ایک چوکی، ایک چولہا، چند برتن اور ایک چھوٹا سا فریج دو کرسیاں ایک میز، چھوٹا سا صحن جس میں دو چار پانیوں کے بعد ٹھوڑی سی جگہ ہی بچتی تھی، ایک طرف چار گیلے ایک طرف باہر کی دیوار، تیسری طرف دروازہ جو باہر کھلا تھا، پورا گھر ہی سامنے تھا۔

”کیا چاہیے علی گوہر، کس چیز کی تلاش لے رہا ہے۔“

مناسب الفاظ کی تلاش میں رات ہی تمام ہو جاتی تھی، اس نے بس الفاظ کا چناؤ کیا بکھرے بے ترتیب ٹوٹے ٹھٹھ۔

”امانت، لڑکی، کوئی لڑکی ہے، آپ کے پاس یہاں، کسی کو دیکھا، یہاں کوئی اور ہے، ملنا ہے۔“

”اوہ..... اچھا..... ہاں تم نے کہا تھا نا کہ کوئی بھی لاوارثوں کی طرح گٹھڑی اٹھائے یا تھیلیا تھینٹے بیچ سڑک یا سڑک کے کنارے کوئی لڑکی پریشان دکھائی دے تو اسے اپنے ساتھ لے آنا، میں لے آیا، کون بھی وہ؟“ دیوار سے لگ کر کھڑا تھا۔

”نام اپنے بہت سارے بتاتی تھی نہ پتہ، نہ ٹھکانہ۔“

”پروفیسر ملے تھے اس سے، ہاتھ جیب پر رکھا تھا جس میں خزانہ تھا۔“

”ہاں میں لے گیا تھا اس کے پاس۔“

”وہ امریکہ تھی۔“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

”ہاں اس نے آج مجھے بتایا کہ اس کا نام امریکہ ہے، بلکہ اس طرح کہا کہ امریکہ کے لئے دعا کریں اسے سکون چاہیے۔“

”کبیر بھائی کہاں ہیں؟“

ماہنامہ حنا (163) اگست 2014

”کون میں کسی کبیر بھائی کو نہیں جانتا لڑکے۔“

”جن کے ساتھ وہ پہلے تھی۔“

”اس سے پہلے کہاں تھی نہیں معلوم۔“

”مجھے اس بارے میں واقعی نہیں پتا، ہو سکتا ہے پروفیسر کو بتایا ہو فنکار بڑا چالاک آدمی ہے کچھ تو پوچھ ہی لیتا ہوگا، اتنا تو اندازہ ہے مجھے کہ وہ ملاقات ناکام نہیں گئی ہوگی، میں تو سو گیا تھا۔“

چھڑی فرش پر نکائے چھڑی کے ایک سرے پر دونوں ہاتھ رکھے اسٹول پر جم کر بیٹھے تھے۔

”مجھے اس سے ملنا ہے، ایک امانت لوٹانی ہے اس کی۔“

”وہ شاید تم سے منہ مل سکے، جیسی تو تم اس کی غیر موجودگی میں آئے ہو۔“

”وہ ہے کہاں پلیز مجھے بتائیں۔“ وہ دیوار سے ہٹ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”آج چرچ گئی ہوگی، کہہ رہی تھی خدا کو تلاش کرنے جا رہی ہوں، جب تھک گئی تو لوٹ آؤں گی، رات تک اس نے آجانے کا کہا تھا، آج پہلی بار اسے عبادت کا شوق ہوا تھا، میں نے کہا جیسے عادی ہو ویسے پکار دو اسے۔“

”کہنے لگی مسجد، مندر، گرجا؟“

”میں نے کہا، تمہیں وہ کہاں ملا؟“

”کہنے لگی ملا ہی نہیں۔“

”میں نے کہا تو ڈھونڈو، اپنے پرانے طریقے سے ہی، پھر مجھ سے اجازت لی اور چل دی۔“

”کیوں جانے دیا آپ نے اسے، کچھ دیر تو روک لیتے۔“ وہ فرش پر بیٹھ گیا، چہرہ تاریک تھا۔

”سب آئے گی وہ، آئے گی بھی یا نہیں؟“

”آج اس نے مجھے ابا کہا ہے، اصولاً تو آ جانا چاہیے، اس کا کوئی لھکانہ بھی نہیں، کہہ رہی تھی

تھک گئی ہوں، مجھے لگتا ہے لوٹنے کی۔“

”کب..... کب لوٹنے کی؟“

”آج رات ہی لوٹنے کی، مگر کئے گی یا نہیں، یہ نہیں معلوم۔“

”آج صبح سے دل دھڑک رہا تھا کسی خدشے کے تحت، لگ رہا تھا کچھ غلط نہ ہو، مغرب کی

نماز بھی منتشر ہو گئی، مگر وہ آئے گی ضرور دل کہتا ہے میرا۔“

”ساری رات یہاں بیٹھا رہوں گا، بس ایک ملاقات، بس آخری بار ہی سہی۔“

”آخری بار کی بہت جلدی نہ کر شہزادے، ہو سکے تو اس ملاقات کو ٹال دے، طول دے

دے، اب نہ سہی، پھر بھی، تو چلا جا، وہ آئے گی تو تمہارا پیغام دے دوں گا۔“

”میں نہیں جاؤں گا، کبھی نہیں جاؤں گا، ایک بار ملوں گا، امانت لوٹاؤں گا، ساری رات بیٹھ کر

گزار دوں گا۔“ وہ خندی بچے کی طرف چوکھٹ چکڑ کر بیٹھ گیا۔

سمجھ طور ہو، سمجھ حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے

وہ کبھی ملیں، وہ کبھی ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کبھی سہی

ماہنامہ حنا (164) اگست 2014

”ضد نہ کر علی گوہر، زندگی نے ہمیں بھی بڑے صدمے دیئے ہیں۔“
 ”مگر حوصلہ نہیں مرا، تو کہہ آج نہیں تو پھر سہی، پھر نہیں تو پھر سہی، آج اگر اختتام ہوا تو لمبی
 دھول اڑے گی، کیا پتہ آج آغاز ہو۔“ عجیب خوش فہمی نے دل پکڑ لیا۔
 اسے دیکھنے کی جو لوگی تو سفیر دیکھ ہی لیں گے ہم
 وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، ہو ہزار پردہ نشین سہی
 ”یہی وقت ہوتا ہے جاتے میں خواب دیکھنے کا، کوئی نہیں روک سکتا تمہیں، مگر وہ لگتا ہے
 خوابوں سے نکل آئی ہے، اگر اس نے تمہیں نہیں پہچانی، اگر آج اختتام ہوا علی گوہر؟ تو تیرے
 خوابوں کی عبارت ڈھے جانی ہے، میں چاہتا ہوں تو امید پر جیسے، کبھی سہی، کبھی سہی۔“
 ”بھولی امید پر جیوں، آج نہ ملا تو شاید خوش گمانیاں عمر بھر کے لئے مرجائیں گی، جو ہو سو آج
 ہو، (تھانہ دل نادان)۔“

جو ہو فیصلہ، وہ سنائیے، اسے حشر پر نہ اٹھائیے
 جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ سہیں سہی
 ایک ہی رٹ تھی جو وہ لگائے بیٹھا تھا، سرخ کوٹ پہنے ایک جوگ چوکٹ پڑے بیٹھا تھا،
 رات کو اسی طرح تمام ہو جانا تھا۔

☆☆☆

”رات پوری ہو گئی عمارہ، فجر ہونے لگی ہے، میرا علی گوہر ابھی تک نہیں لوٹا۔“ صحن میں پڑی
 چار پائی پر سیدھی لیٹیں وہ آسمان کی طرف دیکھتے بولیں، مانند اڑہ تھا کہ وہ بھی جاگ رہی ہے۔
 ”آجائے گا اماں، رات گزر گئی ہے اب آجائے گا۔“
 وہ جو چادر کے ایک کونے سے آنکھ لٹالے ارد گرد دیکھ رہی تھی سیدھی ہو کر ٹوٹے بکھرتے
 قائب ہوتے ہوئے تاروں کے کھیل تماشے دیکھنے لگی۔
 ”وہ آجائے گا نا، کہاں گیا تھا وہ، تمہیں تو پتہ ہو گا نا۔“ ماں کے دل کو کسی طرح سے قرار نہیں
 تھا جب تک اسے دیکھ نہ جیتی، جہیں نہیں آتا تھا۔
 ”آجائے گا اماں، بہت دنوں سے روز باسٹری نہیں کی تھی نا، آوارہ گردی کرنے گیا ہو گا، آ
 جائے گا صبح تک، سو جا میں فجر میں ابھی تھوڑا نام ہے۔“
 ”سو گئی تو فجر نکل جائے گی، تو سو جا، تمہیں صبح ڈیوٹی پر جانا ہے، مگر پہلی ڈیوٹی فجر ہے۔“
 ”اٹھا دینا اماں اذان ہوتے ہی کچھ منٹ آنکھ لگ جائے تھک گئی ہوں، پوری رات جاگی تھی
 خود سے لڑتے تھک جاتا ہے بندہ۔“ اس نے آنکھیں بند کیں، نیند پلوں کے کناروں پر کھڑی
 جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

”جس خدا کی تلاش میں لوگوں نے زندگیاں دے ڈالیں وہ تجھے ایک رات میں کہاں ملے گا
 امر کل۔“ جہج سے باہر نکلتے ہوئے بھی دل اتنا ہی خالی تھا جتنا خالی دل لے کر آئی تھی، مگر ایک
 دھارس تھی کہ تلاش کا آغاز تو ہوا، علی گوہر نے کیا خوب کہا کہ

ماہنامہ حنا (165) اگست 2014

”ہو سکتا ہے آغاز ہی ہو، اسے کوئی سیدھا سادھا طریقہ زندگی چاہیے تھا کیونکہ وہ پھر الف سے آغاز کرنا چاہتی تھی۔“

”جن کو ایک لمحے میں خدا مل جاتا ہوگا، وہ بھی کچھ خوش نصیب ہونگے اس جہان میں، مگر کتنی کٹھنائیوں کے بعد یہ کوئی ان سے پوچھتا۔“ خالی دل لے کر اس نے واپسی کا راستہ لیا، آج لوٹ آنے کا وعدہ جو کیا تھا کسی سے اور لیا بھی کہا تھا۔

”میں چلی گئی تو کہاں جاؤں گی، مگر ان کا بھی کیا ہوگا، بستر کون سیٹے گا، کپڑے کون دھوئے گا ان کے، کھانا کون بنائے گا، لجر پر چھڑی بجا کر کون جگائے گا، ابا کون کہے گا اسے۔“

”اور مجھے کون رکھے گا، کون بنی کہے گا، کون سہارا دے گا کما کر کھلائے گا، خیال رکھے گا، خدا کی طرف جانے والے رستوں پر روانہ کر کے پھر گھر لوٹنے کا کہے گا، کون میرے نہ لوٹنے پر میرا انتظار کرے گا، لمحے چانچے گا، پل گئے گا۔“

کوئی خیال اٹنے قدموں واپس لے آیا تھا، رات تمام ہونے کو تھی، ابھی کسی سواری کا ملنا بھی دشوار تھا، وہ چرچ سے تین بجے کے درمیان پیدل نکلی تھی، پاؤں شل ہو گئے تھے۔

”کھانا نہیں کھایا ہوگا ابے نے، انتظار کرتا ہوگا۔“ لمحہ لمحہ بھاری تھا، قدم تیز پھر چکے، پھر تیزی پکڑتے، گھر سے دو گئی آگے کا رستہ تھا، موڑ تھا، وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی اور رکی رہ گئی۔

اس کی طرف اس کی پشت تھی، وہی سرخ کوٹ جو پہلی ملاقات پر پہن کر آیا، نشانی کیا تھی اس نے سفید رنگ کے کپڑے کی پشت پر ایک پٹی چسپاں کی تھی، پکے دھاگے سے سی تھی، مونے مونے نائکے نمایاں تھے، اندھیرا اتنا بھی نہ تھا، اندھیرا چھٹ رہا تھا، چودھویں کی رات تھی دور سے ہر کچھ دکھائی دیتا تھا۔

”حالاً تم لوٹ آئے کس لئے، کس کے لئے، حالاً وہی جسم امت وہی قدامت، وہی اسٹائل ہال بھی پیچھے سے وہی، جیسی تو فنکار نے قائم مقام شہزادہ بتایا تھا علی گوہر کو۔“ سائیڈ پوز سے جب چہرہ مڑ کر سامنے آیا تو وہ دنگ رہ گئی، حالاً کے روپ میں علی گوہر تھا۔

”یہ کہاں تھی۔“ وہ اوٹ میں ہو گئی، چپ گئی۔

”یہ تو وہی کوٹ تھا، پیچھے سے حالاً، سامنے سے علی گوہر۔“

حالاً نے جیسے رخ پھیر لیا تھا اور علی گوہر جیسے بے تاب تھا کیا بے چینی تھی اس کے چہرے پر، کیا طلال تھا، وہ ساکت رہ گئی، دل جیسے دھڑکنے بھول گیا، کہانی نے کیا رنگ بدلا تھا، جب علی گوہر نے شکستہ انداز میں رخ بدلا تھا، پھر ہار تسلیم کی تھی۔

وہ وہیں رکی گھر سے دو گئی دور، نہ ادھر ہوئی نہ ادھر دل چاہ رہا تھا اسے آواز دے دو، آخری بار مل لو۔

مگر یہ آخری بار کتنا مشکل ہوتا ہے، آخری بار وہ امرت سے بھی ملی تھی تب بھی سانس اٹکی تھی، آخری بار وہ کبیر بھائی سے ملی تھی تب بھی خود کو سنبھالنا مشکل تھا، آخری بار اس سے حالاً بھی ملا تھا، تب بھی زندگی رک گئی تھی اور اب آخری بار علی گوہر آیا تھا، جس کے ہاتھ میں کپڑے کی ٹکڑی تھی، یہ آخری بار ایسا تھا، جس نے بقیہ روح کو جسم سے کھینچ کر نکال دینا تھا، یہ آخری بار ایسا تھا جب جان

ماہنامہ حنا (166) اگست 2014

ایک جانی تھی اور راستے سارے ختم ہو جانے تھے، منزل کو کوئی سرانہ پہنچتا تھا اس لئے اس نے رک
 ہوئی سانس کو بحال کیا اور اسے آواز نہ دی، اسے نہیں روکا۔
 آگے سے علی گوہر، پیچھے سے حالار کی طرح چلتا تھا، مڑ کر نہیں دیکھتا تھا، شاید ایک بار مڑ کر
 دیکھتا تو اسی سوڑ پر تھا کہ امر کلمہ نہیں سامنے تھی، مگر وہ پیچھے اگر مڑ کر دیکھ لیتا تو شاید پتھر کا ہو جاتا۔
 اس لئے دل گرفتہ لئے وہ تھکے قدموں سے لوٹ رہا تھا پشت پر کسی کی گہری نگاہیں تھیں جسے
 علی گوہر نے اپنا وہم سمجھا تھا اور آنسو بائیں ہاتھ سے بے دردی سے رگڑے تھے۔

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں
 منزل پہنچنے کی دو ایک
 اے اہل زمانہ قدر کرو
 نایاب نہیں کم یاب ہیں ہم
 ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
 ملنے گے نہیں نایاب ہیں ہم

(جاری ہے)

☆☆☆

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- گمری گمری پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوپے میں
- دل وحشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرگرم روڈ لاہور۔

ماہنامہ حنا (167) اگست 2014

اسکائی سوسائٹی

چودھویں قسط

ستارا اسے دیکھ کر ایک دم حیران اور کھینچوڑا رہ گئی۔
 ”وہ طلال سے ملنا ہے مجھے۔“ اس نے شاہ بخت کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”آج میں۔“ وہ پیچھے ہٹ گیا۔
 ستارا اندر آگئی، طلال بیڈ پر نیم دراز تھا، اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھ گئی۔

”السلام علیکم؟“ ستارا نے دھیرے سے کہا، طلال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
 ”کیا خیال ہے؟ کام کی بات کریں؟“
 طلال کا لہجہ خاصہ ترش تھا جبکہ شاہ بخت حیرت میں گم چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔
 ”نیک ہے۔“ ستارا نے بھی وہ ٹوک کہا۔
 ”تو اس کے لئے بہتر رہے گا کہ پہلے آپ

ناولٹ

”بوجھ جائیں۔“ طلال نے کہا، ستارا صوفے پر بیٹھ رہ گئی۔

”کیا جانا ہے آپ کو؟“
 ”آپ کی اور ان کی لڑائی کی اصل وجہ؟“
 ”اور اگر میں نہ بتانا چاہوں تو؟“ طلال کا انداز تبصرا تھا، یہ تو وہ جان گیا تھا کہ یقیناً نوافل نے اسے کوئی نہیں بتایا تھا۔

”پھر آپ کی مرضی، میں بہر حال آپ سے زیر رہتی تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔“ وہ اسی طرح ناراض انداز میں بولتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”پلیز بیٹھ جائیں، میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں اور میرا آپ سے تو بہر حال کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“ طلال نے قدرے، پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

”اسی لئے تو میں یہاں آئی ہوں تاکہ وہ غلط فہمیاں دور کر سکوں جو آپ کے اور نوافل کے





درمیان ہیں۔“

”نہیں وہ غلط فہمیاں نہیں ہیں، وہ سچ ہے، جب آپ کو سچ کا پتا چلے گا تب آپ بھی انہی کا ساتھ دیں گی۔“ اس کے لہجے میں سچی کی آمیزش تھی۔

”میں کس کا ساتھ دوں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا ابھی آپ مجھے بتائیں کہ آپ کیا جانتے ہیں میرے اور ان کے متعلق؟“ اس نے فوراً سے اپنے مطلب کا سوال کیا تھا۔

طلال چند لمحے خاموشی سے زمین کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر شاہ بخت کو دیکھا اور ہنوکا جیسے اس کی یہاں موجودگی سے ابھی آگاہ ہوا ہو۔

”ارے یار تم کیوں کھڑے ہو، بیٹھو ناں۔“ اس نے کہا۔

”میرے خیال سے میری یہاں ضرورت نہیں ہے، تم جب فارغ ہو بتا دینا میں پلا آؤں گا ابھی میں چلتا ہوں۔“ بخت کو اپنا آپ غیر ضروری لگا تھا جیسی اس نے کہہ دیا۔

”بالکل نہیں ادھر ہی رکو۔“ تلال نے فوراً رد کا تھا۔

”لیکن یہ خالصتاً تمہارا معاملہ ہے میرا رکنا مناسب نہیں لگتا۔“ اس نے اس بار قدرے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

”تم کہیں نہیں جا رہے ہو، کہہ دیا نہ پس اور تم سے بڑھ کر میرا ذاتی کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے کسی قدرے افسردہ مگر مان بھرے انداز میں کہا تھا، اب شاہ بخت کو رکنا لازمی ہو چکا تھا، جیسی وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا، تلال نے ستارا کو دیکھا۔

”جی آپ کچھ پوچھ رہی تھیں۔“
”آپ کے اور ان کے درمیان جھگڑے کی

وجہ؟“

”یہ جھگڑا تو شاید ہماری پیدائش سے ہی شروع ہو گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔
”میں اور نوفل ٹوئز ہیں۔“ اس نے انکشاف کیا۔

”کیا واقعی؟“ ستارا حیران رہ گئی۔
”جی ہاں۔“ وہ طنز یہ بنسا۔

”پھر۔۔۔۔۔؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔
”پھر کیا، بس شخصیات اور مزاج کا فرق، وہ

رحمہل میں سنگدل، وہ نرم گو میں تلخ گو، وہ پرسکون سمندر میں جھلٹا آتش نشاں، وہ بے غرض اور میں خود غرض، وہ سخی اور میں بخیل، وہ عالی

ظرف اور میں کم ظرف، تو آپ ہی بتائیں آخر آپ سکائی کا فرسٹ ہیں، ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کام

کر چکی ہیں آپ کو پتا ہو گا کہ غصیتوں کے اتنے تضاد کے بعد دو لوگ بھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔“

اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بلیٹن نشر کر رہا ہو، لہجے میں اتنی لاپرواہی تھی جیسے کسی غیر متعلق شخص کی بات کر رہا ہو۔

”میں آپ کی بات سے قطعی اتفاق نہیں کرتی، غصیتوں کا کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو، مگر

میں رہنے والے افراد ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔“ ستارا نے اسے ٹوکا۔

”معاف کیجئے گا یہ آپ کی پاکستانی سوسائٹی کا دستور ہے جہاں یہ فارمولا اپلائی ہوتا

ہے، یورپ میں لوگ اس قسم کی پابندیوں سے قطعی مبرا ہیں۔“ تلال نے صاف گوئی سے کہا۔

”چلیں مان لیں ہم اذلی مجبور لوگ ہیں مگر اتنی ہی بات پر ایک بھائی دوسرے بھائی کو کم از کم

گولی نہیں مار سکتا۔“ ستارا کا انداز پہلی بار تلخ ہوا تھا۔

شاہ بخت ششدر رہ گیا، کہانی اس کی سمجھ میں خود بخود آرہی تھی طلال اور معصوب بھائی تھے اور ستارا، طلال کی بھابھی، کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر دونوں بھائی آپس میں متصادم ہوئے اور نتیجتاً اسے کوئی لگ گئی۔

”تو یہ وجہ آپ نے ان سے کیوں نہ پوچھی؟“ طلال کے ماتھے پہ شکن آگئی۔

”یہی جاننے کے لئے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔“ اس نے اپنا دفاع کیا، طلال چند لمبے خاموش رہا۔

”میرے باپ نے ایک نیکرس سے شادی کی تھی، جس سے ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے، نوفل کو ان سے جنونیت کی حد تک محبت تھی، بہت بچپن سے ہی وہ ہمیشہ ان کے قریب رہا، ان سے لاڈ کرتا، ان کے ساتھ سونے کو مچلتا اور گورنمنٹ کے لاکھ سنبھالنے پر بھی وہ روتا رہتا، ماما اور پاپا دونوں کو یہ بے تابی بڑی اچھی لگتی تھی، اس لئے وہ خوش تھے اور اس خوشی میں، میں کسی کو یاد نہیں تھا، نہ ہی میرا کوئی حصہ تھا، مجھے لگتا تھا یہ جگہ میری ہے ہی نہیں، میں پیچھے ہٹا گیا، یہاں تک کہ ان تینوں سے بہت دور ہو گیا.....“ وہ بات کرتا کرتا رک گیا، اس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔

شاہ بخت خاموشی سے پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا اور ستارا بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”پھر کیا ہوا؟“ وہ بول اٹھی۔

”پھر بس کچھ ماحول کا اثر، تربیت کی کمی، ایسے دوستوں کا ساتھ اور میری فطری بدبختی، مجھے اپنی ماں پسند نہیں تھی، شی وائز نیکرس، میں اس کا تعارف کروانا پسند نہیں کرتا تھا، میرا اور نوفل کا ساری زندگی یہی جھگڑا رہا ہے، اگرچہ وہ بہت نرم

دل اور صلح جو انسان تھا مگر میری فطرت میں اتنا کینہ اور بغض نہ ہوتا تو شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آتی، بہر حال جب میری نفرت کا راز میرے گھر پہ عیاں ہوا تو سب کچھ ختم ہو گیا، پہلے میرا گھر میں داخلہ ممنوع ہوا پھر نوفل کا مجھ سے رابطہ منقطع ہوا اور پھر میری ماں بھی ختم ہو گئی۔“ وہ اپنے بارے میں اس قدر سرد دھری سے بات کر رہا تھا جیسے کوئی روبروٹ بول رہا ہو۔

ستارا کو جھٹکا لگا تھا، اسے نوفل کا طیش اور غم یاد آیا جب اس نے زبردستی وہ البم دیکھنا چاہا تھا اور جب اس نے غلط فہمی کی بنا پر انہیں میڈ بول دیا تھا۔

”آپ میرے اور ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟“ ستارا نے مطلب کی بات پہ آتے ہوئے کہا۔

اسے معلوم تھا وہ شخص تو گونگا بن چکا تھا وہ کسی قیمت پہ نہیں اسے سچ بتائے گا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ مہروز کمال سے اس کی طلاق کا معاملہ اتنا سیدھا ہرگز نہ تھا جتنا اسے نوفل نے بتایا تھا۔

”نوفل بن معصوب، جس شخص کا نام ہے میری خوش قسمتی کہ وہ میرا بھائی ہے میں اس کی بغض جانتا ہوں، اس کی سوچ جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے میرے اختیار کی حد شروع ہوتی ہے وہ مجبور ہے کیوں کہ راز کو فالو کرتا ہے اور میں آزاد کیوں کہ قانون بنانے والے میری ایک کال پر لائن حاضر ہو جاتے ہیں، اسے لگتا ہے جو کچھ اس نے آپ کے معاملے میں کیا اور کر دیا میں اس سے بے خبر ہوں؟ یہ اس کی بھول ہے وہ بے خبر یہ نہیں جانتا کہ میں نے اس کا کام کتنا آسان کیا تھا، بہت سی جگہوں پر سامنے آئے بغیر اس کی مدد کی تھی۔“ وہ اب کی قدرے اکڑا اور غرور سے پتہ

اس جگہ اور مقام پر ہی نہ جاتے اور شاید یہ بھی کہ۔

”بعض دفعہ حادثے صرف آپ کی بد احتیاطی اور بد بختی کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ یہ کچھ دوسرے لوگوں کے لئے ایک دھمکی، سبق اور نصیحت ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے انجام سے ڈر جائیں مگر صد افسوس انسان سبق سیکھنے کی بجائے دنیا کی مختصر زندگی کی بے ثباتی سے ڈرنے کی بجائے، اپنے اعمال پر غور اور فکر کی نگاہ ڈالنے کی بجائے سب کچھ اپنی بری قسمت پر ڈال کر رونا پینا شروع کر دیتا ہے۔“

”ہاں تیمور“ کا حادثہ بھی ایسا ہی حادثہ تھا شاید اگر یہ حادثہ نہ سمجھا جاتا ایک سبق سمجھا جاتا تو رویوں میں بدلاؤ آ جاتا، مگر الزام ہمیشہ کی طرح ذمہ لیجھ پر آیا اور ایسی لی اسید مصطفیٰ نے اسے برعکس کر دیا، آخر یہ اس کی غلطی اور لام پرواہی تھی کہ ایک سیدنت ہوا۔

وہ تینوں معہ شفق ہو سہل میں ہی تھے اسید اب ڈاکٹر کے روم میں تھا جہاں فی الحال کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، تیمور اور مرید کو بھی نہیں وہ ڈاکٹر سے اس کی جسمانی کنڈیشن کے متعلق تصدیق چاہتا تھا، ڈاکٹر سلطان نے بغور اس کی شکل دیکھی اور انہیں بہت کچھ یاد آ گیا۔

ذاتی سال پہلے ہونے والا وہ خودکشی کا واقعہ اور پھر اسید کا وہ یہ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا کس طرح ان پر یہ راز عیاں ہوا تھا کہ وہ تیمور احمد کی بیٹی تھی، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ تب انہوں نے کہا کی بری کنڈیشن کی وجہ سے اس کا ٹریٹمنٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسید کو ان کی منتیں سمجھیں کر کے انہیں منانا پڑا تھا مگر آج معاملہ یکسر مختلف تھا۔

ماہنامہ حسنا (172) اگست 2014

نہیں کس کو باور کروا رہا تھا۔
”میرے معاملے میں؟ کیا کیا تھا انہوں نے؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بے چینی سے سوال کیا۔

”یہ تو آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔“ طلال نے اس بار طنز کیا۔
”تمہیں میں نہیں جانتی۔“ وہ فوراً بولی۔

”آپ مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ مجھے یہ بات کہیں کی اور میں تسلیم کر لوں گا، ناممکن، وہ شخص آپ کے بغیر سانس نہیں لیتا، ایسے کیسے ممکن ہے کہ آپ کو پانے کی داستان اس نے آپ کو نہ سنائی ہو۔“ طلال نے تیوری چڑھا کر نفی سے کہا۔

”میں نے کہا نا طلال مجھے کچھ معلوم نہیں ہے چیز بلوی۔“ ستارا نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

طلال نے بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ بیان کی صداقت کس حد تک ہو سکتی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، بڑی تیزی سے دروازہ کھولا گیا، وہ تینوں چھوٹے دستک بڑی زوردار تھی، شاہ بخت بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

”میں دیکھوں؟“ اس نے اجازت لینے والے انداز میں طلال کو دیکھا، طلال نے اٹھائی انداز میں سر کو جنبش دی تھی، شاہ بخت نے آگے بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تھا، جب بڑی تیزی سے اسے دھکیل کر نوفل بن محصب اندر آیا تھا، نوفل کو دیکھ کر ستارا کو اپنی ٹانگوں سے جان لگتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

ہٹ ہٹ ہٹ

حادثوں کی کوئی وجہ اگر ہوتی تو شاید یہ کہ لوگ بد احتیاطی نہ کرتے اور شاید یہ کہ کاش وہ

آج اسید مصطفیٰ کی حیثیت بدل چکی تھی، آج وہ اس قابل تھا کہ ایسے کئی ہسپتال صرف ایک نسخہ سے بند ہو سکتے ہیں، ہاں تیمور احمد نے صحیح کہا تھا، "کل کا زیر آج کا زیر بن چکا تھا" اب ان کے سامنے ایس پی اسید مصطفیٰ تھا، تین سال پہلے کا ایک عام انسان اور نئی ادارے کا پیکر انہیں تھا۔

انہیں بات شروع کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی، انہوں نے پانی کا گھونٹ لیا اور سیدھے ہو کر قدرے آگے کو جھک آئے۔

"اس ایکسیڈنٹ میں مہربانیوں سے گری تھی، جس کی وجہ سے اس کا بایاں حصہ ہونوں کی زد میں آ کر شدید متاثر ہوا ہے سب سے پہلے چہرے کی بات کروں گا، آنکھ بمشکل بچی ہے مگر زخم بہت گہرا ہے جو کہ گال پہ پھیلا ہے جلد برقی طرح پھٹ گئی ہے جہڑے کی ہڈی بھی متاثر ہوئی ہے مگر کوئی بڑا فرقہ نہیں ہوا، اسی طرح ہاتھ کا جوڑ اپنی جگہ جموز گیا ہے جسے پلستر لگا دیا گیا ہے، ٹانگ پر دو تین گہرے زخم ہیں جن سے خون زیادہ بہا ہے اسی وجہ سے انہیں خون کی ضرورت پڑی تھی، عام طور پر ڈاکٹرز کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ چہرے پہ اگر کوئی کٹ گک بھی جائے تو اسے جلد سے جینڈیج سے کور کر دیا جائے، مگر کچھ یہ نہیں کڈیشز میں جب اسپر لگانے کا گزیر ہو جا میں تو میرا یہ اصول ہے کہ میں سر پرست سے ایک مرتبہ ضرور اجازت لے لیتا ہوں، اب حالات کچھ یوں ہیں کہ مہارے چہرے کا زخم کافی خراب ہے اسپر لگانا پڑے گا اور اس سے اس کے چال پہ ہمیشہ کے لئے نشان رہ جائیں گے، مگر اس معاملے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ صاحب حیثیت لوگ سرجری کروا لیتے ہیں اور اگر آپ سرجری نہ بھی کروانا چاہیں تب بھی

آج کل ایسی میڈیسن مارکیٹ میں دستیاب ہیں کہ نشان مدھم پڑ جاتے ہیں، پھر بھی انہیں مکمل ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے گا، ہسپتال سے ہم انہیں دو دن بعد ڈسچارج کر دیں گے، گھرانہ کی کیئر کرنی پڑے گی آپ کو اور سب سے بڑھ کر ان کی ذہنی حالت کا دھیان رکھنا پڑے گا۔" وہ تفصیلی بات بتانے کے بعد طویل سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

اسید سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا زندگی کی اس کروٹ پر وہ صرف صبر کر سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کافی کے دھگ لے کر روم میں آئی تو روم خالی تھا اسے ٹرے فیل پر رکھتے ہوئے واش روم کی طرف دیکھا مگر وہاں صرف پارکی تھی۔ وہ قدرے الجھ گئی، پھر اس کی نظر ٹیرس کی طرف پھلتے والی سلائڈنگ ونڈو پر پڑی، جو کہ کھلی ہوئی تھی وہ قدرے حیران سی آگے بڑھ آئی، جہاں شاہ بخت ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑا تھا اس کا سارا وجود اندھیرے میں ڈوبا تھا اور اس کے ہاتھ میں جلتا ننھا شعلہ سرایت کا تھا۔

دل درد کا ٹکڑا ہے

پتھر کی ڈلی سی ہے

اک اندھا کنواں ہے یا

اک بندگی سی ہے

اک چھوٹا سالنچ ہے

جو تم نہیں ہوتا

میں لاکھ جاتا ہوں

یہ جسم نہیں ہوتا

علینہ بری طرح فٹکی تھی وہ تو شاہ بخت کی شخصیت کا یہ پہلو قطعاً فراموش کر چکی تھی اور اب جیسے سب کچھ یک لخت اس کو یاد آ گیا تھا، اسے وہ

ماہنامہ منا (173) اگست 2014

آج؟" اس نے بڑے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

علینہ چونک گئی، اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے ایڑیاں اٹھا کر شاہ بخت کی ٹھوڑی کو چوما۔

"نہیں ہوئی اور وہ اتنی اہم نہیں کہ میں روز روز اس سے بات کرتی پھروں۔" وہ پھر سکون سے اس کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے بولی تھی، شاہ بخت کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔

"ٹھیک ہے پھر کوئی اور وجہ ہے؟" اس نے کہا۔

"ٹھیک گئی ہوں۔" عینا نے کہا۔

"کیوں؟" وہ اس کی شکایت پہ حیران ہوا تھا۔

"گھر میں آج بہت کام تھا تم تو پتا نہیں کدھر گم تھے، میں نے اتنا انتظار کیا، تم نہیں آئے۔" وہ شکایت کر رہی تھی۔

"بس یار ایک دوست ہے ملنا تھا، وہاں اس کے کچھ گھریلو مسائل سامنے آ گئے بس اس میں وقت گزر گیا۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

"رمشہ آپنی کے دن طے کرنے آئے تھے آج وہ۔" اس نے بخت کو بتایا۔

بخت نے ہاں میں سر ہلا دیا، انداز سے لا پرواہی ظاہر تھی جیسے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

"اچھا اندر چلیں؟ سردی بڑھ رہی ہے۔" بخت نے کہا، وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی طرف مڑ آئی۔

بخت نے اس کے ساتھ آتے ہوئے سلائڈنگ دھند بند کر کے آگے پردے کھینچ دیئے۔

علینہ نے سختی سے بندھے ہوئے بالوں کو کھولا اور ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دیتی بیڈ پر

ساری باتیں یکدم بھول گئیں جو وہ اس سے ابھی کرتے آئی تھی، شاہ بخت نے گردن موڑ کر اسے آتے دیکھا اور ایک بازو پھیلا کر اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علینہ نے خفاسی نظر اس پر ڈالی اور اس کے ہاتھ میں دبے سگریٹ پر، پھر ایک طرف کھڑی ہو گئی، شاہ بخت اس کی خاموشی کا ماخذ جان کر گیا، اس نے سگریٹ بیرس کے فرش پر پھینکا اور جوتے سے مسل دیا اور عینہ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بازو پھیلا دیا وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اس نے خود ہی اسے ساتھ لگا لیا۔

"کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو؟" بخت نے ایک ہاتھ سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہی۔" وہ آہستہ سے بولی، آواز اتنی آہستہ تھی کہ شاہ بخت بمشکل سن سکا تھا۔

"اوں ہوں ویسے ہی کیوں؟" اس نے لبوں سے عینہ کا ماتھا چوما، اس کے ہونٹوں سے اٹھتی سگریٹ کی تمیل عینہ کی جس شامہ نے فوراً محسوس کی تھی، اس کے اندر بے چینی در آئی۔

"پتا نہیں۔" اس نے شاہ بخت کے سینے میں منہ چسپا کر بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے، شاہ بخت نے ایک طویل سانس لیا تھا، یہ حصار نہیں تھا کوئی تار عنکبوت تھا جس سے وہ چاہ کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

"کیوں پتا نہیں۔" وہ اس بار قدرے جھلا گیا۔

"کیا ہے نہ تنگ کرو۔" وہ ناک اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے رنجیدہ تھی۔

"کس وجہ سے اداس ہو رہاؤ عینا؟" وہ ہیار سے اس کا چہرہ اوپر کر کے پوچھ رہا تھا۔

"تمہاری اپنی دوست سے بات نہیں ہوئی

بیٹھ گئی، شاہ بخت نے جوتے اتارتے ہوئے اسے دیکھا۔

”انہی کپڑوں میں سونے کا سوڈ ہے؟“
”بہت نہیں پہنچ کرنے کی، بہت ٹھک مٹی ہوں۔“ اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ارے تو پھر کیا ہوا لباس تبدیل کرنے میں کیا وقت لگتا ہے چلو اٹھ جاؤ ورنہ کافی بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔“ بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا، وہ سستی سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو شاہ بخت کافی کاگ تقریباً ختم کر چکا تھا، وہ سیدھا آکر بیڈ پہ لیٹ گئی، بخت نے دیکھا اس کے چہرے پہ واقعی جھکن اور غم کے آثار تھے اس نے کافی کاگ ایک طرف رکھا اور اس کا سراپا گود میں رکھ لیا، علینہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی، وہ آہستہ آہستہ اس کے شانے اور بازو دبانے لگا، علینہ ایک دم بڑبڑا گئی۔

”کیا کر رہے ہو چھوڑو۔“ اس نے بخت کا ہاتھ جھٹکا۔

”کیوں؟ میں نہیں کر سکتا؟“ وہ حیران ہوا۔

”نہیں اچھا نہیں لگتا۔“ وہ ٹوک کر بولی۔

”یہ کیا فضول بات ہے، میرا حق ہے تم پر، دیکھو صرف یہ تمہارا ہی فرض نہیں کہ تم جب میں تھکا ہوتا ہوں تو تم میرا سر دباؤ، ابھی بازو بھی، تم بھی چھتی ہو گھر میں، مجھے تمہارے چہرے سے اندازہ ہوگی کہ تم واقعی تھکی ہوئی ہو تو میں نے دبانے شروع کر دیا، اس میں ایسا کیا مسئلہ ہے، ہاں اگر تم مجھے روکو گی تو مجھے اور بھی برا لگے گا، فراموش صرف بیوی کے ہی نہیں ہوتے شوہر کے بھی ہوتے ہیں، میری اماں یہ کوئی حرف نہیں آئے گا اگر میں تمہارا خیال رکھوں گا تمہیں احساس دلاؤں گا

کہ مجھے تمہاری پرواہ ہے، زندگی باہمی رضا مندی عزت احترام اور خلوص سے گزرتی ہے عیناً، تم میری بہت پیاری بیوی ہو، میری چھوٹی سی گڑیا، جس سے میرا دل بہلتا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں اب شرارت چمک رہی تھی۔

”تو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟“ وہ ہنس دیا، عیناً نے زور سے ہاتھ کاٹیج بنا کر اس کے سینے پہ مارا تھا۔

”خود غرض۔“ اس نے خفا لہجے میں کہا تو اور زیادہ کھلکھلایا دیا تھا۔

علینہ کے لبوں پر مدہم مسکراہٹ آگئی، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”علینا کس کی جان ہے؟“ اس نے روز کا سبق دہرایا تھا۔

”بخت کی۔“ علینا نے بند آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے جواب دیا اور بازو اس کے گرد سما کر کے کروٹ بدل دی، اس کے ہر انداز سے جھکنی طمانیت اور آسودگی نے شاہ بخت کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

”کیا وہ اس لڑکی پر انگلی اٹھا سکتا تھا؟“
”کیا وہ اس لڑکی کی پاکیزگی پر شک کر سکتا تھا؟“

☆ ☆ ☆
”شفق روتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔“
”بابا!“ وہ ہلکتے ہوئے اسید سے لپٹ گئی، اسید نے اسے گود میں لے کر بے ساختہ پیار کیا اور اس کے بال سنوارے۔

”بابا کی جان کیوں رو رہی ہے؟“ اس نے شفق کے آنسو صاف کیے، وہ اس وقت حبا کے روم میں تھا، ڈاکٹر کے مطابق اسے ہوش آنے والا تھا، اب وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے سسک رہی تھی، اسید اس کی کمر سہلاتے ہوئے اسے

تھی، اسید اسے دیکھتا رہا اس کے پاس بیٹھا رہا۔
 ”تم ہر چیز پہ شک کر سکتے ہو اسید، میری
 محبت پہ کبھی شک نہ کرنا، میں نے تم سے بہت
 محبت کی ہے۔“ اس نے روتے ہوئے اسید سے
 کہا تھا۔

”تم ٹھیک ہو جاؤ جہاں مجھے یقین ہے
 تمہارا۔“ وہ اس کا ابھری نسوں والا ہاتھ تھام کر نرم
 آنکھوں سے بڑبڑایا تھا۔

☆ ☆ ☆

ستارا نے بدحواسی سے نونفل کو اپنی طرف
 آتے دیکھا اور بے ساختہ کھڑی ہو گئی، نونفل کا
 رنگ سرخ تھا اور غصے سے اس کی آنکھیں آگ
 اگل رہی تھیں، اس نے جھپٹ کر ستارا کا بازو پکڑا
 تھا۔

”کس کی اجازت سے آپ یہاں آئی
 ہیں؟“ وہ بلند آواز میں چلایا تھا، ستارا خوفزدہ سی
 اسے دیکھ رہی تھی، طلال اور شاہ بخت بھی خاموشی
 سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

”میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں ستارا۔“
 اس نے سختی سے ستارا کا بازو چھوڑ کر دوبارہ اپنا
 سوال کیا تھا۔

”میں پاپا سے پوچھ کر.....“ اس نے ہشکل
 حلق سے آواز نکال کر بولنا چاہا تھا، مگر غصے کی
 شدت سے پاگل ہوتے نونفل نے فوراً اس کی
 بات کاٹ دی۔

”بس کر دیں فضول باتیں مت کریں،
 آپ کو ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا مجھ سے پوچھنے
 کا میں مر گیا تھا کیا؟“ وہ دھاڑا تھا۔

”کس بات پہ سین کر بیٹ کر رہے ہیں
 یہاں تماشا مت بنا میں۔“ طلال نے سختی سے
 کہا۔

نونفل کے غصے اور کھولن میں کچھ مزید اضافہ

بہانے لگا۔
 ”ماما.... مر گئی بابا؟“ وہ خوفزدہ انداز میں
 تاروں اور پٹیوں میں جکڑی جا کو دیکھ کر اسید
 سے سوال کر رہی تھی، اسید کا دل جیسے پکلا گیا۔

”اللہ نہ کرے، نہیں بیٹا، ماما بیمار ہیں۔“ وہ
 ہشکل حوصلہ جمع کر کے بولا تھا، شفقت اب اسی
 ڈرے ہوئے انداز میں جا کو دیکھ رہی تھی۔

جا کو ہوش آ رہا تھا مریخ اور تیمور بھی
 کمرے میں آ گئے تھے جا کی بند پٹلیں ہلکے ہلکے

لرزیں اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس کی آنکھیں
 کھل گئیں اندر کو دھنسی حلقوں سے اُنی ہوئی کمزور

اور سوجی ہوئی آنکھیں چند بل چھت پر تکی رہیں
 پھر آہستگی سے زاویہ بدل کر کمرے میں موجود

اشخاص پر جم گئیں، سب سے پہلے ان آنکھوں
 نے اسید کو دیکھا، سر سے پیر تک وہ صحیح سلامت

تھا، وہ آنکھیں احساس تشکر سے بھگ گئیں، پھر
 انہوں نے اسید کے کندھے سے لگی نور شفقت کو

دیکھا، ہاں مقام شکر تھا کہ اس کی بھی صحیح سلامت
 تھی پھر انہوں نے مرینہ اور تیمور کو دیکھا تھا، اس

کے سب اپنے وہاں تھے، وہ کس قدر خوش قسمت
 تھی۔

”جا کیسی ہو؟“ ماما بے تاب سے آگے بڑھ
 کر اس سے پوچھ رہی تھیں، اس نے بولنا چاہا مگر

اسے یکلفت احساس ہوا کہ اس کی زبان حرکت
 کرنے سے قاصر تھی، ذرا سا زور لگانے پر اس

کے سارے چہرے سے درد کی ناقابل بیان
 ٹیسیں اٹھنے لگیں اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا،

اسید نے بے تاب سے اس کے آنسو صاف کیے
 تھے اور ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

ڈاکٹر نے انہیں پیچھے بٹا دیا اور خود جا کا
 چیک اپ کرنے لگا، کچھ دیر بعد اسے پھر سے

مسکن ادویات کے زیر اثر سلا دیا گیا، وہ سو گئی

واہگ کون تھی؟" اس نے دھماکہ کیا تھا، نونل کا رنگ بدل گیا تھا، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔
"شٹ اپ طلال، آگے ایک لفظ مت بولنا۔" نونل نے منٹھیاں بچھ کر اسے وارننگ دی تھی۔

"کیوں کیوں نہ بولوں، آپ تو جھوٹ نہیں بولتے نا تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا کہ مہر و کمال سے طلاق کا سودا دس لاکھ ڈالرز میں ہوا تھا، انہیں یہ بتایا کہ کنجن پوری کے جس کالج میں انہوں نے عدت کے ماہ گزارے وہ آپ کا تھا، آپ تو دغا باز نہیں ہیں نا؟"

"تو پھر آپ نے انہیں یہ بتایا کہ آپ نے یہاں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟" وہ ایک کے بعد ایک سچ بولتا، اس کے راز کھولنا اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ چکا تھا، ستارا کا رنگ یوں زرد تھا جیسے ہلدی پھیری ہو۔

نونل بھی ابھی تک بے یقین تھا، یہ سب تو اس کی اپنی انتہائی ذاتی باتیں تھیں ان سے طلال کب اور کیسے آگاہ ہوا ستارا پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹا تھا۔

"نونل!" ستارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا، آج پہلی بار نونل کو اس کی آنکھوں میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں نظر آئی تھیں۔

"نونل یہ جھوٹ ہے نا؟ کہہ دیں نا یہ جھوٹ ہے پلیز، نونل پلیز۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر بدحواسی اور بے یقینی سے پر لہجے میں آنکھوں میں آنسو لئے بے یقینی سے سوال کر رہی تھی، نونل نے نظریں چرا لیں یا پھر شاید نہیں بلکہ نونل کو نظریں چرا نا پڑ گئیں اور اس کا نظریں چرا نا قیامت ہو گیا، اس کے بازو پر رکھا ستارا کا ہاتھ درخت کی ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح نیچے گرا اور چہرہ بے یقینی کی دھند سے دھواں دھواں ہو گیا۔

ہوا تھا، وہ ستارا کو بھول کر اس کی طرف مڑا تھا۔
"تم سچ میں بولنے والے ہوتے کون ہو، کس نے اجازت دی ہے تمہیں ہمارے معاملے میں مداخلت کرنے کی؟" نونل پہاڑ کھانے والے انداز میں بولا تھا۔

"کیوں نہیں بول سکتا میں؟ حق ہے میرا۔" طلال بھی دو بدو مقابلے پر آ گیا۔

"جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں مل تو گیا ہے۔" نونل نے استہزاء سے انداز میں کہا اشارہ گولی لگے بازو کی طرف تھا، طلال کا رنگ آن کی آن میں سرخ پڑا تھا۔

"تو آپ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ یہاں کیا انویسٹی گیٹ کرنے آئی تھیں۔" طلال نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟" نونل نے چونک کر پوچھا تھا۔

"جو آپ سمجھنا نہیں چاہتے، خود سوچیں ایسا کچھ تو چھپایا ہے نا آپ نے ان سے جسے جاننے کے لئے انہیں میرے پاس آنا پڑا۔" وہ اب کی بار جتانے والے انداز میں بول رہا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ، میں نے ستارا سے کچھ نہیں چھپایا اور میں چھپاؤں گا بھی کیوں؟ میں نونل بن مصعب ہوں تمہاری طرح دغا باز اور جھوٹا نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں اتنی اکڑ، اتنا غرور تھا کہ تقدیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا، وہ انجان ذی نفس نہیں جانتا تھا کہ اس نے اپنے پیروں پہ خود کلہاڑا مار لیا تھا۔

"اچھا آپ تو پاک صاف ہیں نا؟ فرشتہ صفت اور ریا کاری سے مبرا ہے نا۔" طلال کے پیروں پہ حد درجے کی سرد مہری تھی اور لہجے میں بلا کا زہر تھا۔

"تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا ہے کہ شائی

”ایسا نہیں کر سکتے آپ میرے ساتھ، نہیں۔“ وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بڑبڑاتی تھی، نوفل نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی طرف کھینچا، پھر اس نے طلال کو دیکھا۔

”تم نے سب کچھ تباہ کر دیا طلال، تم نے دشمن ہونے کا حق ادا کر دیا، آج کے بعد میرے سامنے مت آنا ورنہ میں اپنے آپ کو شوٹ کر ڈالوں گا۔“ وہ خونی لہجے میں کہتا باہر نکل گیا، ستارا اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی، اس کی بڑی سی بھاری شال اس کے سر سے اتر گئی تھی، وہ دوسرے ہاتھ سے سر پہ شال درست کرنے کی کوشش کرتے اپنے بہتیاں نسوؤں کے ساتھ اس کے ساتھ گھسنے چلی گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھے اور نوفل نے گاڑی فل اسپید سے وہاں سے نکالی تھی، سسکیاں در سسکیاں گاڑی میں گونج رہی تھیں اور نوفل کے اعصاب کا امتحان تھیں بے حد ریش ڈرامائیو جگ کر کے وہ گھر پہنچے تو شام ڈھل رہی تھی۔

بے جان قدموں سے چل کر وہ اندر آئی تو بیڈ روم کی روشنی جلانے بغیر بند پہ بیٹھ گئی، چادر اس کے پیروں میں لٹک آئی تھی گھرا سے کوئی ہوش نہ تھا، آنسو ایک سیلاب کی مانند اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کے کانوں میں طلال کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”دس لاکھ ڈالرز میں سودا۔“

”شانی واٹک؟“

”کنجش پوری کے کانچ میں گزرے عدت کے ماہ۔“ کیا کر دیا تھا نوفل صدیق نے اس کے ساتھ؟ درد سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

ہٹا ہٹا

”مغل ہاؤس“ میں رمہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں اور اب کی بار علیہ

بھی ہر کام میں شامل تھی، چاہے کوئی قبول کرتا یا نہیں مگر سچ یہی تھا کہ ”شادی شدہ“ کا ٹیک لگنے سے گھر میں اس کا رتبہ خود بخود معتبر ہو گیا تھا اور پوزیشن مضبوط، جیسی وہ بھی مارکیٹ ان کے ساتھ اکثر گئی ہوئی پائی جاتی، اس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ سب شادی کی تیاری کے حوالے سے ڈسکشن میں مصروف تھے جب فون کی گھنٹی بجی، کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا، مجبوراً شاہ بخت کو اٹھنا پڑا، اس نے فون اٹھایا مگر بولا کچھ نہیں۔

”ہیلو علیہ!“ حیدر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ہونٹ بچھنے لگے، پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر علیہ کو آواز دی تھی، وہ جو خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی، بمشکل اٹھ کر آئی تھی۔

”تمہارا فون ہے۔“ اس نے کہتے ہوئے ریسور اس کی طرف بڑھایا اور خود میز ہیوں کی طرف مڑ گیا۔

علیہ کو اس کے انداز بہت عجیب لگے تھے، مگر وہ احساس کرائے بغیر فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”ہیلو۔“ اس نے کہا۔

”کیسی ہو علیہ؟“ حیدر نے پوچھا۔

”او مانے گاڈ! حیدر تم ہو۔“ وہ دبے دبے لہجے میں چی پڑی تھی۔

”کیوں کیا ہوا؟“ وہ حیران ہوا۔

”تم نے مجھے پوچھے بغیر کال کیوں کی، یا پھر میری فون کال کا انتظار کر لیتے۔“ وہ حد سے زیادہ جھلائی ہوئی تھی۔

”ہوا کیا ہے؟“ وہ کھٹک گیا۔

”فون شاہ بخت نے ریسو کیا ہے حیدر اب بند کرو فون، میں اسے دیکھ لوں۔“ اس نے

جیسے اس شاہ بخت سے وہ آج پہلی بار ملی ہو۔
 ”کس بات کا غصہ ہے تمہیں؟“ علینہ نے
 اس بار جیتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا اور شاہ
 بخت نے ٹھنک کر اسے دیکھا۔

”حیدر کون ہے؟“ اس نے فوراً سوال داغ
 دیا اس کا اگر خیال تھا کہ وہ اس کا اڑا ہوا رنگ اور
 گھبراہٹ ہوا انداز دیکھے گا تو اسے ناکامی ہوئی تھی،
 وہ ذرا بھی نہیں کنفیوژ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے
 چہرے سے کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہ ڈر گئی یا
 پریشان ہو گئی ہو۔

”دوست ہے میرا۔“ اس نے ایک چھوٹے
 سے جملے میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کر ڈالی، اس کا
 اعتماد شاہ بخت کے لئے حیران کن تھا۔

”کیا مطلب؟ دوست ہے کب بنا یہ
 دوست کیسے بنا، کہاں سے آیا؟“ اس نے سوال
 در سوال کیا تھا، علینہ کے ماتھے پر اک ٹھکن آ گئی۔
 ”کیا مطلب؟ اتنے زیادہ سوال کیوں، کیا
 میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ وہ میرا دوست
 ہے۔“ اس نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”میں تمہارا شوہر ہوں، سوالات کا حق ہے
 میرے پاس۔“ شاہ بخت نے دو ٹوک انداز میں
 کہا۔

”اور اگر میں نہ دینا چاہوں تو؟“ علینہ کو
 عجیب سی تکلیف اور دکھ نے آن گھیرا تھا۔

”کیوں کیوں نہ دو تم جواب علینہ؟ ایسا
 کیسے ہو سکتا ہے، کیسے بن گیا وہ تمہارا دوست
 کہاں ملے تم لوگ، مجھے ان سوالوں کے جواب
 نہ ملے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ وحشت زدہ
 ہو گیا۔

”میرا اعتبار نہیں تمہیں شاہ بخت؟“ اس
 کے لہجے میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ وہ جسے گھٹنوں
 کے بل گر پڑا۔

پریشانی سے فون بند کیا اور اوپر کی طرف بڑھی،
 جب پیچھے آئے بھا بھگی کی آواز آئی تھی۔
 ”علینہ یہ اپنی شاپنگ تو اٹھا لو۔“ انہوں
 نے کہا۔

مجبوراً اسے واپس آنا پڑا اس نے شاپنگ
 بیگز اٹھائے اور تیز تیز میٹریاں چڑھتی گئی۔

آج پہلی بار شاہ بخت ایزی چیئر پر جھول
 رہا تھا، اس نے شاپنگ بیگ بیلے ڈالے اور
 بخت کو دیکھا، اس کا چہرہ خاموش تھا، ایکس پریشن
 نہیں، وہ خاموشی سے کرسی پر جھولنا کسی غیر مرئی
 نکتے کو گھور رہا تھا۔

علینہ نے واپس مڑ کر شاپنگ بیگز اٹھائے
 اور کچھ کھولنے لگی، پھر اس نے اندر سے جھلملاتی
 ہوئی ایک ساڑھی نکال لی۔

”میں نے ساڑھی لی ہے رمٹ کی بارات
 کے لئے، کیسی ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے بہت
 نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی، شاہ بخت کی نظریں
 اس نکتے سے ہٹ کر علینہ پر جم گئیں۔

”بے کار ہے، مجھے اس طرح کی ڈریسنگ
 پسند نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ اتنا تانا تھا کہ علینہ نے
 ٹھنک کر اسے دیکھا۔

”مگر میں نے تو خرید لیا ہے۔“ علینہ نے
 منو بسور کر کہا۔

”پھینک دو اسے کچھ اور خرید لیتا۔“ اس
 نے اسی انداز میں کہا، علینہ ششدر رہ گئی، شاہ
 بخت کی شدت پسندی۔

”مگر کیوں؟“ وہ دبے دبے لہجے میں چلا
 انہی، شاہ بخت کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، وہ
 اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

”تمہارے لئے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ یہ
 میں نے کہا ہے۔“ اس کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔

علینہ کے اندر سہم اتر آیا، اسے محسوس ہوا

"انٹھو میں لے جاتا ہوں۔" اس نے احتیاط سے اسے سہارا دیا اور ایچ ہاتھ کی سمت بڑھ گیا، پھر اس نے خود اس کا منہ دھلایا اس کے ہنجرے ہوئے بالوں کو نرمی سے سمیٹ کر جینڈ میں جکڑا اور اسے بیڈ پہ بیٹھا دیا، پھر وہ دروازے میں سے کچھ اس کے لئے تلاش کرنے لگا، کچھ دیر بعد اس نے چاکلیٹ نکال لیا۔

"آؤ تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں۔" وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا، لحاف اس پر درست کیا، اس کے پیچھے تکیے درست کیے اور اس کو دیکھنے لگا، وہ بھی اسی گود دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں شروع سے ہی چاکلیٹس بہت پسند تھیں، جب تم چھوٹی تھیں تو پتا ہے کیا کرتی تھیں؟" وہ اسے بات بتاتا جتنا رکھا، مقصد اسے بھی گفتگو میں شامل کرنا تھا۔

"کیا؟" وہ پوچھنے لگی۔

"تب تم پانچ سال کی تھیں اور ہر وقت چاکلیٹس کھاتی رہتی تھیں ایک دن تمہیں میرے اسکول بیگ سے ایک چاکلیٹ مل گیا، بس پھر کیا تھا تم ہر روز میرا بیگ چیک کرتی تھیں اور ہر روز تمہیں وہاں چاکلیٹ مل جاتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی، جو کہ چاکلیٹ کا رپہ کھول رہا تھا۔

"وہ ایسے کہ میں خود وہاں چاکلیٹ رکھ دیتا تھا اور اگرچہ مجھے پتا بھی تھا کہ تم وہاں سے چاکلیٹ نکالتی ہو۔" وہ اب محفوظ ہو رہا تھا، جہاں بے ساختہ ہنس پڑی۔

"آپ میں کتنی بدتمیز تھی، آپ نے مجھے منع کیوں نہ کیا کبھی؟" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"ارے پاگل میں کیوں منع کرتا، مجھے تو خوشی ہوتی تھی۔" وہ ہنسا۔

ماہنامہ حنا (180) اگست 2014

اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ریٹیکس کیا اور اس کی طرف دیکھا پھر اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی پیشانی کو چوما۔

"آٹم سوری میری جان ہو تم، عدم تحفظ کا شکار ہوں تمہیں لے کر شاید اسی وجہ سے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا، پھر وہ پیچھے ہٹا اور باہر نکل گیا، علیحدہ اسی طرح کھڑی تھی۔

ہٹا ہٹا ہٹا

چار دن بعد اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، اس کے اور شفق کے روم میں اسید کا روم انگ ہی تھا، مرینہ بھی زیادہ دیر تک جہا کے کمرے میں رہتی تھیں مگر رات کو سونے کا بہت مسئلہ بن گیا تھا، شفق کو سوتے میں ہلنے جلنے کی عادت تھی جہیں اس نے جہا کی زخمی ڈنگ پہ سوتے میں ڈنگ رکھ دی، زخم گہرا تھا دکھ گیا اور خون رسنے لگا، اس کے بعد مرینہ شفق کو لے کر اپنے روم میں سونے لگیں جب اسید کو پتا چلا تو اس نے خود ہی جہا کے روم میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ ایک گھری ہوئی صبح کا منظر تھا، جہا نے واش روم جانا تھا وہ بیڈ کی پٹی کو پکڑ کر نیچے اترتی، اسے چلتے ہوئے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی مگر اسید کو ہٹ بدلے فینڈ میں تھا، وہ مجبوراً خود ہی ہمت کرتی دیوار سے ہاتھ ٹکا کر چلنے کی کوشش کرنے لگی، مگر دو قدم چل کر ہی اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، اسید لمحوں میں بیدار ہوا تھا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور جہا کو دیکھ کر جیسے اس میں بجلی دوڑ گئی، وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔

"جہا کیا ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا، وہ اذیت سے بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی۔

"واش روم جانا ہے۔"

ابھی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالیں

ابن انشاء

- ☆ اردو کی آخری کتاب
- ☆ شمار گندم
- ☆ دنیا گول ہے
- ☆ آوارہ گرد کی ڈائری
- ☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- ☆ چلتے ہو تو چین کو چلئے
- ☆ نگرانی نگرانی پھر اس سفر
- ☆ خط انشائی کے
- ☆ بستی کے اک کوپے میں
- ☆ چاند نگر
- ☆ دل وحشی
- ☆ آپ سے کیا پردہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

- ☆ قواعد اردو
- ☆ انتخاب کلام میر
- ☆ ڈاکٹر سید عبداللہ
- ☆ طیف نثر
- ☆ طیف نثر
- ☆ طیف اقبال

الامور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7310797-7321690

”اس میں خوشی والی کیا بات ہے، مجھے دکھ ہو رہا سن کر میں آپ کی چیزیں چرا لی تھی؟“ وہ منہ لٹکا کر کہہ رہی تھی۔

”جہا..... جہا۔“ اسید نے کہتے ہوئے اس کے بٹاتے کے گرد احتیاط سے بازو پھیلا یا اور اس کا گال چوما۔

”میری بات سنو یا، اس میں چرا نے والی کیا بات ہے، تمہاری اور میری چیزوں میں فرق ہے کیا؟“ وہ پیار سے کہہ رہا تھا اب جہا کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اسید نے چاکلیٹ کھول کر اسے دی، وہ بائٹ لے کر کھانے لگی۔

”رات میں نے سوچا چلو یا آج جہا کے لئے چاکلیٹس لے کر جاتے ہیں، مگر رات اتنا تھکا ہوا تھا کہ دینا پاد ہی نہیں رہا، کیسا ہے؟“ وہ اسے رات والی کہانی بتانے کے ساتھ ہی اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

”بہت اچھا ہے آپ بھی کھائیں نا۔“ اس نے چاکلیٹ اس سے کر اس کی طرف بڑھایا اس نے بھی کھانا شروع کر دیا۔

”کل انشاء اللہ یہ جینڈیج کل جائے گی۔“ وہ اس کے گال پہ لگی جینڈیج پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں اب مجھے یہاں اتنا درد محسوس نہیں ہوتا۔ بس مانگ میں زیادہ ہوتا ہے۔“ جہا نے اسے بتایا۔

”وہ زخم گہرا جو ہے۔“ وہ فکر مندی سے بولا تھا، جہا کو بہت اچھا لگا، اس کے لئے اسید کے یہ سارے رنگ فکر، پیار، احتیاط اور محبت سب کچھ بہت نیا تھا، مگر اس میں خوشی تھی اور سکون تھا۔

”اسید!“ جہا نے اسے دیکھا۔

”ہوں۔“ وہ اس کا گال سہلا رہا تھا۔

”ایک بات پوچھوں؟“ اس کی آواز بڑی

ماہنامہ حنا (181) اگست 2014

ہلکی تھی۔
 سہارا ہے تھے، وہی ہاتھ جو حبا تیمور کا عشق تھے۔
 میں نے سوچا تھا
 تمہارے خیالوں کے پاؤں چھو چھو کر
 تمہیں سوچوں کی آنکھیں چوم چوم کر
 تمہاری انگلیوں کی پوریں اپنی پیشانی سے مس کر
 کر کے
 بستیاں بساؤں گا، شہر آباد کروں گا
 سلطنتیں قائم کروں گا
 ایک دنیا، ایک کائنات تمہارے قدموں میں لا
 رکھوں گا
 میں نے سوچا تھا
 کبھی تمہارے گلے لگ کے خوشی سے چپک
 اٹھوں گا
 کبھی تمہارے کندھے سے لگ کر بہت روؤں گا
 تمہاری گود میں سو جاؤں گا
 تمہارے لئے ایک تخت بناؤں گا
 اور اپنا تمام بخت تمہارے تخت کے پیروں میں
 لا رکھوں گا
 میں نے سوچا تھا
 ابھی بہت وقت ہے
 کمرے میں بہت دردناک خاموشی تھی،
 اسید نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر
 اس کے آنسو صاف کیے۔
 ”ابھی بہت وقت ہے حبا، ابھی زندگی باقی
 ہے، آؤ ہم اپنے خوابوں کو زندہ کریں وہ خواب
 جو تم نے میرے لئے دیکھے آؤ ایک ایسے گھر کی
 بنیادیں جہاں پیار عزت اور سکون ہو، ایک ایسا
 گھر بنا میں جہاں شکل و صورت اور سکے سوتیلے
 کے احساس کتری جیسے طوق نہ پہنائے جائیں،
 جہاں کوئی اسید اور حبا نہ ہوں، جہاں کوئی خوف نہ
 ہو، کوئی ڈر نہ ہو۔“ وہ خواب آسا لہجے میں کہہ رہا
 تھا اور حبا نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

”پوچھو نا؟“ وہ نرمی سے بولا۔
 ”آپ اب مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں
 ہوں گے نا؟“ وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔
 ”نہیں۔“ اسید نے اس کا ہاتھ تھام لیا،
 اسے محسوس ہوا کہ سردی کے باوجود حبا کا ہاتھ
 ٹھنڈا ہو رہا تھا۔
 ”اور کبھی غصہ بھی نہیں کریں گے؟“ اسے
 اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر عجیب سی تقویت
 مل رہی تھی۔
 ”نہیں۔“ اسید کو عجیب سی بے چینی ہو رہی
 تھی۔
 ”اور۔“ وہ رک گئی۔
 ”کیا؟“
 ”کبھی ماریں گے بھی نہیں۔“ اس کے لہجے
 میں اتنی حسرت اتنا درد تھا کہ اسید کا دل کٹ کر رہ
 گیا۔
 ”نہیں کبھی نہیں نہیں۔“ اس نے حبا کو اپنے
 سینے میں چھپالیا۔
 ”بہت درد ہوتا ہے اسید بہت درد، مجھے جج
 میں آپ سے ڈر لگنے لگا تھا، رات کو آپ سو
 جاتے تھے مگر مجھے نیند نہیں آتی تھی، میں بہت
 اکیلی پڑ گئی اور تب ہی شاید میرا دماغ کام کرنا
 چھوڑ گیا، مجھے ایسے لگنے لگا تھا کہ میں بھی ٹھیک
 نہیں ہو پاؤں گی۔“ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی
 تھی۔
 ”میں نے آپ کے ساتھ ایسی زندگی کے
 خواب تو نہیں دیکھے تھے اسید، میں نے ایک پٹی
 نیلی کے خواب دیکھے تھے، ایک گھر کے خواب،
 جہاں عزت محبت اور سکون ہوتا جہاں آپ اور
 میں ہوتے اسید، پھر یہ سب کیا ہو گیا؟“ وہ اب
 بے آواز رو رہی تھی اور اسید کے ہاتھ اس کی کمر

ماہنامہ حنا (182) اگست 2014

”میں آج بھی آپ سے محبت کرتی ہوں
اسید، بے حد بے تحاشا اور کوئی بھی چیز آپ پر سے
برا رویہ بھی میری محبت کو ختم تو دور کم بھی نہیں
کر سکا اسید۔“ جانے اپنے کمزور ہاتھ میں اس کا
ہاتھ تھام لیا تھا۔

”اور میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں جہا،
ہمیشہ سے ہی کرتا تھا، ایسی والی ویسی والی نہیں
محبت تو بس محبت ہوتی ہے، اس میں جماعت
بندی تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو بس ہو جاتی ہے، جیسے
مجھے تم سے محبت تھی، ہمیشہ سے یا شاید کئی صدیوں
سے بلکہ ازل سے جب ہماری رو میں بنائی گئیں
تب سے۔“ اس نے محبت سے اس کی پیشانی پر
لب رکھ دیئے، فضا میں ایک عجیب سا سکون تھا،
سورج کی ایک ٹمنائی شعاع کھڑکی کی اوٹ سے
جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل اندر داخل ہوا تو کمرے میں اندھیرا
تھا، اس نے تیزی سے سوچ بورت یہ ہاتھ مارا اور
ساری لائٹس جلا دیں اور وہ اس کے سامنے تھی
مگر کتنے بکھرے ہوئے حلے میں، چہرہ آنسوؤں
سے تر تھا، وہ اس کے پاس آگیا، بہت تھکے
ہوئے انداز میں وہ گھٹنوں کے بل اس کے
سامنے زمین پر گر گیا، پھر اس نے اپنا سر ستارا کی
گود میں دھک دیا۔

”تم ناراض ہو، بہت ناراض ہے نا اور یہ
فصل اور ناراضگی ختم بھی نہیں کرنا چاہتی، بچپن
سے میرے اندر احساس کمتری موجود کہ لوگ
خوبصورتی پر ہی کیوں مرتے ہیں، کوئی روح کا
سودا کیوں نہیں کرتا، میری زندگی میں تم سے پہلے
بس ایک لڑکی آئی تھی مگر میں ہماری انجمن منت
کے روز اس کا مرڈر ہو گیا، تم میں اور اس میں
صرف یہ یکسانیت تھی کہ اس کے بھی بال تمہاری

طرح بہت لمبے تھے۔“ وہ رک گیا۔
”اس کے میری زندگی میں بس تم آئی تھیں
تمہارے ساتھ رشتہ بہت منفرد تھا، میں تمہیں ہر
حال میں بچانا چاہتا تھا، مگر مہر ورنے مطالبہ کیا کہ
اس نے تمہیں پانچ لاکھ روپے حق مہر دیا تھا، وہ
اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے ڈبل
پیسے دے دیئے، میں ہر حال میں تمہیں وہاں سے
لے جانا چاہتا تھا، خواہ کچھ بھی ہوتا یا مجھے کچھ بھی
کرنا پڑتا، میں تمہیں نقصان پہنچتا کس طرح دیکھ
سکتا تھا ستارا، ہاں میں تب تک تمہارے پاس رہا
جب تک تمہیں ہوش نہیں آیا مگر اس کے بعد میں
نے تمہیں خود سے الگ رکھا میں چاہتا تھا کہ
تمہاری عدت مکمل ہو جائے۔“

”اس کے بعد۔“ وہ اسے خود اپنے پیچ بتا رہا
تھا، مگر اس کی بات مکمل نہیں ہو پائی، اس کا میل
فون بجنے لگا تھا۔

”کیا مصیبت ہے کون ہے اس وقت؟“
اس نے جھلا کر موبائل کو دیکھا، جہاں ”شاہ بخت
مغل کا لوگ“ کے الفاظ جھگڑا رہے تھے، اس نے
مجبوراً نا چاہتے ہوئے بھی کال پک کر لی۔
”ہیلو۔“ اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

”سوری سر ڈسٹرب کرنے کی معذرت
چاہتا ہوں، مگر مجھے حیدر سے کچھ کام ہے، پلیز
مجھے ان کا ایڈریس یا فون نمبر سینڈ کر دیں۔“ شاہ
بخت نے انتہائی شائستہ انداز میں کہا تھا، نوفل
نے بنا کچھ سوچے اسے حیدر کے گھر کا ایڈریس
بتایا اور فون بند کر دیا، زندگی کی کروٹ بدل رہی
تھی، آگے کیا ہونے والا تھا یہ تو خدا ہی جانتا تھا۔
(باقی آئندہ)

محبت زندگی کا السناس

میرا سن

ہونے سے پہلے ہی عیدی بھیجنے کی تیاری کرنا تو لازمی بات ہے۔ "سندس کی ہونے والی سسرال کے مالی طور پر ٹھوڑا کمروں ہونے پر چوٹ کرتے ہوئے عروہ نے بھی حساب برابر کیا اور حسب توقع اس بات نے سندس کو آگ ہی تو لگا دی۔

"چلو جی جیسے بھی کم از کم منگنی تو ہو گئی نا، ورنہ سچ کہوں آج کے دور میں تو لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں ہی بیٹھی رہ جاتی ہیں، ایک تو پہلے ہی اللہ کا کرم اور دوسروں کی خوشیوں سے جل جل کر اور چڑکیوں جیسی ہو جاتی ہیں۔" اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ وہاں کی جہیز بھی جانتی تھی کہ مقابل کے پاس بھی گولہ بارود کی کوئی کمی نہیں، سندس اس کے ماموں کی بیٹی تھی اور شو بازی میں اپنے خیال پر گئی تھی، (یہ عروہ کی ذاتی رائے تھی) کوئی نیا سوٹ لے لیتی تو ان لوگوں کے پاس آ کر شور مارتا نہ بھولتی، اپنی گوری رنگت پہ ناز الگ اور سونے پہ سہاگہ تین ماہ پہلے اس تاریک کمرہ ایک دم روشنی سے بھر گیا۔

"اُف ایک تو گرمی اور پر سے نازی باجی کا بحث کا شوق، جان نکل گئی میری تو، ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلانا پلیز۔" ندا پسینہ صاف کرنی شینڈ چلکا چلا کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بحث کرنے کا شوق نہیں عادت ہوتی ہے اور کبھی کبھی مجبوری، بحث نہ کیجیے تو لوگ باتوں ہی باتوں میں کھانہ جائیں۔" جبین کا گلاس ندا کے ہاتھ میں پکڑا تو عروہ آہستگی سے بولی۔

"کیا ہوا؟"

ماہنامہ حنا (184) اگست 2014

"ارے یہ کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" سندس کے انتہائی تشویش سے دیکھنے پر، عروہ پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی پوچھنے لگی۔

"یار یہ تمہارا رنگ..... اف..... ف۔"

رنگ کا حوالہ عروہ کے لئے خاصا حساس تھا سو اس کی پیشانی میں پیروں کے بھاؤ کی طرح تیزی سے اضافہ ہوا۔

"کک..... کیا ہوا میرا رنگت کو؟" وہ رو دینے لگی۔

"وہی جو بیٹنگن باسی ہو تو اس کی رنگت کالی پڑ جاتی ہے تازہ ہو تو تمہاری رنگت باسی بیٹنگن سے تازہ بیٹنگن جیسی ہو گئی ہے۔" سندس کے اس انداز تعریف پر عروہ کا دل چاہا اس کا سر پیٹ ڈالے، مگر جیسے بھی، جن الفاظ میں بھی تھا آخر وہ اتنی احساس فراموش بھی نہ تھی، کہ اپنی تعریف کرنے والے کو..... مگر آخر کب تک یہ تو بکے کام آئیں گے، بیاہ کے لے جا کر میاں جی بچھتا نہیں گے۔ "سندس کے اگلے فقرے پر عروہ کو اپنا پروگرام ملتوی کرنے پر اذیتا فوس ہوا۔

"پتا ہے رانیہ تار ہی تھی کہ انہوں نے ابھی سے میری عیدی بھیجنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔" اپنی ہونے والی تندہ کلمہ حوالہ دیتے ہوئے سندس نے عروہ کی ایک اور دھستی رگ کو چھیڑا، عروہ کی زندگی کے دو ہی مسئلے تھے اس کی سانولی رنگت اور اب تک نہ ہونے والی منگنی۔

"ظاہر ہے بچارے ایک دم سے تو اتنی شاپنگ نہیں کر سکتے نا، اسی لئے رمضان شروع

”اگر ہماری بھی مستثنی ہوئی ہوتی تو عیدی
آتی تا؟“ اس کے انتہائی حسرت سے کہنے پر ندا
نے بامشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔
”سندس آئی تھی کیا؟“ اس نے بالکل ٹھیک
اندازہ لگایا، کیونکہ سندس کی آمد کے بعد عروہ پہ کی
یہ مستثنی والی حسرت عروہ پر پہنچ جاتا کرتی تھی۔
”ہاں۔“ عروہ مختصر جواب دیتی آئینے میں
ایک بار پھر اپنے چہرے کا جائزہ لیتی تھ ماسک



سنوری کہاں تک پہنچی؟
"کہیں بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" عاشی کے کمال اطمینان سے کہنے پر ندا کا منہ تک نوالہ لے جانا ہاتھ دھیں رک گیا۔

"یار وہ مائرہ (ڈائجسٹ کی ایڈیٹر) نے کہا ہے کہ عید نمبر سے سو کوئی سیریس سنوری نہیں ملے گی، کوئی ہنسی مسکراتی، رو میٹنگ سی سنوری لکھو۔"

"ہاں تو ٹھیک کہا ہے نا اور ایک عید نمبر میں بار دھائر اور دکھ و غم سے لبریز کہانی لکھی جائے گی۔" ندا نے اپنی زبان دالی کے جوہر دکھانے کی کوشش کی تو عاشی دھیرے سے مسکرا دی۔

"لیکن یار زندگی اتنی ہنسی مسکراتی اور رو میٹنگ کہاں ہوتی ہے؟" عاشی کے لہجے میں عجیب سی اداسی رچی ہوئی تھی۔

"اومائی گاڈ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ چھوٹ کا مرض ہے اور اتنی جلدی چھہیں لگ جائے گا۔"
"کیا مطلب، کیسا مرض، کس کو لگا ہے۔"
عاشی نے حیرت سے ندا کی پریشان صورت دیکھی۔

"یار مجھے لگتا ہے تم پر بھی عروہ کا اثر ہو گیا ہے اور تم بھی ممکن نہ ہونے کے غم میں گرفتار ہو چکی ہو اب اللہ میاں مجھ پر رحم فرمائے آمین۔"
اس نے باقاعدہ پہلے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے اور پھر منہ پر پھیرتے ہوئے آمین کہا تو عاشی کو ہنسی آ گئی۔

"مجھ پر تو کوئی اثر نہیں ہوا البتہ مجھے ڈر ہے تمہارے ساتھ رہ رہ کر میں جو کر نہ بن جاؤں۔"
"یار لیز عید نمبر کے لئے سنوری ضرور لکھو، چھہیں نہیں پتا ہم کالج میں کتنی شو مارتے ہیں کہ یہ اتنے بڑے ڈائجسٹ میں لکھنے والی لڑکی ہماری کزن ہے۔"

لگانے لگی اور ندا اس کی حالت پر افسوس کرتی کہن کی طرف بڑھ گئی کہ نازیہ ہاجی نے شاہنگ کم کی بھی بحث زیادہ سبزی کی ریزمی والے سے لے کر رکشے والے تک اور یہ سب جھک جھک من کر اس کا دماغ پلپلا ہو رہا تھا۔

"نورا دن خوار کرانے کے بعد اتنا نہ ہو کہ کہیں کوئی کولڈ ڈرنک تک ہی پلا دیتیں۔"
بڑبڑاتے ہوئے اپنے لئے کھانا لیتی وہ کمرے میں واپس آئی۔

"عاشی کہاں ہے؟" نوالہ توڑتے ہی اسے عاشی کی غیر موجودگی کا احساس ہوا، عام طور پر اس ٹائم وہ یہیں ہوا کرتی تھی، عروہ چہرے پر ماسک لگا چکی تھی سو اس نے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا جس کا ایک دروازہ اس کمرے میں بھی نکلتا تھا۔

"کھانا کھا لیا تم نے؟"
"نہیں یار موڑ نہیں ہو رہا۔" ندا کھانے کی ٹرے لئے اس کے کمرے میں چلی آئی تو وہ جو پہلے لیٹی ہوئی تھی اس نے ٹائیس سینتے ہوئے ندا کے لئے بنائی۔

"کیا ہو رہا ہے؟"
"کچھ خاص نہیں؟" وہ ہاتھ میں لئے کاغذات کے پلندے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"ارے ہاں یار عید بھی تو آرہی ہے تم عید کے لئے کوئی مادل شامل لکھ رہی ہو نا؟" چنٹی کی پیالی سے ڈھیر ساری چنٹی نوالے پر لگاتے ہوئے ندا کو اچانک ڈائجسٹ کے عید نمبر کی یاد ستائی۔

"کتنی بار منع کیا ہے اتنی مرچیں مت کھایا کرو۔" اس پر بھی کوئی اثر نہ ہونے کے باوجود عاشی نے ٹوک کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

"چھوڑ دو بھی یار، تم بتاؤ نا عید نمبر کے لئے

ماہنامہ حنا (186) اگست 2014

ہے یہاں آ کر نہ جانے کیوں، اب نہ جانے
محترمہ کے دماغ شریف میں کون سا منصوبہ آیا ہوا
ہے۔" کچن کی طرف جاتی ندا جھنجھلا کر سوچ رہی
تھی۔

"ارے شریف سے یاد آیا آج تو عمر
شریف شوا آتا ہے۔" کچن میں جانے کس کام سے
آئی عروہ ندا کی بات سے چونکی اور پھر سے
کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

"ہاں دیکھ لو عمر شریف شوا اگر لائٹ موجود
ہو تو، سارے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے ہیں
اس گھر میں۔" وہ چلے دل کے پھپھو لے پھوڑی
کمرے کی طرف مڑ گئی، سب باتیں اپنی جگہ مگر
سچ یہی تھا کہ ایک تو ٹھکن اور پھر کھانا کھاتے ہی
اسے فضا کی خینڈا نے لگی تھی۔

"ارے سو بھی گئی۔" عاشی اسے آتے دیکھ
کر سوتی بن گئی تھی ندا بھی خاموشی سے ایک طرف
لیٹ گئی۔

"تمہیں کیسے بتاؤں ندا کہ روتے ہوئے
دل کے ساتھ ہنستی ہوئی کہانیاں لکھنا کس قدر
مشکل کام ہے۔" عاشی نے کروٹ بدلتے ہوئے
سوچا۔

"سو نے کا ایک فائدہ تو ہے اور کچھ نہیں تو
دل پہلانے کو کوئی جواب ہی مل جاتا ہے۔" اس
نے غمی سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"ارے یہ یہاں کس نے رکھی؟" شان
آفس سے گھر پہنچا تو اپنے بیڈ پر رکھی نیلی فائل
دیکھ کر چونک گیا، یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اس کی
فائل نہیں تھی، گھر میں بڑی جلی کی ناٹ ڈھیلی
کرتے ہوئے اس نے فائل اٹھالی۔

"ڈیئر کزن! آپ کو معلوم ہے نا، میں
ڈائجسٹ کے لئے کہانیاں لکھتی ہوں، مگر اس بار

"سوری ڈیئر مگر اس بار مشکل ہی ہے۔"

عاشی کی اپنی مجبوری تھی۔

"اگر عید نمبر کے لئے فائل نہیں لکھ رہی ہوتو
پھر یہ دن رات جو کاغذ کاٹے کرنے میں لگی ہوئی
ہو، یہ کیا ہے؟" عاشی کے صاف جواب پر ندا خفا
ہوتی سمجھیل پر رکھی فائل کی طرف اشارہ کر کے
بولی۔

"یہ..... یہ عید نمبر کے لئے نہیں ہے، یہ تو
زندگی کی کہانی ہے جو بہت تلخ ہوتی ہے اور سچ
کہانیوں کی عید نمبر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔" عاشی
کے وضاحت دینے پر ندا نے غور سے اس کی
طرف دیکھا، بہت کوشش کے باوجود وہ اپنے
لہجے کی سختی پر پوری طرح قابو نہ پاسکی تھی۔

"کس کی زندگی کی کہانی ہے؟" اس بار اس
نے دانستہ لہجے میں لاپرواہی سموتے ہوئے
پوچھا۔

"شاید میری۔"

"کس ڈائجسٹ میں دوگی؟"

"کسی میں بھی نہیں۔" اس بار عاشی
دھیرے سے مسکرا کر خود کو مارل ظاہر کرنے کی
کوشش کرنی لگی۔

"اچھا تمہارا کھانا ختم ہو گیا نا، چلو اب کچھ
دیر سو جاتے ہیں، تم بھی نازیہ باجی کے ساتھ
مارکیٹ میں خوب کھپ کر آرہی ہوگی اور میں بھی
صبح سے لکھتے لکھتے تھک گئی ہوں، چلو شاباش یہ
ٹرے جلدی سے کچن میں رکھ آؤ۔" مزید کسی
سوال سے بچنے کے لئے عاشی جلدی جلدی بولتی
سونے کے لئے لیٹ بھی چکی تھی۔

"یہ شان بھی نا، بیوقوف ہے بالکل، چا
نہیں کب اس کو عقل آئے گی، یا پھر عاشی کو ہی
عقل آ جائے، نا قدروں پر جذبے نہیں لٹانے
چاہیں، مگر کون سمجھائے اسے یوں تو بڑی عقلمند بنتی

یہ کہانی جو میں نے لکھی ہے، وہ کسی ڈائجسٹ کے لئے نہیں نہ ہی لوگوں کے لئے، یہ کہانی اگر آپ پڑھیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور ہاں پڑھنے کے بعد بتائیے گا ضرور کہ کیسی لگی۔ "عاشی۔"

شان کو یہ خط دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی تھی، عاشی کی یہ حرکت اس کی سمجھ سے باہر تھی اور پھر یہ تو ایسے بھی بہت عجیب سی بات تھی۔

"بھلا مجھے کہانی پڑھوانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" وہ الجھا ہوا سا باقی فائل دیکھنے لگا، خط کے نچے بہت سارے صفحات تھے جن پر یقینی طور پر کہانی لکھی گئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے کہانی ہی تو پڑھنے کو کہا ہے پڑھ لوں گا۔" تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا، فائل کو بک ریک میں رکھ کر وہ فریش ہونے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا، لیکن پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے اور وہ اپنی مصروفیات میں مگن ہو کر اس فائل کو بالکل بھلا بیٹھا تھا جب ایک دن اچانک عاشی نے پوچھ لیا۔ "آپ نے وہ سنووری پڑھی؟"

"ہاں مگر تھوڑی سی، مصروفیات کی وجہ سے زیادہ نام نہیں دے سکا۔" عاشی کے چہرے اور آنکھوں میں امید کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اسے تو وہ کہانی یاد بھی نہیں، بلکہ اس نے عاشی کا دل رکھنے کو ایک چھوٹا سا جھوٹ بول دیا اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ جلد ہی وہ کہانی پڑھ لے گا، لیکن عاشی اس کے اس جھوٹ کو اس کی آنکھوں سے جان چکی تھی مگر خاموشی سے مسکرا دی اور کچھ جتا یا نہیں۔

ایسا نہیں تھا کہ اس کی نظر میں کسی کی اہمیت نہیں تھی بس اس کی آنکھوں کی مصروفیات ہی اتنی تھیں اور آج کل تو اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھیں، جس کی وجہ سے بہت سے کام رہ جایا کرتے جیسا

کہ یہ سنووری رہ گئی تھی، خاص طور سے عاشی اس کے لئے غیر اہم ہر نہیں ہو سکتی تھی، اس کے لئے شان کے دل میں ایک خاص گوشہ تھا جہاں صرف اور صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا اور وہ نام عاشی کے سوا کوئی نہیں تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس بات کو آج تک اس نے اپنے لاشعور سے شعور میں نہیں آنے دیا تھا، وہ بزدل تھا نہ ہی اسے کسی قسم کا کوئی کمپلیکس تھا، بس نہ جانے کیوں ایک عجیب سا خوف کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو؟ جس انسان نے ہمیشہ جیت دیکھی ہو اس کے لئے ہار زیادہ ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے بلکہ ناقابل برداشت اور ایسے لوگوں کو خاص طور پر محبت میں ہار کسی قیمت پر برداشت نہیں ہوا کرتی، یہی شان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا لیکن وہ اب تک بڑی خوبصورتی سی اس سے نظر چراتا رہا تھا ہاں مگر عاشی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں جلتے چراغوں کو اس سے نہ چھپا پایا تھا اور اس کی آنکھوں کے چراغوں نے جیاں عاشی کی اندھیری راتوں میں روشنیاں بھر دی تھیں وہیں اس کی آنکھوں کو ڈھیر سارے خواب دے کر بدلے میں نیندیں مانگ لی تھیں اور وہ نادان لڑکی خوشی خوشی یہ سودا کر بیٹھی۔

ہنہ ہنہ ہنہ

"بک ہا ایسا تو کوئی بھی نہیں۔" بہت دیر سے سوچوں میں کھوئی عروہ نے اچانک ہی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب کیا ہوا؟" عاشی کو یقین تھا کہ اس نے ضرور پھر کوئی الٹی سیدھی بات سی سوچی ہوگی۔

"یہ تم لوگوں کی کہانیاں اور فلموں میں کتنی بار ہیر و ہیر وٹن کی ملاقات ایسی ہی ہوتی ہے تاکہ ان کا کہیں ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور... اور کیونچہ کا دیوتا ان کو دھیان سے نہ چلنے کی سزا کے طور پر

ماہنامہ حنا (۱۸۸) اگست ۲۰۱۴

محبت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔" عاشی نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

"کیا کیا تم محبت کو عذاب سمجھتی ہو؟" عروہ کو شدید صدمہ پہنچا تھا، وہ تو عاشی سے خاص طور سے اس لئے کافی عقیدت رکھتی تھی کہ وہ محبتوں کی کہانیاں لکھا کرتی تھی۔

"نہیں یار ابوس یول گئی تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں۔" عاشی نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"یار میں سوچ رہی تھی کہ ہمارے ارد گرد تو ایسا کوئی بھی نہیں جس سے کسی طرح ٹکرا جاؤں اور پھر....." وہ ایک بھر پھر مایوسی سے گردن ہلا رہی تھی۔

"وہی ایک طریقہ اور بھی ہے مگر..... نہیں یار یہاں وہ بھی نہیں چل سکتا۔"

"تم بتاؤ تو سہی کیا طریقہ ہے میں عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔" عروہ آئینڈیا نے بنائی دل و جان سے تیار تھی وہ کم از کم آنے والی یہ عید بنا سسرال کی عیدی کے نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

"نہیں ہو سکتا یا چھوڑو۔" ندا نے اپنی عادت کے مطابق تجسس پھیلا دیا۔

"تم آخر بتا کیوں نہیں دیتی ہو۔" عروہ نے مصحفی کے تحت غصہ چھپاتے ہوئے بظاہر لجاجت سے پوچھا۔

"دیکھو نایار ہمارا باب، چچا ماموں کوئی ایسا نہیں جو کہ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہو کسی ڈان سے پنکالے اور پھر غصے میں آکر ڈان انہیں اغواء کر لے اور ہیرو جا کر انہیں چھڑا لائے اور سزا کے طور پر اسے تم سے شادی کرنا پڑے۔" بڑے ڈرامائی انداز میں کہتے کہتے اینڈ میں ندا کا لہجہ چڑانے والا ہو گیا عاشی نے بڑی مشکل سے اپنا قبضہ کنٹرول کیا۔

"سزا کے طور پر..... کیا مطلب؟" عروہ تصویر ہی تصور میں وہ سب دیکھ رہی تھی جو ندا بول رہی تھی اسی لئے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ پائی۔

"تمہاری جیسی ہیروئن بننے کا مطلب..... کبھی کبھی نیکی گٹے بھی تو پڑ جاتا کرتی ہے۔" ندا کی سنجیدگی میں ذرا جو کوئی فرق آیا ہو مگر اب عروہ تصور کی دنیا سے نکل آئی تھی۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی خبیث۔" عروہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اسے کیا کر دے۔

"سنو ایک آئینڈیا اور ہے؟" ندا آج آئینڈیا کی پیاری کھولے بیٹھی تھی۔

"مجھے نہیں سننا۔" "ارے سن لو کیا خبر کوئی کام کا آئینڈیا ہو۔" عاشی کے کہنے پر عروہ نے روشے روشے انداز میں عدا کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تم کالج سے پیدل آنا شروع کر دو۔"

"اور اللہ کو پیاری ہو جاؤ واہ کیا آئینڈیا دے رہی ہو بڑی بہن کو، جہاں گاڑی سے آنے میں چندرہ منٹ لگتے ہیں وہاں پیدل آتے آتے میری کیا حالت ہو گی؟" غصے میں عروہ اپنے بڑے ہونے کا اقرار کر گئی ورنہ وہ اس حقیقت پر ہمیشہ برودہ ڈالے رکھنا ہی پسند کرتی تھی، اسی مقصد کے تحت اس نے ندا کو آج تک اپنے نام کے ساتھ باجی، آپی وغیرہ جیسے الفاظ لگانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

"ارے سنو تو، جب تم پیدل آؤ گی تو کسی دن تھک کر یا گرمی سے تمہیں چکر آئے گا اور تم کسی کار سے ٹکرا جاؤ گی اور۔"

"نور یا تو میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گی یا پھر ہسپتال اور اگر خدا نخواستہ لنگڑی لولی ہو گئی تو میری شادی کا تو چانس ہی ختم ہو گیا

”؟“

”اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کار میں سے کوئی بوڑھا بابا نکل کر آئے اور پوچھے بیٹی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے چلو میں تم کو ہاسپٹل لے چلا ہوں۔“ عاشی کا کھینچا یہ نقشہ عروہ کے لئے سب سے بھیانک تھا وہ بے ساختہ جھرجھری لے کر رہ گئی اور عروہ کو شرمندہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

”مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میری بہن ہو کر ایسے آئیڈیاز دو گی، میں خود ہی کچھ سوچ لوں گی۔“ عروہ نے سخت اموشنل ہو کر کہا اور وہاں سے اٹھ گئی، جبکہ پیچھے خدا کی ہنسی ہی کنٹرول نہ ہو رہی تھی اور عاشی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے ابھی ابھی عروہ باہر گئی تھی عاشی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیکن آنکھوں میں گہری سوچ کر پر چھائیاں تھیں۔

☆☆☆

”ارے واہ بڑے اچھے موقع پر آئے ہو۔“ دروازہ کھولنے پر اسد نظر پڑتے ہی عاشی خوشی سے بولی۔

”میرا خیال ہے مجھے واپس جانا چاہیے۔“ یہ کہتے ہی وہ واپس مڑا۔

”یار میں بہت تھکا ہوا ہوں اور مارکیٹ جانے کا میرا کوئی موڈ نہیں، اس لئے مجھے یہاں سے جانا چاہیے۔“ وہ بے مروت کہنے لگا تو عاشی کو ہنسی آگئی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تمہیں مارکیٹ نہیں بھیجوں گی اندر آؤ تم، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“

”جی فرمائیے؟“ صحن میں چھٹی چار پائی پر بیٹھے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

”پہلے یہ بتاؤ یہ مارکیٹ جانے کا کیا چکر

”؟“

”یار صبح سے میرے ساتھ دو بار ایسا ہو چکا ہے، پہلے میں اپنے دوست عاقب کے گھر گیا جیسے ہی بیل دی اس کی امی گیٹ پر آئیں اور مجھے دیکھتے ہی بولیں واہ اسد بیٹا، بڑے اچھے موقع پر آئے ہو عاقب بھی گھر نہیں اور ابھی فون آیا ہے کہ صائمہ (عاقب کی بہن) کے سسرال والے آ رہے ہیں، گھر میں چکن تک ختم ہوا پڑا ہے بیٹا ذرا دوڑ کر یہ کچھ سامان تو لا دو۔“ انہوں نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہ مارکیٹ گلی کے کنارے ہی تو مگر کیا کر سکتا تھا اسارا سامان لا کر دیا اپنے گھر آیا تو مجھے دیکھتے ہی سندس بولی واہ بھائی بڑے اچھے موقع پر آئے ہو، میری دوست آئی ہوئی ہیں پلیز جلدی سے مارکیٹ سے یہ کچھ چیزیں تو لا دو، اس نے کھانے پینے کی ایک لمبی لسٹ میرے ہاتھ میں تھمائی اس سے پہلے کہ میں انکار کرتا سامنے سے آتے ابا جان کو دیکھ کر خاموشی سے مارکیٹ کا رخ کیا اور اب آپ نے بھی مجھے دیکھتے ہی وہ جملہ دہرایا تو میں ڈر ہی گیا۔“ وہ ہنستے ہوئے اپنی آپ جتنی سار باتھا اور عاشی کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

”اب آپ بتائیے کیا کہنا چاہتی تھیں۔“

”یہ بتاؤ یہاں کیوں آتے ہو؟“ عاشی آج صاف صاف بات کر لینا چاہتی تھی۔

”آپ جیسی عظیم رائٹر کا دیدار کرنے، آپ کو نہیں معلوم عاشی جی میں آپ کا کتنا بڑا فین ہوں۔“

”میں ایک بھراپنا سوال دہراتی ہوں کیوں اس گھر کے چکر کا کرتے ہو؟“ عاشی کی سنجیدگی ہنوز تھی۔

”ارے عجیب سوال کر رہی ہیں، آپ میری پھپھو کا گھر ہے اس لئے آتا ہوں۔“ وہ سارے گھر پر نظر ڈالتا بولا۔

ماہنامہ حسنا (190) اگست 2014

ہاتھ عامی ہوتے ہوئے بھی انسان کے لئے اہم ہو جاتی ہیں، شاید اس طرح وہ اپنے اس کمپلیکس سے جھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو کہ اپنی رنگت کی وجہ سے وہ کبھی کسی کو پسند نہیں آ سکتی۔“ عروہ کا رویہ بظاہر بچکانہ لگتا تھا لیکن عاشری نے اس کے دل میں چھپے خوف تک رسائی حاصل کر لی تھی، اس نے سوچا تھا اسد سے کہہ دیا۔

”تو اب میں کیا کروں؟“ وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”اب یہ بھی میں بتاؤں؟“ عاشری کے گھورنے پر وہ ہنس دیا۔

”دراصل اس سے اظہار محبت کرنا میرے لئے بڑا مشکل کام ہے، اس کو دیکھتے ہی مجھے اتنی شرارتیں سوجھتی ہیں کہ۔“ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ ندا اور عروہ گھر میں داخل ہوئیں۔

”اوہو آگئیں دنیا جہان کی کریمیں خریدنے میں پیسے ضائع کر کے؟“ عروہ کو دیکھتے ہی وہ شرارت برآباد ہوا۔

”تم نہیں سدھر سکتے۔“ عاشری ہنستے ہوئے شام کی چائے بنانے کچن کی طرف چل دی، مگر اب وہ مطمئن تھی کہ اس نے اسد تک اپنی بات پہنچا دی تھی اور اب یقیناً عروہ کا براہم حل ہو جائے گا، چائے بناتے ہوئے وہ مسلسل عروہ اور اسد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

”عروہ بھی کتنی بے وقوف ہے اسد کی شرارتوں میں چھپی محبت اس کو نظر ہی نہ آئی اور ایک میں ہوں بس آنکھوں کو بڑھنے کا جرم ہوا تھا اک بار اور سزا جانے کب ختم ہوگی شاید کبھی نہیں۔“ باہر سے اسد اور عروہ کے جھگڑے کی آوازوں کو سنتے ہوئے اس نے اداسی سے سوچا۔

”شان نے ابھی تک میری کہانی نہیں

”صرف یہی وجہ ہے؟“

”آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ کیا سب کہیں گئے ہوئے ہیں؟“ اس بار وہ عاشری کے سوال کو نظر انداز کرتا سوال کرنے لگا۔

”خالہ اپنے کمرے میں ہیں، شان ابھی آفس سے نہیں آیا انکل کسی سے ملنے گئے ہیں اور ندا اور عروہ مارکیٹ گئی ہیں، بس آتی ہی ہوں گی، بس اب مجھے میرے سوال کا جواب ملے گا؟“

”میرے اس گھر کے گرد چکر لگانے کی وجہ میرے ماں باپ آکر آپ کو بلکہ سب کو بتا دیں گے۔“ وہ شرارت سے مسکراتا ہوا بولا تو عاشری کے ذہن میں آتے خیالات کی تصدیق ہو گئی۔

”منہ دھور کھوصاف انکار ہو جائے گا۔“

”ارے واہ ابویں انکار ہو جائے گا مجھ سا ملے گا کہاں اس کالی کلوٹی کو اور بھلا کون کرے گا انکار؟“

”وہ کالی کلوٹی خود انکار کرے گی۔“

”کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟“ وہ شرارت بھول کر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

”بالکل سچ۔“ اب وہ اسے ستانے لگی۔

”وجہ؟“

”لو میرج۔“

”کیا؟ یعنی وہ کسی کو پسند کرتی ہے؟“ اسد کو اپنے سارے خواب ایک لمحے میں ٹوٹتے نظر آئے۔

”لو میرج کرنے کا بھوت سوار ہے محترمہ کے سر پر۔“ آخر عاشری نے بتا ہی دیا۔

”یہ کیا فضول بات ہے اسے سوچنا چاہیے اگر میرے گھر والے رشتہ لے کر آئیں گے تو یونہی تو نہیں، میری مرضی شامل ہے تبھی آئیں گے۔“ وہ رمان سے بولا۔

”تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن کچھ

ماہنامہ حنا (191) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

پڑھی۔" اپنے ذہن میں آتی اس سوچ کو جھٹکتے ہوئے وہ چائے لئے کھن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"ہائے کزن کیا ہو رہا ہے؟" اسد کے اس قدر صلیح جو انداز پر عروہ کا چوکنا لازمی تھا۔

"تھوڑا نا تم ہو گا تمہارے پاس؟" وہ عروہ کی حیرت بھری نظر کو نظر انداز کر گیا اور رمضان میں نی وی دیکھنے پر اس کی کلاس لینے کی بجائے وہ ایک بار پھر بڑے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

"بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، خیریت تو ہے نا؟" عروہ کے مشکوک کچھ میں طنز کرنے پر اسد نے ہلکا سا مشکل خود کو کچھ الٹا سیدھا جواب دینے سے روکا۔

"دراصل تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔" وہ عروہ کی حیرت میں مزید اضافہ کرتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا۔

"مجھ سے؟"

"ہاں تم سے، چلو سب چھوڑ دو آؤ باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔"

"کیوں یہاں بات کرنے میں کیا خرابی ہے؟"

لیکن عروہ کی بات کا جواب دیے بنا وہ اس کے ہاتھ سے ریوٹ لے کر نی وی آف کر کے اس کا ہاتھ تھامے لان کی طرف چل پڑا۔

"انہو ہاتھ تو چھوڑ دیو آج تمہیں ہوا کیا ہے آخر؟" اس کی اتنی زیادہ اور مسلسل سنجیدگی اور راز دارانہ سے رویہ کی وجہ سے وہ تجسس کے ساتھ ساتھ جھنجھلاہٹ کا بھی شکار ہو رہی تھی۔

"ارے اب بتا بھی چکو۔" پچھلے دو منٹ سے خاموشی سے اس کے بولنے کے انتظار کے بعد آخر عروہ کو بولنا پڑا۔

"میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے، میرا مطلب تمہاری اور میری، میں اس بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔" وہ مختصر نظروں سے عروہ کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"میری امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔"

"مگر یہ تو آنٹی انکل چاہتے ہیں نا؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میرا کیا ہے یا ایک تو میں امی ابو کی مرضی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا اور دوسرے دیکھا جائے تو تم میں کوئی خاص برائی بھی نہیں ہے بس رنگ تھوڑا کالا ہے، ناک تھوڑا چھوٹا ہے خیر ہے چلے گا بیوی زیادہ خوبصورت ہونی بھی نہیں چاہیے ورنہ اپویں خواہوا غرے اٹھانا پڑتے ہیں، تھوڑی بے وقوف بھی ہو تو، تو کیا ہوا بے وقوف بیوی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے، ہاں کام شام کر لیتی ہو گھر کے یعنی کہ یہ سب ملا کر دیکھا جائے تو تم سے شادی کرنے میں کوئی ایسی خاص برائی نہیں ہے اس لئے میری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں اب تم بولو؟" وہ بکا سوچ کر آیا تھا کہ اسے تنگ نہیں کرے گا سنجیدگی سے بات کرے گا، اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر کے اس کے دل سے ہر خدشہ نکال دے گا لیکن عروہ کا چہرہ دیکھتے ہی وہ شرارت کر گیا تھا یہ شرارت اسے کتنی مہلک بنانے والی تھی یہ اسے معلوم نہ تھا، عروہ کچھ بھی کہے بنا وہاں سے اٹھ کر چلی گئی اور اس کے لاکھ بلانے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

لفظ اندھے کبھی نہیں ہوتے

ماہنامہ حنا (192) اگست 2014

لوگوں کی نظروں سے گھبرانے والی محفلوں سے کترانے والی عروہ نہیں تھی وہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا آپ منوانے کی صلاحیت رکھتی تھی، لیکن شلہ کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی، لوگوں کی جن نظروں اور منٹس کو وہ مسکراتے ہوئے نظر انداز کرتی رہی تھی اس کے اندر کہیں جا بیٹھے تھے، دل میں ابھرتے ڈھیروں خدشات ایسے تھے جنہیں وہ باپ کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی، انہی میں ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ اس سے کبھی کوئی پیار نہیں کر سکتا، جو کوئی بھی اس سے شادی کرے گا اس کی وجہ یا تو اس کے باپ کی دولت ہوگی یا پھر کوئی اور مقصد اور یہی خوف تھا جس کی بنا پر وہ ہمیشہ لومیرج کے حق میں بولتی رہی تھی۔

”ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا، اسد نے پہلی بار تو میرا مذاق نہیں اڑایا پھر آج میں کیوں اس کو اتنا سیریس لے رہی ہوں؟“ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے اچانک ہی خیال آیا تھا۔

”آج سے پہلے اس نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔“ اسے اپنے دل سے ہی اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ کچھ اور ٹھٹھک گئی، اسد کی عادت تھی ہر وقت مذاق کرنے کی وہ بھی آج تک دو بدو جواب دیتی آئی تھی۔

”آج اسد کی اتنی باتوں کے جواب میں، میں نے ایک لفظ تک نہ کہا کیوں، میں وہاں سے اتنی خاموشی سے کیوں اٹھ آئی؟“ وہ اپنی عدالت میں کھڑی مدت بعد خود سے یوں سوال کر رہی تھی اور اکثر ایسے اوقات میں ہونے والے انکشاف بہت جان لیوا ہوا کرتے ہیں جیسے اس پر آج یہ انکشاف ہوا تھا کہ اسد کی محبت نہ جانے کب اس کے دل میں آئی تھی جسے آج تک وہ اپنے غصے اور جھگڑے کی آڑ میں اسی ڈر سے چھپائے ہوئے تھی کہ وہ اس کے جذبات کا مذاق اڑائے گا

بولنے والا سوچتا ہی نہیں بچپن سے ہی اسے احساس تھا کہ خدا اور شان کے مقابلے میں اس میں کوئی کمی ہے، جہاں کہیں وہ تینوں اکٹھے ہوتے وہ ہمیشہ محسوس کرتی کہ لوگ اس کی نسبت اس کے بہن بھائیوں کو زیادہ توجہ زیادہ پیار دیتے ہیں، تھوڑی بڑی ہوئی تو لوگوں کے حیرت بھرے سوال اسے الجھانے لگے جب وہ کہیں بھی اسے دیکھ کر کہتے ارے یہ تو لگتی ہی نہیں کہ خدا اور شان کی بہن ہے تو وہ انجانے احساس جرم کا شکار ہونے لگتی، انہی باتوں کی وجہ سے وہ لوگوں سے کترانے لگی عین ممکن تھا وہ دنیا سے کٹ کر اپنے خول میں سمٹ جاتی لیکن پھر ایک دن اس کے بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا وہ کچھ ابھی ابھی سی وہاں پہنچی تھی ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ بابا جان اسے اس طرح بلائیں۔

”آپ نے مجھے بلایا بابا جان؟“ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی، اجازت ملتے ہی وہ ان کے سامنے جا بیٹھی عروہ ان کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ بڑے غور سے اس کے مرجھائے ہوئے معصوم چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

”ہم سے دوستی کرو گی بیٹا جی؟“ عروہ کو ان سے ایسے کسی بھی سوال کی توقع ہو گز نہیں تھی وہ لمحہ بھر حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر ان کے بڑے ہوئے مضبوط ہاتھ میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ تھما دیا۔

”تو آج سے میری بیٹی اپنے دل کی ہر بات اپنے بابا دوست کے ساتھ شیئر کرے گی ٹھیک ہے نا؟“ اور اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور بس اس دن کے بعد سے اس میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہونا چلا گیا اب وہ

ماہنامہ حسنا (193) اگست 2014

”یہ بات مذاق کے سوا بھلا ہو بھی کیا سکتی ہے؟ کہاں میں، بہت فرق ہے ہمارے مزاج میں ہمارے سوچنے کے انداز میں، میں تو ایسے بھی سوچ بھی نہیں سکتی۔“ آخر میں وہ ہنس دی اور سر جھٹکتی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی تبھی وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”بس ہو گیا؟ لے لیا اپنا بدلہ؟ ہو گئی تسکین، اب میری بات دھیان سے سنو مجھے بھی تمہارے دل کی بات جاننے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی اور میں سمجھتا تھا اتنے لمبے ساتھ میں تم بھی میری آنکھوں کی زبان سمجھنے لگی ہو گی مگر تم، خیر بس بات کا اعتبار تمہیں میری آنکھوں سے نہیں ملا میرے الفاظ شاید تمہیں اس کا یقین دلا دیں۔“ وہ لمحہ بھر کو رکا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے خوابوں میں ہم سفر کے روپ میں تمہیں ہی دیکھا ہے، اب کہو کیا تمہیں میرا ساتھ قبول ہے؟“

”لیکن تم نے تو کہا تھا تم انکل آنٹی کی خوشی کے لئے اس رشتے کے لئے ہاں کر رہے ہو۔“ اس نے جیسے شکایت لگائی۔

”بات یہ ہے مائی ڈیر کزن ویسے تو میں اچھا خاصا ذہین فطین قسم کا بندہ ہوں You know مگر ہر ذہین آدمی کے دماغ میں بھی نہ کبھی خلل آ جاتا ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔“ وہ پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اس کے چہرے کے بگڑتے زوایے دیکھ کر فوراً بات بدل دی۔

”جو میں اب کہہ رہا ہوں خدا اس پر دھیان دو لڑکی۔“

”اور تمہیں تو بہت خوبصورت بیوی چاہیے میں تو خوبصورت بھی نہیں۔“ عروہ نے اسد کے

انکار کر دیے گا کیونکہ وہ اس جیسے چند سم بندے کی آئینڈیل بھی نہیں ہو سکتی تھی اور اسے آج ہی خبر ہوئی تھی کہ آج تک خود کو خوبصورت بنانے کے لئے جو نوٹکے اور کریمیں وہ استعمال کرتی آئی تھی وہ بھی لاشعوری طور پر اسد کی پسند کی لڑکی بننے کی ایک کوشش کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

”میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔“ عروہ کا ذہن ایک بار پھر اسد کی باتیں دہرانے میں مصروف ہو چکا تھا، اس نے یونہی نظر اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا سیاہ رات کے اندھیرے کو چہر کر آنے والا اجالا آنے والی صبح کی خبر دے رہا تھا، یعنی اس کے پاس آنسو بہانے اور دل کو بہلانے کے لئے بہت ٹھوڑا ٹائم تھا، اپنی عزت نفس کا سودا تو وہ کسی طور نہ کر سکتی تھی، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اسے اپنے آنسوؤں کے نشان تک مٹا دینے تھے۔

☆ ☆ ☆

”میں نے تم سے اس روز ایک سوال کیا تھا لیکن تم جواب دیئے بنا ہی غائب ہو گئیں۔“ بہت دن وہ اسد کا سامنا کرنے سے کتراتے رہی تھی لیکن آخر کب تک آج وہ پھر سامنے کھڑا اپنے سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔

”کون سا سوال؟“ لمحہ بھر کو اس کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے وہ انجان بنی پوچھ رہی تھی۔

”تمہاری اور میری شادی کا سوال۔“

”ارے تم نے وہ سوال سنجیدگی سے کیا تھا؟ میں تو سمجھی مذاق کر رہے ہو۔“ عروہ کی بے نیازی عروج پر تھی۔

”تمہیں لگتا ہے میں ایسے سنجیدہ معاملے میں تم سے مذاق کروں گا؟“ وہ اس بار جیسے زچ ہوا۔

ماہنامہ حنا (۱۹۴) اگست ۲۰۱۴

”یقین نہیں؟“

”تمہارا ہی تو یقین ہے۔“ اس کے اعتماد سے کہنے پر بہت دن بعد عروہ پہ کھل کے مسکرائی۔

☆☆☆

آج پندرہواں روزہ تھا اور اسد کی فیملی بھی آج افطاری پر مدعو تھی، سو روز کی نسبت آج افطاری اور ڈنر کا اہتمام بھی کچھ خاص تھا، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا اس کے بعد بڑے صحن میں اور بچے لی دی لاؤنج میں محفل جما کر بیٹھ گئے، اذان ہوئی تو مردوں نے تراویح کے لئے محلے کی مسجد کا رخ کیا اور لڑکیاں جلدی جلدی کچن سینے لگیں، جانتی تھیں کہ نماز کے بعد چائے کا ایک اور دور چلنے والا ہے، آج وہ لوگ خاص مقصد سے آئے تھے، یعنی اسد کے لئے عروہ کا ہاتھ مانگنے اور صرف اتنا ہی نہیں ساتھ میں اس کی عیدی بھی لائے تھے۔

”مجھے یقین تھا کہ میری بہن میرا مان رکھ لے گی بس اسی لئے اپنی بیٹی کی عیدی بھی ساتھ لے آیا، انشاء اللہ اگلی عید تو یہ اپنے گھر جا کر ہی کرے گی۔“ صحن سے آئی ماموں جی کی آواز سن کر عروہ کے چہرے پر کتنے ہی دھنک رنگ بکھر گئے تھے عاشی نے یہ خوبصورت منظر دیکھا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

آج شان فرصت سے بیٹھا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ آج عائشہ کی سنوری پڑھ کر ہی اٹھے گا، وہ کہانی اور اس کے کردار اس کے لئے اجنبی نہیں تھے دراصل وہ اس کی اور عائشہ کی خاموش محبت کی کہانی تھی، شان کے روئے سے مایوسی عاشی نے بہت ہی دبی اینڈ کیا تھا اس کہانی کا۔

”تمہیں اللہ بوجھے عاشی میڈم اس قدر دل دکھانے والا اینڈ تم بھی اچھی رائٹر نہیں بن سکتیں،

عاجز اندہ لکچ کا ذرا بھی نوٹس نہ لیا تھا۔

”عروہ! اس پکار میں جانے کیا کچھ تھا وہ بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

”میں نے کہا ہے عروہ کہ مجھے تم سے محبت ہے، محبت چہروں سے نہیں ہوا کرتی محبت دل سے کی جاتی ہے، محبت رویوں اور کردار سے کی جاتی ہے، محبت شن سے نہیں من سے کی جاتی ہے مائی ڈیئر، میں ہمیشہ تمہیں ستایا کرتا تھا رنگ گورا کرنے والی کریوں کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر تم پر ہنستا تھا تو اس کا مقصد تمہارا مذاق اڑانا نہیں تھا بلکہ میں چاہتا تھا تم میری باتوں سے تنگ آ کر سہی مگر وہ سب چھوڑ دو اور یقین کر لو کہ تم جو ہو جیسی ہو بہت اچھی ہو بہت خوبصورت ہو اور میری نظر سے دیکھو عروہ تو جان لو گی کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔“ وہ اس کے دل میں جیسے کاتوں کو نکالتا ساتھ ساتھ پیار کا مرہم بھی رکھ رہا تھا، عروہ نے پہلی بار اپنے کندھوں اور دل سے کوئی بھاری بوجھ سرکٹا محسوس کیا، وہ خود کو بہت پرسکون بہت آزاد محسوس کر رہی تھی۔

”سنو میں نے تو تمہارے لئے عیدی بھی لے لی ہے جو امی ابو بہت جلد تمہارے گھر لانے والے ہیں، لیکن میں ایک چیز کی کمی رہ گئی۔“

”وہ کیا؟“ وہ جو بڑے دھیان سے مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی چونک کر پوچھنے لگی۔

”یار وہ میں نے سب چیزیں خریدیں مگر کوئی رنگ گورا کرنے والی کریم خریدنا بھول گیا۔“ وہ ایک بار پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اب عروہ پر حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔

”اب اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

”ریٹلی۔“ وہ پھر چھیڑنے لگا۔

ماہنامہ خنہ () اگست 2014

ایک دم فلاپ ہو۔" دی اینڈ لکھا دیکھ کر شان تصور ہی تصور میں عاشی سے باتیں کرنے لگا۔
"گستاخے تمہیں کہانی لکھنا سکھانا ہی پڑے گا۔" وہ کچھ فیصلہ کرنا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"آداب!" شان کی آواز پر عاشی تیزی سے ہلٹی وہ آج صبح ہی تو گاؤں پہنچی تھی اگرچہ آنٹی جانتی تھیں کہ اس بار وہ عید ان کے ساتھ کرے لیکن وہ اپنے گھر آنے کو بے تاب تھی اور ویسے بھی اب وہاں اس کا دل نہ لگ رہا تھا۔

"آپ یہاں؟ اس وقت؟" اس کا حیران ہونا بجا تھا کیونکہ کل عید متوقع تھی اور ایسے وقت میں شان کی گاؤں میں موجودگی چہ معنی۔

"میں نے تمہاری کہانی پڑھ لی تھی اور اس کے بارے میں اپنی رائے دینا چاہتا تھا لیکن میں دو دن کے لئے شہر سے باہر گیا اور تم یہاں آگئیں تو میں نے سوچا کہ نیک کام میں دیر کیسی سو میں یہاں چلا آیا۔" مسلسل بولتا شان کہیں سے بھی وہ سنجیدہ لیا دیا رہنے والا شان نہیں لگ رہا تھا بلکہ آج وہ نڈا اور عروہ کا سا بھائی لگ رہا تھا۔

"لیکن....."

"لیکن ویکن چھوڑ دو سنو تمہاری کہانی ویسے تو بہت اچھی ہے، خاص طور سے شاعری کا انتخاب بہت خوب تھا لیکن سنووری میں کچھ گڑبڑ ہے، ایک تو تم نے اپنی کہانی کے ہیرو بیچارے کو کچھ زیادہ ہی اتار پرست اور بے وقوف دکھا دیا۔"

"بے وقوف کیسے میں نے تو....."

"ارے بابا اپنی محبت اپنی زندگی کو اس طرح انا کی نظر کر دینے والا بے وقوف نہیں تو اور کیا ہے اور دوسری بات سنووری کا اینڈ مجھے بالکل پسند نہیں آیا، اتار رو نے دھونے والا اینڈ پڑھ کر بے چاری لڑکیوں کا کیا حال ہو گا، اس کہانی میں

تھوڑی سی تبدیلیاں کرو اور ڈائجسٹ میں عید نمبر کے لئے بھیج دو، ارے تم نے رونا کیوں شروع کر دیا۔" ڈائجسٹ کا نام آتے ہی عاشی کو منہ بسورتے دیکھ کر وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

"اب ڈائجسٹ میں بھیجنے کا وقت کہاں رہا۔"

"حد ہے یار میں تمہاری زندگی کی کہانی سنواری نے آیا ہوں اور تم خوش ہونے کی بجائے اپنی یہ جھوٹی کہانی ڈائجسٹ میں نہ چھپنے پر آنسو بہا رہی ہو۔" وہ ملاحتی لہجے میں بولا۔

"یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے۔" وہ ذرا غصے سے بولی، اپنی ساری زندگی اپنے جذبات تو لکھ ڈالے تھے عاشی نے اس کہانی میں، تو وہ اس کہانی کو جھوٹی کہانی کیسے مان لیتی بھلا۔

"جھوٹی ہے اس میں تم نے میری کتنی برائیاں کی ہیں مجھ پر آیا غصہ سب اس میں لکھ ڈالا نا تو یہ جھوٹ ہے اور سنو۔" یکدم اس نے عاشی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور چند لمحے یونہی خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"چھوڑو عاشی ان کہانیوں کو آؤ ہم اپنی کہانی لکھتے ہیں، اپنے جذباتوں اور بے قرار یوں سے کتنی ایک خوبصورت کہانی جس میں بس پیار ہو گا صرف ہنس اور خوشی ہو گی کوئی دکھ نہیں کوئی آنسو نہیں، کیا خیال ہے؟" آخر میں وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے گالوں پر ڈھلکتے موتیوں کو سمیٹنے لگا تو عاشی کی نظریں جیاد سے جھپک گئیں۔

"ارے ہاں مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا تھا۔" وہ اپنی پاکٹ ٹوٹتے ہوئے بولا تو عاشی مختصر نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اپنے دل کی بات کاغذ سے پڑھ کر سنائیں گے۔" آنکھوں کے ساتھ لہجے سے بھی شکایت جھپکی تو وہ ہنس دیا۔

ماہنامہ منا (۱۹۶) اگست 2014

”سوری یار بہت بڑائی کیا مگر اتنی امیر جنسی میں یاد ہی نہ ہوتی تو جانتی ہوتا مجھے شاعری ویسے بھی یاد نہیں رہتی مگر تم ان لفظوں کو دل سے سننا کیونکہ یہ میرے دل کی آواز ہیں۔“ وہ ان خفا خفا سی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا التجا کر دیا تھا پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی پاکٹ سے آنکھوں کی نکال کر اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنانے لگا، تو عاشری ایک بار پھر آنکھوں کے جھروکوں پر پلکوں کی چلمن گرائی۔

محبت زندگی کا استعارہ ہے
تجھی تو یوں ہے
زیست میری ہے
حق تمہارا ہے

”یہ سب پہلے کیوں نہیں کیا؟“ لفظوں کی خوبصورتی اور اس کے لہجے کی تسکین میں کھوئی عاشری دھیرے سے بولی۔

”پہلے کہہ دیتا تو تمہارا اتنا خوبصورت اظہار کیسے ملتا۔“ اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

”کیا مطلب میں نے کب اظہار کیا؟“

”وہ جو کہانی میں مریم۔۔۔۔۔“

”وہ صرف میری کہانی کے ہیروئن کے جذبات تھے اور کہانی کی ڈیماڈ، آپ کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔“ وہ خواہ مخواہ نظریں جہانے لگی۔

”ویسے یوں کہانی کے ذریعے اظہار کرنے کا طریقہ بڑا مختلف تھا آخر کورائٹر ہوتا۔“ وہ پھر شریر ہوا۔

”دیکھو میں نے کہا نا وہ صرف کہانی۔۔۔۔۔“

”او کے او کے چلو ٹھیک ہے، مان لیا مگر میں نے جو کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔“ اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی سچائی اور شدتوں کو گواہ بن کر عاشری

کے دل کو چھونے لگا۔

”ایک مہینہ اٹھارہ دن۔“ عاشری بے ساختہ بول اٹھی۔

”اب یہ کیا ہے؟“ وہ الجھا۔

”آپ کو کہانی دیے اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے اور آپ کو اب یہ سب کہنے کا خیال آیا ہے، جانتے ہیں یہ سارا ٹائم میں نے کیسے گزارا ایک ایک لمحہ۔۔۔۔۔“ وہ کہتے کہتے لب بھینچ گئی اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اظہار کے پھول شان کے ہاتھوں میں چھانے چلی تھی جبکہ ابھی وہ اسے کچھ اور سنا چاہتی تھی، حق تھا ابھی اتنا انتظار جو کیا تھا اس نے۔

”وہ دراصل تمہاری کہانی تو میں نے بہت پہلے پڑھ لی تھی مگر۔۔۔۔۔ وہ کیا ہے کہ میں نے سکول کے زمانے میں خواتین کے کچھ ڈائجسٹ پڑھے تھے اور ان میں ہیرو اظہار کے لئے ہمیشہ چاند رات کا انتخاب کرتا ہے تو سو میں بھی۔۔۔۔۔“ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا بڑی معصومیت سے وجہ بتا رہا تھا اور اس کی اس توجہ پر عاشری کا تہقہ بے ساختہ تھا۔

”آپ باگل ہیں ذیشان۔“ اس کے لہجے میں سرشاری ہی نہیں ڈھیر سارا پیار بھی شامل تھا۔

”ہاں باگل ہوں، تمہارا باگل۔“ دوسری طرف جواب دینے میں لہجہ بھر بھی دیر نہ ہوئی تھی، ان کے آنکھوں میں اترتی اٹھاتی منگنائی چاند رات ایک خوش رنگ سویرے کا اعلان کرنے لگی تو وہ دونوں بھی آسمان کے سینے پر سکون سے سر رکھے عید کا پیغام دیتے چاند کو دیکھتے مسکرا دیے۔

☆☆☆

ماہنامہ سنا (۱۹۷) اگست ۲۰۱۴

تیرے بنا اکسیر کیا

ایسے ہی بیٹھا ہوا تھا اور میرے لئے ایک لمبا سفر ابھی باقی تھا، ایک ہی پوزیشن پر بیٹھے بیٹھے بس دو دند میں اٹھا تھا اور پھر سے یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا میرا جسم اکڑ چکا تھا، مگر جب فراغت ہوتی ہے اور تنہائی تب مانشی ہزار تہوں سے نکل کر بھی آپ کے سامنے آ جاتا ہے، جانے کیوں، بے شک آپ اسے یاد کرنا چاہیں یا نہ، بے شک آپ

ٹرین تیزی سے بہت سارے مناظر بہت سی چیزیں بہت سے علاقے بہت سے لوگ پیچھے چھوڑے چلی جا رہی تھی اور گزرتے لمحوں کے ساتھ ہر مسافر کو جو اس وقت اس میں سوار تھے اپنی اپنی منزل پر پہنچانے کے لئے بھاگتی چلی جا رہی تھی، میرا سفر بہت لمبا تھا، میں کوئٹہ سے لاہور جا رہا تھا، پیچھے دس گھنٹوں سے میں اس سیٹ پر

ناولٹ

اسے بھول چلے ہوں تب بھی، میں اس وقت مانشی یا حال کسی کو بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے سر جھٹک کر کھڑکی کے باہر موجود مناظر دیکھنے لگا تھا، ہرے بھرے کھیت تھے اور ان میں موسموں کی پرواہ کیے بغیر جتے ہوئے مرد و زن، مجھے میرا پاکستان اسی لئے اچھا لگتا ہے کہ یہاں وہ کشمی بہت ہے اور محنت اس کے علاوہ، اور یہاں محبت اور وفا بھی تو بہت گے، شاید اس کی مٹی کی تاثیر ہی ایسی ہے یا پھر اس کی فضاؤں کا موسم ہی ایسا ہے، یا شاید اس مٹی پر رہنے والوں کا خمیر ہی ایسا ہے کہ وہ فنا ہو جاتے ہیں مگر محبت محبت پکارنا نہیں چھوڑتے۔

ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی تھی، میں نے اسے گرد گرد ہوتے پالوں میں بے شکل انگلیاں چاکی تھیں اور کھڑکی کے عین سامنے کھڑی ریڑھی والے کو اشارے سے پاس لایا تھا اور مان پکڑے لانے کو کہا تھا، وہ جھٹ پٹ نان اور ہاسی پکڑے جن کو جانے وہ کالے



ماہنامہ حنا (۱۹۸) اگست ۲۰۱۴



تھی کہ وہ ابھی تک نہ آیا تھا اور میں چونکہ اپنے جگر کی پار کی بات موڑ نہ سکتا تھا اسی لئے اپنی نئی نویلی دہن کو لے کر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا آج میں یہاں آپ کے ساتھ موجود ہوں۔“ شاہ بانو نے اپنے حنائی ہاتھوں سے قبوے کی پیالی مجھے پکڑ لی تھی اور خود ایک بار پھر چادر میں منہ سر لپیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ چونکہ یہ ابورہ تھا اس لئے شاہ بانو کو یہاں کے رواج کے مطابق پردہ کرنا پڑ رہا تھا اور اس کوشش میں وہ اپنے آپ کو غم اور چادر کو زیادہ سنبھال رہی تھی، اسے اس کوشش میں بلکان دیکھ کر میرے لب خود بخود مسکراتے لگے تھے اور وہ میری مسکراہٹ اور آنکھوں کی معنی خیزی سے جھینپ جاتی تھی۔

”یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے یہ میں ہوں تمہارے سامنے تمہارے پاس، ارسل ممتاز تمہارا محبوب تمہارا شوہر۔“ میں نے اس کی بات کے جواب میں شرارت سے کہا تھا اور وہ مسکراتی آنکھوں سے شرمانے لگی تھی، تھوڑی دیر بعد نہال بھاگتا ہوا ہماری طرف آیا تھا اور شاہ بانو کو سلام کر کے میرے ساتھ لپٹ گیا تھا، راستے میں ایک ایکسپریٹ ہو گیا تھا اور اسے زخمی کو لے کر ہسپتال جانا پڑا تھا اس لئے وہ لیٹ ہو گیا تھا، وہ معذرت کرنے کے ساتھ وضائیں دے رہا تھا اور ساتھ ہی ہمارا سامان اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھنے لگا تھا۔

نہال کی گاڑی چل پڑی تھی، میں اس کے ساتھ آگے بیٹھنے کی بجائے پیچھے شاہ بانو کے ساتھ بیٹھا تھا، نہال مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا اور میں اس کی باتوں میں صرف ہوں ہاں کر رہا تھا کیونکہ میری توجہ اس سے زیادہ ساتھ بیٹھی ہوئی

تیل میں کتنی دفعہ گرم کر چکا تھا میرے سامنے لے آیا تھا، پکڑے بے شک باقی تھے اور نان سخت، مگر ان کی اشتہا انگیز خوشبو مجھے یہ احساس دلادی تھی کہ پچھلے کئی گھنٹوں سے میرا معدہ کتنا خالی ہے اور اب مجھے اس کھانے کی کتنی ضرورت ہے، میں نے اسے پیسے دیئے اور جلدی جلدی نان پکڑے کھانے لگا تھا، کھانا کھا کر میں فرین سے نیچے اتر آیا تھا اور قریب ہی لگے چند پمپ کو چلا کر اس کا تازہ پانی پی کر وہیں ٹہلنے لگا تھا، کھانا پیٹ میں کیا گیا تھا ساری دنیا پھر سے نئی نئی لگنے لگی تھی، جب فرین نے وسل دی تب میں دوبارہ اس میں سوار ہو کر اپنی سیٹ پر آن بیٹھا تھا، ایک بار پھر بھاگتے دوڑتے مناظر تھے اور میری آنکھوں میں غنودگی کی ریت سی چسپنے لگی تھی، میں نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کے اوپر ٹکا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سرخ لباس میں چھوٹی موٹی سی مٹی وہ میرے ہمراہ تھی اور اس وقت مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے دونوں جہاں کی دولت سے دامن بھر لیا ہے، شاہ بانو جب سے میری زندگی میں شامل ہوئی تھی مجھے زندگی سے پیار اور اس پیار سے مشق ہو گیا تھا، کوئٹہ کے جنگلی میں ڈوبے ریلوے اسٹیشن پر ہم دونوں ایک سنگی چٹان پر بیٹھے بھاپ اڑاتے قبوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ہمارے سامنے سرمئی اور مینالے پہاڑ شان سے سر اٹھائے کھڑے تھے، چونکہ فرین ہم جیسے مسافروں کو منزل پر اتار کر کب کی روانہ ہو چکی تھی اس لئے اب اسٹیشن پر قدرے سکوت تھا، نہال نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیں اسٹیشن سے خود لے کر جائے گا اس لئے مجھے اس کا انتظار تھا، وہ تو اپنی بات کا اتنا پکا تھا کہ وہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر بیٹھا ہوتا مگر جانے کیا بات ہوئی

ماہنامہ حنا (2010) اگست 2014

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ☆

خداوند غنیمت ☆

دنیا گول ہے ☆

آوارہ گرد کی ڈائری ☆

ابن بطوطہ کے تعاقب میں ☆

چلتے ہو تو چین کو چلے ☆

نکری نگری پھر اسافر ☆

عبد انشاء کی ☆

ایسی کے آگ کوپے میں ☆

چاند نگر ☆

دل دشت ☆

آپ سے کیا پوچھوں ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

توانہ اردو ☆

انتخاب کلام میر ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف شر ☆

طیف غزل ☆

طیف اقبال ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

شاہ بانو پر تھی، شاہ بانو بہت خوبصورت تھی اور اس پر جس طرح دلہنایے کا روپ ٹوٹ کر چڑھا تھا وہ روپ مجھے کسی اور منظر کو دیکھنے کی اجازت ہی نہ دے رہا تھا، نہال ہمیں میرے مکان پر چھوڑ کر یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی کھانا لے کر آتا ہے۔

”یہ ہے میرا غریب خانہ اور آج سے یہ تمہاری ملکیت ہوا۔“ میں پورا ایک ماہ باہر رہ کر آیا تھا مگر گھر کا کونہ کونہ نہال کی بدولت چمک رہا تھا، بلکہ اس نے صحن میں آرائشی جھنڈیاں لگا کر اور کمروں میں فانوس اور پھولوں سے خاطر خواہ گھر کی سجاوٹ کر رکھی تھی، اچھے دوست واقعی خدا داد نعمت ہوتے ہیں، میں نے دل میں سوچا تھا اور شاہ بانو کا ہاتھ تھام کر اسے پورا گھر دکھانے لگا تھا۔

”کیسا لگا؟“

گھر کے پچھلی طرف پیازوں سے اتر کر ایک ٹھنڈے چٹھے چٹھے کا پالی سیدھا ہمارے صحن میں آتا تھا اور اس کے ساتھ لگے خوابانی اور آٹرو اور سیبوں کے درخت جنت کا منظر پیش کرتے تھے، میں نے سیبوں کے درخت کے نیچے بیٹھ کر شاہ بانو سے پوچھا تھا، وہ آنکھوں میں حیرت اور ستائش بھر کر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

”بہت خوبصورت، بہت پیارا، ارسل یہ جنت ہے جنت۔“ اس نے چٹھے کا ٹھنڈا پانی دونوں ہاتھوں میں بھر لیا تھا۔

”اور اب تم اس جنت کی حور ہو۔“ میں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا، اس نے شرما کر اپنا سر میرے سینے میں چھپا لیا تھا، اتنے میں باہر کے دروازے پر دستک ہوئی تھی، نہال کھانا لے آیا تھا شاید ایک لمبے اور تھیکا دینے والے سفر کے بعد بھوک بھی چمک رہی تھی اور تھکاوٹ تو جیسے انگ انگ میں بس گئی تھی۔

ماہنامہ سنا (201) اگست 2014

پڑھ رہی تھی، ملیجہ کی بات سن کر مسکراتے ہوئے اسے کہنے لگی تھی۔

”روٹی تو میں دو دفعہ اسے ڈال چکی ہوں، روٹی کھاتا ہے اور پھر منڈیر پر بیٹھ کر کاں کاں کرنے لگتا ہے۔“ ملیجہ اس کی کاں کاں سے صبح کی عاجز آئی بیٹھی تھی، منہ بسور کر استانی جی کو بتانے لگی تھی۔

”اچھا تم اس کو چھوڑ دو جاؤ تمہاری امی باا رہتی ہیں، مہمان ادھر نہیں تمہارے گھر میں آئے بیٹھے ہیں بیٹا، مدیحہ کی ساس آئی ہے، جاؤ جا کر بہمن کا ہاتھ بناؤ۔“ استانی جی نے اسے اپنے پاس بلا کر نرمی سے پیغام دیا تھا، ابھی اس کی امی نے شاہ بانو کو نوں کیا تھا۔

”جی اچھا، یہ میں نے مضمون لکھ لیا ہے۔“ اس نے رجسٹر شاہ بانو کے آگے رکھا تھا اور خود گھر میں پڑا ہوا دوپٹہ پھیلا کر اوڑھنے لگی تھی۔

”ہاں میں دیکھ لوں گی۔“ شاہ بانو نے کہا اور اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی تھی، ملیجہ کا گھر اسی گلی میں کچھ فاصلے پر واقع تھا جب تک ملیجہ اپنے گھر میں داخل نہ ہو جاتی شاہ بانو اپنے دروازے پر کھڑی اس کو دیکھتی رہتی، وہ اپنے پاس پڑھنے یا کچھ سیکھنے کی غرض سے آنے والی ہر بچی کو اپنی بچی سمجھ کر اس کا خیال رکھتی تھی، ملیجہ کے جانے کے بعد گھر میں جیسے ایک دم سے سناٹا اتر آیا تھا، سارا دن بچیوں اور ان کی ماؤں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لئے یہ خاموشی اور تنہائی محسوس نہ ہوتی تھی مگر شام ڈھلنے کے ساتھ ہی خاموشی اور تنہائی اس گھر میں ملیجہ سالگ کر بیٹھ جاتی تھیں حالانکہ کوئی بوا اور شاہ بانو کا ہر مل کا ساتھ تھا، اس کے بیٹے نے جب سے اسے گھر سے نکالا تھا تب سے وہ شاہ بانو کے ہاں ہی رہ رہی تھی اور اس میں دونوں کا فائدہ تھا شاہ بانو کو ماں مل گئی تھی اور کوئی بوا کو بیٹھے

”آؤ۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے اندرونی کمرے کی طرف لے آیا تھا۔

”باؤ صاحب نکٹ۔“ میں جانے کہاں پہنچا ہوا تھا جب کسی نے میرا کندھا ہلایا تھا، میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو نکٹ چیکر میرے سامنے کھڑا تھا، اس نے میرے خوبصورت خیالوں کا خلسم توڑ دیا تھا، میں نے جیب سے نکٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا، اس نے مسلسل سے نشان لگا کر نکٹ دوبارہ میری طرف بڑھا دیا تھا اور خود چا گیا تھا، باہر شام ڈھلنے کو تھی، ٹرین جس تیزی سے محو سفر تھی اسی تیزی سے شاہ بانو کا لاہور بھی قریب آتا جا رہا تھا اور شاہ بانو وہ تو تھی ہی دل کے بے حد قریب، دل کی دھڑکنوں میں آج بھی اس کے نام پہ ارتعاش سا پیدا ہو جاتا ہے، پتہ نہیں یہ محبت تھی یا کچھ اور، مگر میں اس کو محبت ہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔

ہنہ ہنہ

”استانی جی آج اپنی دیوار پر صبح سے کوا بولے جا رہا ہے، آج کوئی مہمان ضرور آئے گا۔“ ملیجہ شاہ بانو کی سب سے چھٹی شاگرد تھی، وہ زیادہ سے زیادہ وقت شاہ بانو کے ساتھ گزارتا ہی پسند کرتی تھی اور اس ساتھ نے ملیجہ کے ماں باپ جانتے تھے ان کی بیٹی کو سختی سلیقہ مند و ہنرمند اور فنکار منہ بنا دیا تھا، وہ کون سا ایسا گھر تھا جو شاہ بانو کو نہ آتا تھا، کھانا پکانا ہو یا سلائی کڑھائی کا کوئی کام، سیرت کو بنانا ہو یا صورتوں کو سنوارنا شاہ بانو ہر کام میں طاق تھی اور اس نے اپنا فن اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا تھا بلکہ وہ علم اور ہنر کی روشنی پانٹنے کے حق میں تھی اور خوب پانٹ رہی تھی۔

”ہمارا کوئی مہمان کہاں سے آئے گا، بے چارہ بھوکا ہو گا تم ایسا کرو روٹی بھگو کر اسے ڈال دو پیٹ بھرے گا تو خود ہی اڑ جائے گا۔“ وہ اخبار

ماہنامہ دنا (2012) اگست 2014

تھانیم ملگیا سا اندھیرا تھا، دروازہ کھولتے ہی جو صورت سامنے آئی تھی وہ اسے سراسر آچکوں کا وہم لگی تھی، اس لئے دھڑا دھڑ کرتے دل کو سنبھال کر پوچھنے لگی تھی۔

”میں ہوں ارسل ممتاز، تمہارا ارسل۔“ وہ یہ بات کہنے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا مگر کہے گیا تھا، ملیجہ کی بات سچ ثابت ہوئی تھی آج سارا دن منڈیر پر کو کسی خاص مہمان کے لئے ہی کاں کاں کرتا رہا تھا۔

”اب یہاں کیا ہے؟ آپ شاید راستہ بھول گئے ہیں، یہاں آپ کے لئے کوئی نہیں رہتا۔“ اس نے دروازہ دوبارہ متقل کرنا چاہا تھا، یہ الگ بات کہ دور دراز کا سفر کر کے آئے مہمان کے چہرے سے سب عیاں تھا، تھکاوٹ، شرمندگی اور بے بسی، مگر وہ کیا کرتی، وہ اب اس کا کچھ نہ رہا تھا۔

”دیکھو شاہ بانو مجھے دروازے سے مت لوٹاؤ، مجھے اندر تو آنے دو، مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے میں اتنی دور سے یونہی نہیں آیا ہوں۔“ اس نے شاہ بانو کے تاثرات دیکھ کر جلدی سے کہا تھا۔

”مگر مجھے کچھ نہیں سننا۔“ شاہ بانو نے دروازہ بند کر دیا تھا اور وہ دروازے پر ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

ہم نے منصف جسے بنایا تھا دار تک ساتھ چل کے آیا تھا راستے میں جو اعتبار ملا ہم نے منزل پہ جا غنویا تھا مت یقین تم بہار کا کرنا زرد ہوں نے یہ بتایا تھا اس لئے ہم فریب کھا بیٹھے تھے آزمودہ کو آزمایا تھا

بٹھائے ایک بیٹی کا پیار، گوشتی بوا مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے میں بیٹھی تسبیح میں مشغول تھی، شاہ بانو نے کچن میں جھانک کر دیکھا، ملیجہ بھنڈی اور گوشت کا سالن پکا کر دو روٹیاں بھی ڈال گئی تھی، شاہ بانو کو بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا تھا۔

”مجھے بھنڈی گوشت بہت پسند ہے اور اگر تمہارے ہاتھ کا پکا ہو تو مزہ ہی آ جائے۔“ چند سال پہلے کی کہی ہوئی یہ بات اسی آواز میں آج بھی شاہ بانو کو یاد تھی، اسی آگن میں گرمیوں کا موسم تھا اور اس نے آموں کے ساتھ بھنڈی اور گوشت لا کر اسے دیا تھا کہ پکا دے، وہ اس شخص کو بھول چکی تھی مگر جانے کیا بات تھی پھر بھی ہر قدم پر وہ کیسے یاد آ جاتا تھا، اس نے سالن پلیٹوں میں نکالا تھا اور آنسوؤں کا گولا حلق میں اتار کر اپنا اور گوشتی بوا کا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ وہ دونوں آنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب ارسل نے اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں پکڑ کر چاٹ لی تھیں، اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

”تم کھانا ہی اتنا مزے کا لگاتی ہو کہ میں تمہاری انگلیاں نہ چاٹوں تو اور کیا کروں۔“ دوسری بار سیبوں کے درختوں والے گھر میں جب اس نے بھنڈی گوشت پکایا تھا تو ارسل نے کہا تھا۔

گوشتی بوا کھانا کھا رہی تھی اور وہ کھانا نگل رہی تھی، بھنڈی گوشت اس کے حلق سے نیچے ہی نہ جا رہا تھا، اتنے میں دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی تھی۔

”جانے کون ہے؟“ وہ کھانا اڈھورا چھوڑ کر انہی تھی۔

”کون؟“ آج گلی میں لگا ہوا بلب بجھا ہوا

ماہنامہ سنا (2013) اگست 2014

”شاہ بانو..... شاہ بانو..... بانو پلیز دروازہ کھولو۔“ وہ بند دروازے کے پیچھے ٹیک لگائے کھڑی تھی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور دوسری طرف کھڑے شخص کو پکار کر دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

”یہاں میری ایک عزت ہے، مجھے یوں دنیا میں تماشائے بتائیں ارسل، جہاں سے آئے ہیں وہاں لوٹ جایئے، یہ کواڑ آپ نے اپنے ہاتھوں سے منسل کیے تھے آپہیں منسل ہی رہنے دیں، یہ اب نہیں کھینیں گے۔“ رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہا تھا۔

”کون ہے؟“ کوئی بواہر آمدے میں کھڑی اشاروں سے پوچھ رہی تھی، شاہ بانو کے بس آنسو برس رہے تھے وہ کیا بتائی کہ باہر کون ہے۔

ہاتھ جڑا ہوا

مجھے دیکھ کر شاہ بانو کا رد عمل بہت شدید تھا اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا اور میں یوں کھانسی سے مہرام لوٹ آیا تھا، میں چونکہ اس شہر کے بچے سے واقف تھا اس لئے ایک ہوٹل میں آگیا تھا، بچپن اور لڑکپن میرا لاہور کی گلیوں میں گزرا تھا، میں نے اور شاہ بانو نے اکٹھے کھیلتے کودتے نڑتے بھگڑتے یہ عرصہ گزرا تھا، پھر میرے بابا جان کا تدارک کوئٹہ میں ہو گیا اور ہمیں ان کے ساتھ کوئٹہ جانا پڑا تھا، یوں جوانی کے دن کوئٹہ میں شروع ہوئے تھے اور گزر رہے تھے، پھر اماں اور شاہ بانو کی ماں بھی چکی سہیلیاں تھیں، ایک شہر سے تعلق رکھتی تھیں اور پھر اسی شہر میں بیابانی تھیں تو دوستانہ بہن بھائی میں بدل گیا، ان کی محبت امارے دلوں میں بھی پروان چڑھی اور اس محبت نے مجھے اور شاہ بانو کو کیسے جکڑا اس بات کا احساس مجھے ابھی لاہور میں نہ ہوا، مگر جب دوری آن پہنچی اور مادری جدائی دل کا روگ بن گئی تب

کوئٹہ کی معطر فضاؤں میں، میں نے جانا کہ میں اپنا دل تو شہر لاہور میں ہی چھوڑ آیا ہوں، شاہ بانو میرے دل میں نہیں رہتی تھی میرا دل بن گئی تھی، میں نے یہ بات اماں کے کانوں میں بھی ڈال دی تھی، وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ میں اور شاہ بانو ایک ہو جائیں تاکہ ان کا دوستانہ رشتے داری میں بدل سکے، انہوں نے بابا جان سے مشورہ کر کے فون پر ہی خیمہ خالہ سے میرے اور شاہ بانو کے رشتے کی بات کر لی تھی اور خیمہ خالہ سے باں کروا کے دم لیا تھا، میں نے جس سے محبت کی تھی اور محبت پالی تھی اس لئے سرخرو بھی تھا اور شادو آباد بھی، محبت میں غم اور دکھ کیا ہوتے ہیں ان کا مجھے نہیں پتا تھا، بس مجھے تو اتنا پتا تھا کہ شاہ بانو کو ایک دن بیاہ کر لاہور کی معروف ترین زندگی کو چھوڑ کر پرسکون کوئٹہ میں میرے گھر میں چلے آنا ہے، اس سے آگے میں نے کبھی کچھ نہیں سوچا تھا۔

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے جو چاہتا حاصل کر لیتا تھا اور یہاں تو شاہ بانو میرے دل کے ساتھ ساتھ میرے والدین کی خوشی بھی تھی، انہی دنوں جب زندگی بہت اچھی لگتی تھی اور زمانے کی ہر شے بہت روشن کہ جوانی خوشیوں، ریشنیوں اور رنگوں ہی کا دوسرا نام ہے ایک دم وہ کچھ ہوا جس کی توقع نہ رہ گئی تھی تھے نہ ریشنیاں، مگر موت وہ چیز ہے جو زندگی کے بھی پیچھے رہتی ہے رنگوں کے بھی اور ریشنیوں کے بھی، بابا اور اماں ایک ساتھ ہی مجھے چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہوئے، وہ ٹریفک حادثہ اتنا شدید تھا کہ دونوں نے موقع پر ہی جان دے دی تھی، میں نے یہ خبر سنی تو ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا تھا، جانے یہ جان لیوا اطلاع کس نے میرے عزیزوں تک پہنچائی تھی کہ ملک کے کوئٹہ

ماہنامہ دنیا (2014) اگست 2014

”نہیں خالہ جان، آپ نے تو میرا بہت خیال رکھا ہے یا لکل اماں بابا کی طرح۔“ میری آواز بھرانے لگی تھی۔

”مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن خالہ جان آخر کب تک یہاں رہوں گا، ایک دن تو اپنے گھر جانا ہو گا، وہاں اپنا گھر ہے، بابا کی دکان میں ہیں، ان کی چاب لگی جو اب مجھے مل جائے گی، زندگی تو کسی طور گزاری رہی ہے نا۔“

”ہوں کہہ تو تم سچ رہے ہو، ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔“ نعیمہ خالہ نے اس بات سمجھتے ہوئے کہا تھا۔

”خالہ جان ایک اور بات بھی مجھے آپ سے کرنی ہے۔“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ہاں بولو بیٹا! میں تمہاری ماں ہی ہوں باا جھجک کہو جو بھی کہنا چاہتے ہو۔“

”خالہ جان میں اکیلے زندگی کس طرح گزاروں گا، اگر آپ کو پرانے لگے تو آپ میرا اور شاہ بانو کا نکاح۔۔۔۔۔“ میں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا کہ جانے ان کا رد عمل کیا ہو۔

”ہوں تمہارے خالو گھر آتے ہیں تو مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گی۔“ وہ میری بات سمجھ گئی تھیں اور پھر میرا مطالبہ اتنا ناجائزہ بھی نہیں تھا جس پر وہ برا منا تھیں، اس لئے خاموش ہو گئی تھیں، پھر مجھے نہیں پتہ کہ نعیمہ خالہ اور مراد خالو نے آپس میں طے کیا کہ انہوں نے کچھ خاص عزیزوں اور رشتہ داروں کو بلا کر میرا اور شاہ بانو کا نکاح کر دیا۔

”بیٹا میں نے اور اللہ بخشے تمہاری ماں نے جانے اس شادی کے بارے میں کیا کیا پروگرام بنائے تھے مگر یہ ایسے ہی ہونا طے تھی اس لئے تم دل چھوٹا نہ کرنا، شاہ بانو اب تمہاری زندگی میں

کو نے سے سب اکٹھے ہو گئے تھے، لاہور سے نعیمہ خالہ اور مراد خالو بھی آئے تھے، وہ اماں بابا کی تدفین کے بعد دسویں تک رکے تھے اور پھر مجھے ساتھ لے کر لاہور آ گئے تھے، وہ مجھے غم کی ان گزریوں میں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور میں فی الحال اس گھر میں تنہا رہنا نہیں چاہتا تھا جہاں قدم قدم، چپے چپے پر میرے بابا اور اماں کی یادیں تھیں، میں جب جب اس حادثے کے بارے میں سوچتا تھا مجھے لگتا تھا میرا دل بند ہو جائے گا یا دماغ پھٹ جائے گا، موت کس طرح زندگی کا تعاقب کرتی ہے یہ زندگی کو بھی نہیں پتہ ہوتا بس زندگی دینے والے کو خبر ہوتی ہے۔

”مراد منزل“ نے میرے سارے دکھوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا، نعیمہ خالہ اور مراد خالو دن رات میری دل جوئی میں لگے رہتے اور شاہ بانو تو میرے ساتھ ہستی تھی میرے ساتھ روتی تھی اور میرے ساتھ ہی جیتی تھی، میں اکیلے میں سوچتا تھا اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو شاید میں بھی اماں بابا کے ساتھ مر گیا ہوتا، شاید میں بھی زندگی میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو پاتا، پھر جوں جوں دن گزرتے گئے میرے آنسو بھی ٹھہرتے گئے، دل میں بے شک ماں باپ کا غم ہی غم تھا مگر اس غم کے سہارے کے لئے طاقت مل گئی تھی، کچھ صبر آ گیا تھا اور خدا کی طرف سے یہ صبر آ ہی جاتا ہے۔

”خالہ میں اب گھر جانا چاہتا ہوں۔“ ایک دن میں نے نعیمہ خالہ سے کہا تھا، جیسے جیسے ہی سہی مجھے اپنی زندگی تو شروع کرنی تھی، بے شک اب وہ چاہنے والے ماں باپ نہیں رہے تھے مگر مجھے اپنی زندگی تو بہر حال جینی تھی۔

”کیوں بیٹا؟ خدا خواستہ یہاں آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟“ انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا تھا۔

ماہنامہ منا (2015) اگست 2014

شامل ہو گئی ہے، یہ تمہارا درد سمجھے گی اور تم اس کا، اس کا خیال رکھنا، تم بھی ہمارے لئے غیر نہیں ہمارے بیٹوں جیسے ہو مگر پھر بھی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے رہے ہیں ہماری محبت کی لاج رکھنا۔" ریلوے اسٹیشن پر مجھے اور شاہ بانو کو کوئٹہ کے لئے الوداع کرتے ہوئے نعیمہ خاں میرا بازو تھام کر رو پڑی تھیں۔

"خالہ جان حوصلہ رکھیے، میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، آپ صرف شاہ بانو کے ماں باپ ہی نہیں میرے بھی ماں باپ ہیں، آپ نے جس طرح مجھے سنبھالا دیا ہے میں احسان فراموش نہیں کہ آپ کا احسان بھلا دوں۔" میں نے انہیں اور مراد خاں کو تسلی دی تھی اور ہم دونوں کوئٹہ آ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

مہزکن دل کی تیز ہوئی ہے
چلیں دیکھو جبک سی گئی ہیں
ہونٹ گلابی لرز رہے ہیں
رنگت تب کر سرخ ہوئی ہے
یہ کیا تم نے مجھ سے کہا ہے
تم میری ہو صرف میری ہو
دل کہتا ہے تم سے کہوں میں
میری سماعت میں رس گھولو
پھر سے تم اظہار کرو نا
تم ہو میری صرف میری ہو
پھر سے کہو نا

شاہ بانو نے میرا گھر جنت بنا دیا تھا، اس گھر میں جگہ جگہ مجھے میرے ماں باپ کی یادیں چھین نہیں لیتے دیتی تھیں اور وہ اس بے چینی پر اپنے پیار کا ایسا پھاہا رہتی کہ درد کی شدت نوراکم ہو جاتی، وہ میرے ساتھ ان کی باتیں کرتی، ہم دونوں ان کی قبروں پر جاتے، دعا مانگتے، مگر آکر

ان کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھتی، ساتھ ساتھ مجھے کسی بچے کی طرح سنبھالتی، میری دل جوئی کرتی، میرے ساتھ ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی، مجھے ہر وقت مصروف رکھتی، اگر کھانا بنا رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ ساتھ لگائے رکھتی اگر کپڑے دھو رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ رکھتی، دن کیسے گزرتا اور رات کب ڈھل جاتی پتہ ہی نہ لگتا تھا۔

"شاہ بانو تم کیا چیز ہو آخر۔" میں اس کی ریشمی زلفوں تلے منہ چھپا کر کہتا۔

"میں چیز نہیں ہوں جناب، میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں۔" اور وہ صحیح کہتی تھی وہ واقعی ایک جیتی جاگتی انسان تھی، اس میں زندگی تھی خوشبو تھی اور خوشیاں تھیں اس نے میرے جیسے نیم مردہ وجود میں یہ زندگی پھونک دی تھی، ماں باپ کے بغیر جینا مشکل تھا مگر اب ناممکن نہیں رہا تھا، اسے خدا کی رضا سمجھ کر میں نے صبر کر لیا تھا، شاہ بانو کی سنگت میں دن اور رات بسر ہو رہے تھے جب اچانک ایک صبح نعیمہ خاں اور مراد خاں ہمارے دروازے پر ہم سے مننے پہنچ گئے تھے، میں اور شاہ بانو انہیں اچانک دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔

"تم دونوں تو ہمیں بھول ہی گئے۔" سیبوں کا موسم تھا اور کچے سیبوں کی مہک ہمارے پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی، جب نعیمہ خاں نے پیار بھرا شکوہ کیا تھا۔

"نہیں امی جان ایسی بات نہیں، میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔" شاہ بانو نے اڈ سے ماں کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا تھا، نعیمہ خاں نے اس کے چمکتے چہرے کو نظر بھر کر دیکھا تھا اور خدا سے اس کے یونہی ہمیشہ خوش رہنے کی دعا مانگتی تھی، شاہ بانو خوبصورت تھی مگر اس گھر کی

قرآن کے لئے میرے سے بھی پہلے اٹھ جایا کرتی تھی، آٹھ بجنے والے تھے اور اس کا ابھی تک بستر میں موجود ہونا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، میں نے اس کے قریب آ کر محبت سے پوچھا تھا۔

”اٹھ رہی ہوں۔“ وہ بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی اور ساتھ ہی ہال سیٹے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

”کیا ہوا مجھے تو تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی ہے۔“ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”کل آپا کے گھر میں ساگ اور کھجی کی روٹی کھالی تھی، شام تک مٹکی کی سی کیفیت رہی، رات کو بھی عجیب سا محسوس ہوتا رہا ہے، لگتا ہے معدے میں کوئی گڑبڑ ہے۔“

”تو تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا، چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں، میں آفس لیٹ چلا جاؤں گا۔“ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے تھے اور لیڈی ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دیا تھا اور پھر لیڈی ڈاکٹر نے ہمیں جو خوشخبری سنائی اس نے ہم دونوں کو حیرت و خوشی سے گنگ کر دیا تھا، اس موقع پر مجھے اماں بابا بے حد یاد آ رہے تھے، میں نے اس دن آفس سے چھٹی کر لی تھی اور شاہ بانو کے ساتھ اپنے گھر میں اس خوشی کو منا رہا تھا۔

”آپ آفس تو چلے جاتے۔“ شاہ بانو نے شرماتا کر کہا تھا۔

”چلا جاؤں گا کل، آج بہت خوشی کا موقع ہے، آج میں تمہارا خیال رکھوں گا، تمہارے پاس رہوں گا اور ہم اپنے بچے کی ڈھیروں باتیں کریں گے۔“ میں نے اسے پھیڑا تھا اور اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

خالص نفا اور محبت کے نور نے اسے بے حد حسین بنا دیا تھا، پہلے والی شاہ بانو بھی اچھی تھی مگر اب والی شاہ بانو کو جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا تھا، وہ دونوں کچھ دن رہ کر واپس لوٹ گئے تھے۔

”امی اور بابا کے جانے کے بعد تو گھر کیسا سوٹا سوتا لگنے لگا ہے۔“ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ نکا کر اداسی سے بولی تھی۔

”اداس کیوں ہو رہی ہو چلو میں تمہیں نہال کے گھر چھوڑ آؤں، زریں آپا تمہیں یاد کر رہی تھیں، تم ان سے مل آنا تمہارا نام بھی اچھا گزر جائے گا۔“ نہال اپنی امی جان کو آیا کہتا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی میں اور شاہ بانو بھی انہیں آپا ہی کہتے تھے، یہاں شاہ بانو کا زیادہ آنا جانا صرف نہال کے گھر میں ہی تھا، نہال کا پورا گھرانہ میرے لئے غیر نہ تھا ہم بہت اچھے دوست تھے اور اس حساب سے ہم دونوں کے گھروں میں ایک دوسرے کا بہت آنا جانا تھا، زریں آپا اور امی جان کی بھی خوب دوستی تھی، شاہ بانو جب سے بیاہ کر کوئٹہ میرے ساتھ آئی تھی نہال کے گھر والوں نے اسے اپنے گھر کی بہو اور بیٹی سمجھ کر اس کا خیال رکھا تھا۔

”چلیں میں تیار ہو کر آتی ہوں۔“ نہال کے گھر میں شاہ بانو کو اپنے گھر جیسی توجہ اور پیار ملتا تھا پھر نہال کی دونوں بہنیں تقریباً شاہ بانو کی ہم عمر ہی تھیں اس لئے ان کے ساتھ بھی اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی، وہ نہال کے گھر جانے کا سن کر خوش ہو گئی تھی اور اس وقت میں اپنی عزیز از جان بیوی کے منہ پر اداسی کی جگہ خوشی ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

”شاہ بانو آج اٹھنے کا ارادہ نہیں کیا، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ سحر خیز مگی اور نماز

ماہنامہ حنا (207) اگست 2014

☆ ☆ ☆

اس حالت میں شاہ بانو کا دل اکیلے میں بے حد گھبراتا تھا، میں اسے نہال کے گھر چھوڑ دیتا تھا، ایک تو آپا بالکل ماں کی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں اور پھر وہ ان کے گھر میں بہت خوش رہتی تھی، ایک دن آفس سے واپسی پر میں اسے لینے نہال کے گھر گیا تو وہاں سب لوگ اکٹھے بیٹھے نہال کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، میں بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گیا تھا۔

”ارسل بیٹا یہ تمہارا یار ہے تم ہی اس سے پوچھو کہ اسے کیسی بیوی چاہیے ہمارے تو یہ قابو میں نہیں آتا۔“ آپا نے ہنستے ہوئے مجھے کہا تھا۔
”ہاں بتانا نہال مجھے کیسی بیوی چاہیے۔“ میں نے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اپنے پاس کھسکاتے ہوئے اسے پوچھا تھا۔

”اگر میں کہوں شاہ بانو بھابھی جیسی، تو ایسی بیوی ڈھونڈ لائے گا، میرے لئے۔“ نہال نے مسکراتے ہوئے مجھ سے سوال کیا تھا اور مجھے اس کی بات بہت بری طرح لگی تھی، ابھی کچھ دن پہلے میرے آفس کوننگ نے ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا جس میں دوست اپنے دوست کی بیوی کو بھگالے جاتا ہے، جس کی بیوی ہوتی ہے وہ غیرت میں آکر دونوں کو اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کر کے خود جیل چلا جاتا ہے یہ ایک سچا واقعہ تھا اور کچھ دن پہلے ہی ہمیں سنایا تھا اس لئے میرے دل و دماغ پر اس واقعے کا اتنا اثر تھا کہ نہال کی بات مجھے بہت بری طرح چھبی تھی۔

”شاہ بانو جیسی ہی کیوں؟“ میں نے نہال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے پوچھا تھا۔

”شاہ بانو بھابھی بہت اچھی ہیں، صورت

میں بھی اور سیرت میں بھی، ایسی بیوی کسی کا بھی آئیڈل ہو سکتی ہے۔“ نہال نے کہا تھا اور اس کی بات سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، میں کس طرح انہیں اپنا سمجھ کر اپنی بیوی کو یہاں بھیجتا رہا اور یہ کہیں اس کی صورت پر مر مٹا، میرا اتنا سوچنا تھا کہ میرا دل بے چین ہوا تھا تھا۔

”کیا نہال بھی دوستی کی آڑ میں کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔“ چند دن پہلے کا سنا ہوا واقعہ میرے دل پر شک کی مہر لگا گیا تھا۔

”چلو بانو گھر چلیں۔“ میں پھر دو منٹ بھی وہاں نہیں رکا تھا اور ان سے اجازت لے کر شاہ بانو کو ساتھ لے کر اسے گھر آ گیا تھا، رات ہوئی شاہ بانو تو پڑ کر سو گئی تھی مگر ساری رات شک کا ناگ میرے سینے پر لوٹا رہا تھا، صبح تک میں نے دل میں محکم ارادہ کر لیا تھا کہ اب شاہ بانو کو کسی صورت نہال کے گھر نہیں بھیجوں گا، مجھے قاتل نہیں بننا تھا مجھے ساری عمر جیل میں نہیں سڑنا تھا اور اس کے لئے میں پہلے ہی حقائق و اقدامات کر لینا چاہتا تھا۔

میں نے شاہ بانو کو محسوس نہیں ہونے دیا تھا اور نہال کے گھر سے اس کا رابطہ تقریباً ختم ہی کر دیا تھا، وہ پہلے کی طرح ہر روز نہال کے گھر جانا چاہتی تھی مگر میں کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے ٹال دیتا تھا، آپا کے بھی کئی بار پیغامات آچکے تھے کہ اتنے دنوں سے شاہ بانو ان کے ہاں کیوں نہیں آئی اس کی طبیعت تو صحیح ہے میں انہیں بھی جھوٹ صحیح بتا کر مطمئن کر دیتا تھا، ویسے بھی نہال سے میں کھنچا کھنچا سار بنے لگا تھا، میرے دل میں اب اس کی ویسی محبت اور قد نہیں رہی تھی جیسے پہلے تھی۔

شاہ بانو کی ایک دن طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی، میں آفس میں تھا جب اس کا بی بی لو ہو گیا تھا اسے چکر آ رہے تھے اور آنکھوں کے آگے

ماہنامہ حنا (208) اگست 2014

غیر موجودگی میں گھر نہیں بلاؤ گی۔" میرے دماغ میں پتہ نہیں کس قسم کی سوچیں گھس گئی تھیں، میں ہواؤں سے بھی لڑ رہا تھا۔

"ارسل کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ میرے قریب آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"میں جو باتیں بھی کر رہا ہوں تم انہیں سمجھنے کی کوشش کرو اور جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔" میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" وہ اپنی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔

"تم پر نہیں، نہال پر۔" میں نے اس کی توقعات کے برعکس اسے واضح جواب دیا تھا۔

"مگر کیوں، نہال بھائی نے کیا کیا ہے۔" وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اسے ایسا جواب دوں گا، وہ چیخ پڑی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو وہ کچھ کر گزرے تب میری آنکھیں کھلیں اور اس وقت تک میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھا ہوں، مجھے اپنے گھر کو سنبھالنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

"آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا جو اس طرح کی باتیں سوچ رہے ہیں۔" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں اور کیوں کہہ رہا ہوں۔

"اور تمہیں اتنی کھوج کیوں ہو رہی ہے، بس جو کہہ دیا اس پر عمل کرو۔" میں اپنی بات سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا، مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرے شک کا شاہ بانو پر کیسا اثر ہوگا، اس نے اس بات کی اتنی فینشن لی تھی کہ اس کی طبیعت بجائے صبح ہونے کے بجڑتی ہی گئی تھی اور اس فینشن نے وہ کچھ کر دیا تھا، جس کے بارے میں میں سوچ نہیں سکتا تھا، اس کا اپارشن ہو گیا تھا وہ

اندھیرا چھارہا تھا اس سے پہلے وہ بے ہوش ہوتی، میرا چونکہ اس سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، میرا موبائل ایک ضروری میٹنگ کی وجہ سے آف تھا اس نے تھک بار کر نہال کے موبائل پر رابطہ کیا تھا اور آپا سے بات کی تھی کہ اس کی طبیعت اتنی خراب ہے، آپا اور نہال اسی وقت اس کے پاس پہنچ چکے تھے، اس کی حالت دیکھ کر وہ اسے قریبی ہسپتال لے گئے تھے اور جب میں گھر پہنچا تب نہال پہلے آیا کہ گھر چھوڑ کر دوبارہ شاہ بانو کو بائیک پر لے رہا تھا، شاہ بانو کو اس کے ساتھ بائیک پر دیکھ کر میرا تو دل جل کر خاک ہو گیا تھا، پورے دن کی روداد سن کر کہ کیسے بانو کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اسے کیسے ہسپتال لے کر گئے میں نے جیسے ہی انہیں رخصت کیا تھا حالانکہ غصے سے میرا برا حال تھا۔

"طبیعت ہی خراب ہوئی تھی تاہم مر تو نہیں گئی تھی، پھر کسی غیر مرد کے ساتھ ہسپتال جانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔" میں پہلی بار شاہ بانو سے لڑ پڑا تھا، یہ سوچے بغیر کہ نہال اور اس کے گھر والوں سے میں نے ہی اسے ملوایا تھا۔

"غیر مرد کے ساتھ، مگر میں تو نہال بھائی کے ساتھ۔" میرے منہ سے اتنی غیر متوقع بات سن کر وہ حیرانی سے مجھے دیکھ کر بولی تھی۔

"ہاں غیر مرد کے ساتھ، نہال غیر مرد ہی ہے۔" میں غرایا تھا۔

"تو پہلے بتانا تھا جب آپ ان کے گھر لے کر جاتے تھے، مجھے کہتے تھے یہ تمہارا بھائی ہے، تب تو وہ میرے لئے غیر نہیں تھا، پھر اب کیوں غیر بن گیا۔"

"کیوں اس بند کرو، آگے سے سوال جواب مت کرو، یہ پہلا موقع تھا اس لئے تمہیں چھوڑ رہا ہوں، آئندہ تم کسی صورت ان لوگوں کو میری

ماہنامہ دُستا (209) اگست 2014

نہی گئی جو ہمارے آگن میں بہا رہی تھی۔
تھی کھلنے سے پہلے ہی مر جھانکی تھی، وہ میرا بچہ تھا
میری نسل میرا خاندان اس سے چلنے والا تھا، ماں
باپ کی وفات کے بعد وہ واحد ایسا رشتہ تھا جو مجھے
شاہ بانو سے بھی عزیز تھا، مگر وہ اب نہیں رہا تھا،
مجھے اگر باپ ہو کر اتنا دکھ ہو رہا تھا اور میری
آنکھیں بار بار نم ہوئی جاتی تھیں تو شاہ بانو تو ماں
تھی، اس کے جسم کا ایک حصہ کم ہو گیا تھا، اس کو تو
تکلیف الگ سہی پڑی تھی اور نقصان الگ ہوا
تھا۔

بچے سے محرومی اپنی جگہ میرے دل میں
جانے کیوں بار بار یہ دہم سر اٹھا رہا تھا کہ شاہ بانو
نے نہال اور اس کے گھر والوں سے رابطہ ختم
ہونے کی اتنی ٹینشن لی ہے اس لئے یہ سب کچھ
ہوا ہے، حالانکہ میں یہ بھی تو سوچ سکتا تھا کہ میں
نے اس پر شک کیا تو اس نے ٹینشن لی ہے، مگر
ان دنوں جانے میرے دماغ میں کیا فتنہ سلایا
تھا کہ میں سیدھی سمت میں کم اور الٹی طرف زیادہ
سوچتا تھا۔

”بھابھی آپ نے اپنی کیا حالت بنالی ہے،
پلیز خود کو سنبھالیں، جو ہو گیا وہ نقصان پورا تو نہیں
ہو سکتا مگر آپ خود کو تو سنبھالیں۔“ آپا کو پتہ چلا تو
وہ نہال کے ساتھ بھانگی آئی تھیں، نہال میری
تمام تر بے رخی کے باوجود شاہ بانو سے ہمدردی
جتانے سے باز نہیں آیا تھا اور مجھے اس کی باتیں
نیزے کی انی بن کر چبھ رہی تھیں اور اگلے دن
سے واقعی شاہ بانو نے بستر چھوڑ کر گھر کے چھوٹے
مونے کام کاج سنبھال لئے تھے، گویا نہال کا
کہنا اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا، میری اتنے
دنوں کی دل جوئی کام نہ آئی تھی نہال کا اک بار کا
کہنا کام کر گیا تھا، وہ پھر سے اٹھ کر زندگی میں

مصرف ہو گئی تھی۔

”بتا بد ذات عورت کیا تعلق ہے تمہارا اس
کے ساتھ، کیا لگتا ہے وہ تمہارا، جب میں نے اس
سے ملنے سے منع کیا تو تم نے ٹینشن لے کر میرا اتنا
بڑا نقصان کر دیا، پھر میں نے تمہیں ہتھیلی کا چھانا
بنا کر رکھا مگر تمہاری آنکھوں کے آنسو ہی نہ رکنے
تھے اور وہ آیا اس نے اک بار کہا بستر سے اٹھ جاؤ
تم نے بستر چھوڑ دیا، اس کا مطلب ہے میری
بات کا کوئی اثر ہی نہیں اور اس کی بات تم نال ہی
نہیں سکتی ہو، بتاؤ ایسا ہی ہے نا۔“ اس کو ادھر
ادھر چلتے پھرتے دیکھ کر میرا خون کھل رہا تھا، آخر
مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اسے بازو سے کھینچ
کر اپنے سامنے کیا تھا۔

”ارسل کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں، کیسی
باتیں کر رہے ہیں۔“ وہ بے یقینی سے مجھے دیکھے
چار ہی تھی۔

”ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں۔“ میں نے چیخ
کر کہا تھا۔

”تو پھر مجھے واپس لاہور چھوڑ آئیں، میں
ایک پاگل کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہوں، آپ نے
مجھ پر شک کیا مجھ پر الزام لگایا اور اس بات کی
میں نے اتنی ٹینشن کی کہ اپنے بچے سے بھی ہاتھ
دھو بیٹھی اور اب پھر آپ وہی باتیں کر رہے
ہیں۔“

”اس بات کی نہیں کہ میں نے تم پر شک کیا
بلکہ تم نے اس بات کی ٹینشن لی کہ میں نے نہال
کے گھر والوں سے قطع تعلق جو کرنے کو کہہ دیا
تھا۔“

”آپ غلط سوچ رہے ہیں۔“ وہ بھرائی
ہوئی آواز میں کہہ کر اندر چلی گئی تھی اور اپنے
کپڑے وغیرہ سمیٹنے لگی تھی، میں نے اسے جانے
سے نہیں روکا تھا، بلکہ میں اسے خود لاہور چھوڑ آیا

ماہنامہ حسنا (210) اگست 2014

تھا اور خود واپس آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہماری خود سے شاید دشمنی ہے ہماری آپ کی کیوں دوستی ہے اندھیروں سے کبھی رستہ نہ روکیں کہ ان کے پار ہر سو روشنی ہے خزاؤں سے ہی ہم نے اب بٹالی بہاروں کی چھین جب سے سہمی ہے پرندے تھے تھے لگ رہے ہیں فضاؤں میں عجیب سی خاموشی ہے زندگی ایک بار پھر جب موڑ پر آکھڑی ہوئی تھی، بچے کا غم الگ تھا اور اب شاہ بانو بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی، مگر کٹ کھانے کو دوڑتا تھا اور باہر کی دنیا بھی اچھی نہ لگتی تھی، بس مادے باندھے آس جاتا اور واپس آ کر بستر پر پڑا رہتا، زندگی جیسے ایک نقطے پر آ کر رک سی گئی تھی۔

”شاہ بانو کہاں ہے۔“ آپا پتہ نہیں اس کے لئے کیا لے کر آئی تھیں اور اب برتن ہاتھ میں پکڑے اسے پورے گھر میں ڈھونڈ رہی تھیں۔

”لاہور۔“

”لاہور، مگر وہ کب گئی، خیریت سے تو گئی ہے۔“ وہ برتن چار پائی پر رکھ کر میرے پاس بیٹھ کر حیرانی سے پوچھنے لگی تھیں۔

”کل ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔“ میں انہیں بے دلی سے جواب دے رہا تھا، اس وقت وہ مجھے صرف نہال کی والدہ کے روپ میں نظر آ رہی تھیں اور نہال سے وابستہ ہر رشتہ ہر بات میرے لئے زہر بنتی جا رہی تھی، جس دل میں شک کو جگہ دو گے وہاں پھر محبتوں کے گلاب نہیں اگا کرتے۔

”خیریت تو تھی نا۔“

”ہاں۔“ میں ان کی باتوں کا جواب بس

ہوں ہاں میں ہی دے رہا تھا وہ سمجھ گئی تھیں کہ میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لئے انہوں نے بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اپنے گھر جانے کے لئے اٹھ گئی تھیں۔

مجھے اور میرے گھر کو شاہ بانو کے وجود کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ مجھے اسے شب و روز اس کے بغیر بہت سونے سونے لگتے تھے، ہماری زندگی بہت اچھی تھی محبت سے بھرپور اگر یہ نہال بیچ میں نہ آ جاتا تو ہم پر کوئی بھی رشک کر سکتا تھا، اس دن کو بیوی کی وادی پر ٹوٹ کر بارش برسی تھی، ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا، ندی نالے شور مچانے لگے تھے اور درخت بارش کے پانیوں سے شرابور کھڑے تھے اور اس دن مجھے شاہ بانو بھی بہت یاد آئی تھی، ایسا موسم اس کی کمزوری تھا، میں خود پر اکتیا نہ رکھ سکا تھا اور میں نے مراد منزل میں موجود اپنی شاہ بانو کو فون کھڑکا ڈالا تھا۔

”ہیلو ارسل بیٹا کیسے ہوا؟“ نعیمہ خالہ نے اس کا موبائل اٹھایا تھا اور میری آواز سن کر بہت خوش ہو گئی تھیں۔

”جی خالہ ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں اور باقی گھر والے۔“ آج میں چاہتے ہوئے بھی ان سے بے رخی سے بات نہ کر سکا تھا اور پھر وہ میری محسن تھیں مجھے ان پر تو کوئی غصہ نہ تھا۔

”اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔“ انہوں نے کہا تھا۔

”شاہ بانو کہاں ہے، میری بات تو کروائیے۔“

”بیٹا تمہیں نہیں پتہ نہال آیا ہوا ہے تمہارا دوست، اس کی آپا نے شاہ بانو کے لئے کچھ چیزیں بھیجی ہیں وہ اسے رشتہ داروں کے پاس کسی کام سے آیا تھا تو آپا کی بھیجی ہوئی چیزیں شاہ بانو کو بھی دینے آگیا، ٹھہرو میں بات کرواتی ہوں

ماہنامہ حنا (211) اگست 2014

شاہ بانو سے تمہاری، وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی ہے۔“ نعیمہ خالہ اپنی رو میں بولتی جا رہی تھیں اور دوسری طرف ارسل کے دل پر شک سے ہوتی ہوئی یقین کی ٹرین اس تیزی سے گزرتی چلی گئی کہ اس کے دل کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔

”وہ تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اس کے پیچھے لاہور تک جا پہنچا، اب کون سی شاہ بانو اور اس سے کیسی بات کرنی رہ گئی تھی۔“ اس نے موبائل کھینچ کر دیوار پر دے مارا تھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا، وہ رات ارسل پر بہت بھاری تھی، اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا اور اب اس فیصلے پر عمل کرنا بھی بہت مشکل لگ رہا تھا، کسی سے محبت کرنا اور پھر اس محبت کو دل سے اکھاڑ پھینکنا ایسے ہی ہے جیسے اپنے جسم سے روح کو اپنے ہاتھوں سے کھینچ کر نکال باہر کرنا اور ارسل نے شک کا بیج اپنے دل میں بو کر اس ناممکن کام کو ممکن کر دیا تھا، اس نے شاہ بانو کو طلاق بھجوا دی تھی، اس سے زیادہ اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا، اس سے زیادہ وہ اپنے لئے اور کیا کر سکتا تھا۔

ہم ہمارا

”طلاق مگر کیوں؟“ مراد منزل میں اس رجسٹری کو وصول کرتے ہی اک طوفان آ گیا تھا، ارسل نے یہ سب کیوں کیا، اسے نہ کوئی احسان یاد رہا، نہ کوئی رشتہ، نہ کوئی محبت بھرا تعلق، اس نے ایک پل میں ہی سب کچھ ختم کر دیا، نعیمہ اور مراد کو تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان کے مابین کوئی تاریکی چل رہی ہے اور یہ سب ہو گیا، وہ دونوں شاہ بانو سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے اور اک جامد خاموشی جو شاہ بانو کے وجود پر چھا گئی تھی، اس کی چپ کسی طرح ٹوٹی ہی نہ تھی، اس نے ارسل سے محبت کی تھی، بہت بچپن سے اسے چاہا تھا، اس

کی ماں گھر میں جس محبت سے اپنی سہیلی کا ذکر کرتی تھیں وہ اس محبت اور لگن سے اس کے بیٹے کو سوچا کرتی تھی جو ہر قدم پر اس کا ساتھ رہا تھا اور پھر قسمت نے اس کو اس سے ملا ہی دیا تھا، دنیا کا خوبصورت ترین رشتہ اس سے منسوب ہو گیا تھا، وہ بہت خوش تھی، وہ اس شخص کے ساتھ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور جا بسی تھی، اسے اس زمانے میں اپنی خوشیاں بھول گئی تھیں بس اس شخص کا دکھ یاد رہا تھا، پھر اس نے اس محبت سے جو وہ اس سے کرتی تھی اس کو دکھ سے باہر نکال دیا تھا، زندگی بہت حسین ہو گئی تھی، وہ دونوں تھے اک چھوٹا سا گھر تھا اور ان کی محبت تھی، پھر کیا ہوا، شک کی کیسی آندھی چلی کہ وہ دونوں دور ہوتے گئے اور آج اس شک کی بدولت اتنے دور ہو گئے کہ کچھ بھی باقی نہ رہا، نہ محبت نہ رشتہ نہ تعلق نہ کوئی واسطہ، ارسل نے اسے طلاق نہیں دی تھی اس پر ظلم کیا تھا، اس سے رشتہ ختم نہیں کیا تھا اس کی جان ہی نکال لی تھی، وہ رورور کر ٹھکتی نہ تھی اور سوچ سوچ کر زندگی کو جیتی نہ تھی، اس نے ارسل کو دکھوں سے نکالا تھا اور محبت دی تھی اور ارسل نے اس سے محبت چھین لی تھی اور دکھوں کے حوالے کر دیا تھا، وہ تماشا بن گئی تھی، عزیز رشتہ دار اسے طلاق کا پرسہ دینے آتے تھے وہ سمجھتی تھی وہ محبت کو پرسہ دینے آئے ہیں، اسے طلاق نہیں ملی اس کی محبت مر گئی تھی۔

نہال اور آیا کو بند سے چل کر ایک بار پھر لاہور آئے تھے، انہیں بہت دکھ ہوا تھا، نہال کو دیکھ کر وہ پاگل ہو گئی تھی اس نے کسی کی پرواہ نہ کی تھی اور نہال کو اپنے گھر سے دھکے دیتے ہوئے کہا تھا۔

”کہ چلے جاؤ یہاں سے تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی ہے، تم ہی ہو اس کے ذمہ

ماہنامہ حنا (212) اگست 2014

MOVEETA®
The Touch of Softness

Quality Tissue No More An Issue

نفاست اور سہولت مووئیٹا شوی کی بدولت

VIRGIN PLYN سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹڈ شوی

ایکسٹرا لمب، ایکسٹرا حفاظت، ایکسٹرا سہولت

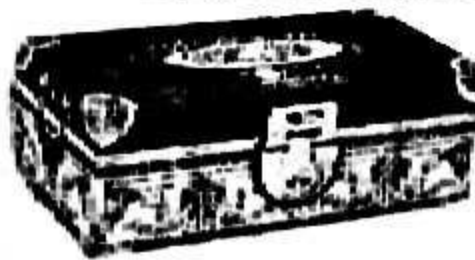
جذبہ کرے آسانی سے سال کرے روانی سے



Super Soft
زیادہ سہولت ... زیادہ نفاست

Perfumed Scented
دلاویز خوشبو سے بھرپور خوشبو

Super Soft Roll & Kitchen Roll
ضرورت بھی ... سہولت بھی



A PRODUCT OF K.B. TRADERS P.O. BOX 2223 KARACHI-74600 PAKISTAN

TEL : (021) 36602348 - 36623757 - 36609032 FAX : (+021) 36623513

visit : www.moveeta.com moveetaissuepaper@hotmail.com

دار چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی اور سب لوگ من کھڑے تھے۔

"تم میری بہن ہو، میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی تیسری بہن سمجھا ہے، جیسی دو بہنیں میرے گھر میں ہیں ویسی تم بھی ہو، اگر اس شخص نے پاگل پن میں آکر یہ سب کیا ہے تو بھی میں تم سے بہن والا رشتہ ختم نہیں کر سکتا، مجھے دکھ تھا اور میں ماں کے ساتھ چل کر اپنی بہن کا گھر اجڑنے پر اتنی دور سے ماتم کرنے آیا ہوں۔"

نہال وہاں سے سیدھا ارسل کے پاس آیا تھا، وہ اک ٹرکی کی محبت کو تباہ کر کے اپنی جلد بازی کے ہاتھوں خود بھی اجڑا بیٹھا تھا، نہال اندر سے قرآن پاک اٹھا لایا تھا۔

"ادھر دیکھو، میں اس پاک کلام کے اوپر ہاتھ رکھ کر تمہیں یقین دلانے آیا ہوں کہ شاہ بانو کو میں نے ہمیشہ اپنی بہن سمجھا ہے اور تاحیات سمجھتا رہوں گا، تم نے جو کچھ کیا اپنی سوچ کے مطابق کیا ہے، میں صرف تمہارا شک دور کرنے آیا ہوں تاکہ جس طرح تم نے اس معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو غم میں دھکیلا ہے تم خود بھی اس دکھ میں دن رات سڑتے رہو کہ تم نے ایک بے گناہ کو سزا دی ہے۔"

وہ قرآن پاک اندر رکھ کر چلا گیا تھا اور ارشل پھنی پھنی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جلد بازی اور غصہ دونوں شیطان کے وصف ہیں اور اس نے یہ وصف اپنا کر جس طرح کا نقصان اٹھایا تھا یہ وہی جان سکتا تھا۔

"یہ میں نے کیا کیا۔" ابھی شاہ بانو کی طلاق کو ایک ہفتہ ہوا تھا اور اسے پچھتاؤں نے آگھیرا تھا، جس طرح نہال اپنی بے گناہی ثابت کر کے گیا تھا اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اس نے دوست بھی کھو دیا تھا۔

پاک باز بیوی بھی اور ماں باپ جیسا پیار دینے والے رشتے بھی، پہلے تو غم کا پہاڑ مراد منزل پر ٹوٹا تھا اور اب سیبوں کے درختوں والے اس گھر میں بھی بس دکھ رہ گئے تھے یا پچھتاوے، وہ چیخ چیخ کر رو دیا تھا مگر اب آنسو پیچنے والا کوئی نہ تھا، دن گزرتے نہیں تھے پر گزارنے ہی تھے، زندگی یونہی آگے بڑھتی رہی، شاہ بانو ایک بار تو ارسل کے دیئے غم سے مر گئی تھی چونکہ سائیس ابھی باقی تھیں اس لئے اسے ابھی اور جینا تھا، ماں باپ اگر ارسل کو دوبارہ زندگی دے سکتے تھے تو وہ تو پھر ان کے گھر کا گلہا تھی، اسے کیسے اپنے سہاروں پہ کھڑا نہ کرتے، انہوں نے دن رات ایک کر دیئے تھے اور اسے سہارا دے دیا تھا، گو کہ اس کا غم بہت بڑا تھا، نہ وہ سہی سکتی تھی نہ وہ سہہ سکتے تھے مگر انہوں نے ہمت کی تھی خود بھی سہہ گئے تھے اور جی کو بھی ایک بار پھر کھڑا کر دیا تھا، وہ بہل گئی تھی، اس نے قریبی سکول میں ملازمت کر لی تھی اور دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے تھے، ارسل ممتاز ماضی بن گیا تھا اور دل پر اگا ہوا وہ ناسور بھی جو نہ بھرتا ہے نہ رستا ہے بس ہر وقت تکلیف دینے جاتا ہے۔

☆☆☆

"بہن پہاڑ سی زندگی کیسے تنہا گزرے گی، تم تو اس بے وفا اور ناقدرے شخص کی یادوں سے دامن کو بھرے بیٹھی ہو، تم ہمارے لئے ایسا امتحان مت بنو کہ ہم میاں بیوی آسانی سے مر بھی نہ سکیں، جی ہمارے بات مان جاؤ، بس ایک بار بوڑھے ماں باپ کی التجا مان کر دیکھو زندگی اور آخرت سنور جائے گی۔" اماں فضیلت رشتے کرواتی تھی، اس نے اس کی سب بہنوں کے رشتے کروا دیئے پھر بھی ان کی دلہیز نہ چھوڑتی تھی، اس کی نظریں ابھی بھی شاہ بانو پر تھیں، شاہ

ماہنامہ حنا (214) اگست 2014

سفر میں نہ آنکھ سے آنسو رکے تھے اور نہ دل کا نوحہ بند ہوا تھا، پہلی شادی محبت کی تھی اس وقت کچھ اور ہی روپ چڑھا تھا دل کسی اور ہی ترنگ میں تھا، خوشی ہی الگ تھی اور اب ضرورت کا سودا تھا، نہ دل میں کوئی امنگ تھی نہ آنسو میں کوئی پہنا بس وہ اپنا خالی خالی وجود لئے مسز میجر انوار بن کر چلی آئی تھی۔

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے
یہی رستہ ہے اب بھی منزل ہے
اب یہیں دل کسی بہانے لگے
خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی شہانے لگے
اب تو ہوتا ہے ہر قدم پہ گماں
ہم یہ کیا قدم اٹھانے لگے
اک پل میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھے میں جہاں زمانے لگے
بے شک وہ خالی دل خالی وجود لئے میجر
انوار کے پاس آئی تھی، جہاں طلب تھی، چاہ تھی
وہاں کا سرد دل خالی اور ویران رہا تھا اور جہاں کچھ
بھی لے کر وہ نہ آئی تھی نہ طلب نہ محبت نہ چاہ نہ
راہ وہاں سے بہت کچھ مل گیا تھا، میجر انوار نے
اس کے خالی دل اور خالی وجود کو اپنی محبت اور توجہ
سے اس طرح بھر دیا تھا کہ اس کے بہت سے زخم
مندمل ہونا شروع ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی عمر
بھر کی چاہت اس پر نثار کر دی تھی، وہ کھل اٹھی
تھی، ایک ایسا جیون سا تھی جس نے کوئی لمبے
چوڑے وعدے نہ کئے تھے، کوئی دکھاوا نہ رکھا تھا،
کوئی دعویٰ نہ کیا تھا، مگر جس نے وعدوں اور
دعویوں کے باوجود اس کا دامن، محبت اور توجہ سے

بانو ایک طلاق یافتہ لڑکی تھی جسے معاشرہ اتنی
آسانی سے قبول نہیں کرتا مگر اماں فضیلت کے
پاس جانے کیسے ضرورت مند رشتے تھے کہ وہ شاہ
بانو کی چوکھٹ پکڑ کر ہی بیٹھ گئی تھی، اس بار نعیمہ
نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ شاہ بانو کو منالے گی اور
اب نعیمہ شاہ بانو کے پاس بیٹھی تھی۔

”ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔“ وہ
اپنا گھر نہ بسا سکی تھی، اپنے ماں باپ کو کوئی خوشی
نہ دے سکی تھی اس نے سوچ لیا تھا اب انہیں بے
چین اور پریشان کیوں رکھے، زندگی یوں بھی
سسک سسک کر ہی گزارنی ہے تو یونہی سسکی، اس
نے ماں کے آگے سر جھکا دیا تھا اور ماں نے بے
قرار ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

میجر انوار کی عمر زیادہ نہ تھی اور زندگی میں
اتنے غم سہے تھے کہ دل کا روگ بھی پال لیا تھا،
دل کمزور ہو چکا تو ڈاکٹرز نے زندگی بھر خوش
رہنے کا مشورہ دیا تھا، وہ اپنے بہن بھائیوں میں
بڑے تھے، باپ کی وفات کے بعد انہیں باپ
بن کر پانا تھا اور جب عین جوانی میں ماں بھی
ساتھ چھوڑ گئی تو ان کے لئے ماں اور باپ دونوں
بن گئے تھے، بہن بھائیوں کو گھر بار کا کرتے
کرتے خود اپنی عمر کی کئی بھاریں گزار چکے تھے،
شریف، دیانت دار اور وجاہت کا اعلیٰ نمونہ میجر
انوار جن کے پاس روپیہ پیسہ سب کچھ تھا بس نہیں
تھا تو ایک اچھا سا مٹی، اماں فضیلت نے ٹھان لی
تھی کہ میجر انوار اور شاہ بانو کو ایک کر کے چھوڑنا
ہے، ادھر شاہ بانو نے سر جھکا یا ادھر وہ جھٹ پٹ
میجر انوار کا رشتہ لے آئیں، مراد صاحب نے
میجر انوار سے مل کر اور ان کے بارے میں تسلی
کر کے یہ رشتہ قبول کر لیا اور شاہ بانو ایک بار پھر
سہاگ کا جوڑا پہن کر ہاتھوں میں مہندی رچا کر
پیدا لیں سدھار گئی، یہ الگ بات کہ اس سارے

ہر دل غم سے بوجھل تھا، ابھی تو اس کا دلہنایا ہی تھا، ابھی تو اس نے میجر انوار کی رفاقت کو جی بھر کر برتا بھی نہ تھا، ابھی تو وہ اس کے جاؤ پورے کرتے ہی نہ تھکتے تھے، ابھی تو اس کے کئی سہاگ کے جوڑوں کی جہیں بھی نہ کھلی تھیں کہ سہاگ ہی اجڑ گیا، اس بار وہ یہ غم سہہ نہ سکی تھی اور ندوس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ہسپتال جا پہنچی تھی۔

وہ سخت جان تھی یا اس کو ابھی اور جینا تھا زندگی میں ابھی اور دکھ دیکھنا تھے، وہ موت سے لر کر واپس آگئی تھی، وہ مرتے مرتے بچ گئی تھی، وہ جس کی خواہش تھی کہ میجر صاحب کے پہلو میں ہی جا سوائے پھر سے دنیا کے اجالوں میں آگئی تھی، اس طرح سناٹکھ میں کوئی منظر تھا اور نہ لبوں پر کوئی لفظ، بس خاموشی سی خاموشی تھی اور دکھ سا دکھ تھا۔

☆☆☆

شہر لاہور کے ایک ہوٹل کے کمرے میں گزری یہ رات بہت بھاری تھی، میری پوری زندگی اور شاہ بانو کا ہر دکھ مجسم ہو کر اس کمرے میں آگیا تھا، میں نے اس کے دکھ سے اور اپنی ندامت سے ساری رات بچھا چھڑایا تھا مگر چھڑا نہ پایا تھا، صبح ہوئی تو میں ایک بار پھر اس کے در پر کھڑا تھا۔

”شاہ بانو!“ میری آواز میں اتنی بے تابی اور اتنی زیادہ طلب تھی کہ میں بتا نہیں سکتا۔

”یہاں کوئی شاہ بانو نہیں رہتی، یہ میجر انوار کی بیوہ کا گھر ہے۔“ وہ دروازے پر آئی اور میری آواز سن کر سخت آواز میں بولی تھی۔

”یہاں جو بھی آتا ہے میجر انوار کی بیوہ کی حیثیت سے مجھ سے ملنے آتا ہے، اس کے علاوہ یہاں میری کوئی پہچان نہیں۔“ وہ غالباً اسکول جا رہی تھی، بڑی سی چادر میں اپنا آپ چھپا کر

بھردیا تھا، وہ خود سے بھی زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے، اپنی ذات سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ کرتے تھے، شاہ بانو بھی ابھی تو اس پیار اور بھروسے پر حیران رہ جاتی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میجر انوار اس کے لئے اس طرح کے شوہر ثابت ہوں گے، ان کا پورا خاندان میجر انوار کی طرح اس کی بے پناہ عزت کرتا تھا وہ جہاں جاتی ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی، گویا میجر انوار نے اپنا ساتھ اس کے لئے اعزاز کا باعث بنا دیا تھا، وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور اس کے ماں باپ اسے بے طرح خوش دیکھ کر یکے بعد دیگرے سکون سے ابدی خند جا سوائے تھے، شاید شاہ بانو کا دوسری بار اجڑنا دیکھنا ان کے لئے ایسا تجربہ ہوتا کہ وہ جی نہ پاتے اس لئے قدرت نے ان کے سکون کا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا، زندگی میں جب ہر طرف سکون ہی سکون تھا، خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، شاہ بانو اپنا ماضی بھول گئی تھی بس اب تو میجر انوار ہی اس کا سب کچھ تھے جب اچانک ان کے دل میں درد اٹھا اور وہ اتنی تکلیف سہہ نہ سکے اور ایک ہی رات میں بیمار رہ کر اپنے خالقِ مطلق سے جا ملے، جانے اس لڑکی نے کیسی قسمت پائی تھی، پہلے طلاق یافتہ بنی اور اب بیوہ ہو گئی تھی، دونوں بار اس کا گھر اجڑ گیا تھا، اس بار بھی قسمت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ اسے تو رونے کی بھی فرصت نہ ملی تھی، اب کے آنسو ہی خشک ہو گئے تھے، وہ اس اچھے انسان کو کسی صورت نہ چھوڑنا چاہتی تھی اس لئے اس کی چار پائی پکڑ کر تاوقتِ نیکی رہی جب تک لوگ اسے پہنچ کر پیچھے ہٹا کر نہیں سفر آخرت پہ اپنے ابدی گھر نہ لے گئے، جب میجر انوار کا جنازہ اٹھا تو اس کا دل بھی پھٹ گیا تھا وہ زمین و آسمان ایک کر کے اس طرح روئی تھی کہ تمام آنکھیں اشک بار تھیں اور

ماہنامہ حسنا (216) اگست 2014

انہیں ٹوک دیا تھا اور وہ مایوس سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔

میں نے ہر جتن کر کے دیکھ لیا تھا، شاہ بانو میری کوئی بھی بات سننے کے لئے تیار نہ تھی، میں تھک ہار کر واپس کوئٹہ آ گیا تھا، میں کتنے دن لاہور میں ڈیرے ڈالے بیٹھا رہا تھا مگر اس نے میری کوئی بات نہ سنی تھی، پھر کوئٹہ واپس آ کر میرے ذہن نے جو بات سوچی تھی اس نے نئے سرے سے میرے دل میں شاہ بانو کے ملنے کی امید پیدا کر دی تھی، میرے مقدر نے جس کو بڑی آسانی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا، آج میں اسی کے لئے در در پر ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور وہ مجھے نہیں مل رہی میرے لئے اس سے بڑا انتقام کیا ہو سکتا تھا۔

”آپ مجھے معاف کر دیں۔“ میں ایک بار پھر نہال کے گھر پر تھا، مجھے دیکھ کر وہ اندر کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا، پورے دو سال بعد میں آپا کے ہاتھوں پر سر گرائے رو کر معافی مانگ رہا تھا، دو سال بعد اس گھر نے میرے قدموں کو چھوا تھا، میں آپا کے سامنے سر اور آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا، میں اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس سر کو اٹھا سکتا یا نظر ملا کر بات کر سکتا۔

”ارسل کس بات کی معافی، بس اتنا کہوں گی تم نے جلد بازی میں بہت برا کیا، بہت برا۔“ وہ بھی رونے لگی تھیں اور پھر انہوں نے شاید مجھے دل سے معاف کر دیا تھا وہ نہال کو بلانے چلی گئی تھیں، ماؤں کے دل ویسے بھی اسے اندر بہت کچھ سمولینے کا ہنر رکھتے ہیں، نہال ماں کے بلانے پر باہر آیا اور میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا، اس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ماں کی کوئی بات نہیں مانتا تھا، میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا، وہ کھلے دل کا آدمی تھا کچھ دیر تو وہ

میرے قریب سے گزر کر چلی گئی تھی اور میں وہیں کھڑا سوچ رہا تھا کہ میں پہلے والی شاہ بانو کو کیسے واپس لاؤں، وہ چلی گئی تو میں نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی تھی، اب کے کوئی بوا دروازے پر آئی تھیں، میں نے ان سے اپنا تعارف کروایا اور ان سے مدد چاہی تھی، پہلے تو وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی تھیں پھر مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکل گئی تھیں، کچھ دیر بعد وہ واپس آئیں تو ایک شخص ان کے ساتھ تھا۔

”ہاں بیٹا بتاؤ کیا بات ہے، میں شاہ بانو بیٹی کے باپ کی حیثیت سے تم سے مل رہا ہوں، میری بیٹی ان کی شاگرد ہے، وہ ہماری بیٹی کی استاد بھی ہے اور ہمارے لئے بیٹیوں جیسی بھی، آپ اپنا جو بھی مسئلہ ہے باجھک ہم سے کہیے۔“ انہوں نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے مجھے کہا تھا۔

میں اتنا ٹوٹا ہوا تھا اور شاہ بانو کے ساتھ گزرنے والی ہر کیفیت ہر دکھ کا مجھے اوارگ تھا اس لئے میں تو کوئی سہارا چاہتا تھا میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنائی کہ کس طرح میں نے غصے و جلد بازی اور شک میں آ کر اپنا گھرا چاڑھا تھا، اور اب میں ان سب باتوں کی سلامتی چاہتا ہوں اور شاہ بانو کو پھر سے زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے میری ساری کہانی سنی تھی اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ شاہ بانو سے بات کریں گے، میں بہت پر امید ہو کر واپس آیا تھا۔

”انکل آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس شخص سے کوئی بات بھی کروں گی، کسی قسم کا رشتہ جوڑنا تو دور کی بات ہے۔“ ملیجی کے ابو نے جب شاہ بانو سے بات کی تو وہ بھڑکی تھی۔

”بیٹا وہ اپنے کیے پر مادم ہے، اسے معاف کر دو۔“ وہ اس کی وکالت کر رہے تھے۔

”انکل پلیز کوئی اور بات کریں۔“ میں نے

ماہنامہ حنا (217) اگست 2014

بے حس و حرکت کھڑا رہا تھا مگر پھر اس کے بازو بھی میرے گرد حائل ہو گئے تھے، وہ سارا دن اور ساری شام میں ان کے گھر میں بیٹھا اپنی ہی باتیں کرتا رہا تھا، آپا اور نہال میرے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہو گئے تھے، میں سمجھتا تھا کہ بس وہ دونوں ہی اسے مناسکتے تھے۔

میں باہر کھڑا تھا اور وہ دونوں اندر میرا مقدمہ لڑ رہے تھے، مجھے نہیں پتہ ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں، کیا بحث ہوئی تھی، بس اتنا جانتا ہوں کہ جب تک آپا اور نہال باہر اٹکے تھے تب تک کھڑے کھڑے میں تختہ بن گیا تھا۔
 ”آؤ اندر۔“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے تھے اور مجھے شاہ بانو کے سامنے بٹھا دیا تھا، اس کی برستی آنکھیں میرے سامنے تھیں اور میں گنگ بیٹھا تھا۔

ہنہ ہنہ ہنہ

آج شام میرا اور ارسل ممتاز کا نکاح ہے، آپ لوگ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس طرح سے بنی ہوں، میری زندگی میں کتنے موڑ آئے، کتنے دکھ آئے، کتنے غم آئے، اس شخص کی وجہ سے میں کیسے تماشائی بنی اور ایک بار پھر ساری ذلت، ساری پریشانی، سارے غم بھلا کر اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔

”ہاں میں اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔“

”میں کیا کروں، میں کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتی، میں دنیا والوں کو بھی نہیں بتا سکتی، میں اس سمیت کے آگے ہار گئی ہوں جو مجھے ارسل ممتاز سے تھی، ہے اور شاید ہمیشہ رہے۔“

”میں تنہا زندگی گزار سکتی تھی مگر معاشرہ اور لوگ ایک بیوہ کو تنہا زندگی گزارنے نہیں دیتے، مجھے کبھی نہ بھی تو کسی کا ہاتھ تھامنا تھا اور ارسل

ممتاز بھی مجھ سے محبت کرتا تھا وہ خود چل کر میرے پاس آ گیا تھا، میں اسے کیسے واپس لوٹاتی میں اس محبت کا کیا کرتی جو مجھے باندھ کر دوبارہ اس کی طرف لے جا رہی تھی، یہ محبت جب ہوتی ہے تو ایسے ہی خواہ کرتی ہے، ارسل ممتاز نے مجھ پر شک کیا تھا، الزامات لگائے تھے، میں وہ سب ذلت بھول گئی تھی، نہال بھائی اور آپا نے اس کی گارنٹی دی تھی کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ نادام سر جھکائے خود بھی میرے سامنے تھا، ایسے میں میری محبت چھلٹیں مار رہی ہوئی اس کے دل تک پہنچ گئی تھی اور میں ہار گئی تھی۔

ہنہ ہنہ ہنہ

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا، میں ایک بار پھر کونینہ میں موجود سیہوں کے درختوں والے گھر میں تھی، اب کے ارسل بہت بدل گیا تھا، اس نے بیج معنوں میں میرے جانے کے بعد مجھ سے محبت کی تھی اور یہ محبت میرے دوبارہ اس کی زندگی میں شامل ہونے پر دو چند ہو گئی وہ اور میں مل کر روزے رکھ رہے تھے، مل کر عبادت کرتے تھے مل کر صبر اور شکر کرتے تھے، زندگی میں آنے والے گزشتہ دکھ اور غم سب بھول گئے تھے، ایسا لگتا تھا وہ سب خواب تھا اور حقیقت اب ہے۔

چاند رات تھی، صبح عید ہونے کا اعلان ہو گیا تھا، میں انٹاری کے بعد کچن سمیٹ رہی تھی جب ارسل کمرے سے ایک شاپنگ بیگ اٹھائے باہر آیا تھا۔

”ادھر آؤ۔“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر چشمے کے پاس لے آیا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ میں اس کے ہاتھوں میں سامان دیکھ کر بولی تھی۔

”یہ تمہاری عید ہے۔“ اس نے میرے

ماہنامہ دنیا (218) اگست 2014

”بالکل سچ۔“ وہ خوش دلی سے بولا تھا اور
ہاں ایک اور بات سنو وہ کسی نے کیا خوب کہا

کوئی بھی موسم ہو

کوئی بھی رت ہو

اٹلی تو عادت ہے

تھہیں یاد برابر کرنا

تیری جستجو تیری امید کرنا

تمہارے آنے پہ خوشی مزید کرنا

اب تو ممکن ہی نہیں

تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے شاہ بانو کو بازوؤں کے کھیرے
میں لے کر بڑے ردھم سے اسے کہا تھا۔

”یہ تو کسی نے کہا ہے، آپ خود کیا کہتے
ہیں۔“ وہ اٹھلاتے ہوئے بولی تھی۔

”یار میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔“

اب تو ممکن ہی نہیں

تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے پھر سے کہا تھا اور فضا کی ہر چیز
محبت کے اس اقرار پر جھوم جھوم گئی تھی۔

پہلے پہل

سامنے سب الٹ دیا تھا، چوڑیاں، مہندی،
کپڑے، جوتے، ہندے، ہار سب چار پائی پر بکھر
گیا تھا۔

”یہ آپ نے کب خریدا۔“ میں مسکرائی
تھی۔

”میں تو پورا مہینہ ہی کچھ نہ کچھ خریدتا رہا
ہوں، شکر ہے چاند رات تک سارا سامان پورا ہو
گیا، دیکھ لو تھہیں پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔“ وہ
ایک ایک چیز میرے آگے کرنے لگا تھا۔

”سب بہت اچھا ہے۔“ میں نے دل سے
تعریف کی تھی اور سب کچھ سمیٹ کر اپنے کمرے
میں رکھنے لگی تھی۔

”شاہ بانو خوش ہونا۔“ میں اس کے پیچھے
پیچھے چلا آیا تھا اور اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے
کر اس کی نکالی میں جانے لگا تھا۔

”ہوں خوش ہوں۔“ وہ اپنی نکالی دیکھ کر
بولی تھی۔

”تم میری زندگی کا چاند ہو، تمہاری وجہ سے
زندگی میں روشنی ہے، خوشی ہے۔“

”سچ کہہ رہے ہو۔“ وہ اس کی آنکھوں میں
دیکھ کر پوچھنے لگی تھی۔

”سناخدا رتھال“

آپ کی پسندیدہ مصنفہ سیدہ کشفۃ شاہ کی جو اس سال بہمن بھانجا اور بھانجی ایک ٹریک حادثے
میں قضاے الہی سے وفات پا گئے۔

اللہ وانا علیہ راجعون

تو زمین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند کر کے اور
انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کریں
آمین۔

ادارہ حنا کشفۃ شاہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ماہنامہ حنا (219) اگست 2014



”ہونہ! ماریہ جیسی لڑکیوں کے لئے رشتوں کی کی تھوڑی ہوتی ہے، رشتے ہزار مل جائیں گے آپ کو، جب وہ فیصل بھائی سے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر راہ رسم بڑھا سکتی ہے تو دنیا میں اور بھی لڑکے موجود ہیں۔“ امی پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا، اتنا تو واضح ہوا کہ فیصل کی امی اور بہن کا یہ انتہائی اقدام ماریہ کی کسی خطا کی بناء پر ہے اور وہ کچھ کہتے سننے پر راضی ہی نہ ہوئی تھیں جو صورتحال واضح ہوئی، بس اپنا آخری فیصلہ سنایا اور تمام اسباب گویا ان کے منہ پر مار کر چلتی بیٹیں، امی نے کس زخمی نظروں سے ماریہ کی جانب دیکھا تھا اور اسے محسوس ہوا، وہ زمین میں اندر ہی اندر سماتی چلی جا رہی ہے مگر کاش! وہ زمین میں ہی سانسکتی، رائے کے آخری الفاظ خود اسے اپنی ہی نظروں میں بے وقعت کر گئے تھے، وہ اپنے آپ میں گھر کے کسی فرد کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی، سو ڈولتے ہوئے قدموں سے اسے گھرے میں آگئی اور اپنے بند پر کسی کئے ہوئے کھتیر کی مانند گر پڑی۔

آنسوؤں کا اک ریلا تھا جو ضبط کا بندھن ٹوٹتے ہی رواں ہوا اور تادیر رواں ہی دہا، شام ڈوب کر کائنات کو رات کی تاریکی میں لپیٹ گئی مگر گھر میں یونہی سنانے کو بجتے رہے، امی عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں تو جانے کب تک سجدے کرتی رہیں، وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو سکا، شام آتی لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے خالی ڈھن، خاموش آنکھوں کے ساتھ اسکرین پر

بات چھوٹی سی تھی مگر بڑھ کر گہیر صورتحال اختیار کر گئی اور نتیجہ کیا نکلا؟ وہ جو سب کی توقعات کے صد فی صد برعکس تھا، ابھی کل ہی تو امی نے شادی سے جہیز کے بقیہ سامان کی لسٹ بنوائی تھی اور اس اتوار کو مارکیٹ جا کر شاپنگ کا ارادہ بھی تھا، مگر یکا یک بات یوں بجز جائے گی، ماریہ تو کیا، کسی کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا، وہ تو گزشتہ دو دن سے فیصل کو منانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اور یقیناً واثق تھا کہ وہ مان ہی جائے گا، کچھ ایسی خاص یا گہیر رنجش تو نہ تھی دونوں کے درمیان کہ فیصل کی امی اور بہن رائے متشی کا سارا سامان انہیں واپس کر کے صاف مٹگنی ختم کرنے کا اعلان کر کے چلتی بیٹیں، رائے جس سے اس کی خوب دوستی ہو چکی تھی، فیصل کے سب پیغام تحفے وہی اس تک پہنچاتی رہی تھی بھی جو گھر کے گھر پر بات کرنی ہوتی اور ماریہ کی جگہ کوئی اور فون اٹھا لیتا تو رائے بڑی ہوشیاری سے صورتحال کو کنٹرول کر کے دو چار باتیں کرنے کے بعد کھٹ اپنی ہونے والی بھابھی، ماریہ سے گفتگو کی خواہش کا اظہار کرتی اور ریسور بڑی سہولت سے ماریہ کے ہاتھ میں آ جاتا، ایسے میں اگر فون رسیو کرنے والے امی، ابو یا بڑے بھیا وغیرہ ہوتے تو ان کے فرشتوں تک کو نہ علم ہو پاتا کہا، اگلے گھنٹے دو گھنٹے تک ماریہ نے فون پر رائے سے نہیں فیصل سے سرگوشیاں کی ہیں اور آج وہی رائے امی کی لاکھ التجاؤں کے جواب میں کس لمحے سے کہہ کر چلتی بنی تھی۔

ماہنامہ دنیا (220) اگست 2014



مانند پھرنے لگے تھے، کچھ زیادہ پرانی بات تو نہ تھی
بہشتی سال بھر گزرا ہو گا، جب امی نے ابو کو
خوشخبری سنائی تھی۔

”سنئے ہیں مکرم صاحب! اپنی ماریہ کے
لئے بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔“

ماہنامہ حنا (221) اگست 2014

نظر میں جمائے ساکت بیٹھی رہیں، اک ساکت و
جامد سناٹا سارے گھر کو اپنے پیٹ میں لئے رہا،
ابو بڑے بھیا کب آئیں سے لوٹے ان سے کیا
کچھ کیا یا سنا گیا، کچھ بتا بھی نہیں چلا، کہا چلا گیا۔

ماریہ کے ذہن میں گزرے لمحات کسی فلم کی

تو جیسے دلی مراد ہی بر آئی، کھٹ بھا بھی کونون کر کے مہمانوں کو قدم رنجہ فرمانے کی اجازت بخشی۔

مہمان آئے اور آ کے چلے بھی گئے، ثناء اپنی نے اس دن گھر کا کونا کھونا چکایا تھا اور یوں بھی یہ ایک رسی سامر ملے تھا، ماریہ کو وہ پسند تو کر ہی چکے تھے البتہ اس بار جاتے سے وہ لڑکے کی تصویر اپنی کو تنہا گئی تھیں اور جلد جواب پر اصرار بھی کیا تھا، ادھر تصویر بھی سب ہی کے من کو بھائی تھی، دیگر کوائف بھی سلی بخش ہی تھے، بڑے بھیا نے مناسب چھان بین بھی کی اور ابھی معاملہ انکار و اقرار کے مرحلے پر اٹکا تھا کہ ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا۔

لڑکا از خود لڑکی کو دیکھنے کا خواہاں ہے اور لڑکے والوں کا یہ مطالبہ سن کر مہر النساء شیشا اٹھیں، فی الفور بھابھ کو مشورے کے لئے بلا بھیجا، جنہوں نے خلاف توقع اس مطالبے کی بھرپور حمایت کی، مگر مہر النساء کے دل کو پٹکے لگے تھے۔ ”کہاں بیٹھی ہو مہر النساء یہ نیا دور ہے لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار نظریں بے وجہ تارتی ہیں، پھر اتنی تو ہمارے مذہب میں بھی اجازت ہے۔“

مہر النساء کے دل کو کچھ قرار آیا، بات سچ ہی تھی، ماریہ کون سی پردہ کرتی تھی لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار لوگوں کی نظر پڑتی ہے اور جس کی مذہب نے اجازت بخشی ہے اس سے پردہ واجب ہو جاتا ہے، (ادھر امی مطمئن ہوئیں اور ادھر ثناء آپلی کی زبانی اس نئے مرحلے کی بابت سن کر ماریہ پسینے میں تر ہو گئی، دل تو جب سے ہی دھکن دھکن کر رہا تھا، جب سے فیصل کی تصویر دیکھی تھی، اتنی موٹی شکل کہ دل میں اتر گئی، خواہوں کی دنیا جیسے سچ انھی تھی اور وہ جو تصویر دیکھنے سے گل

”ماریہ کے لئے؟“ مکرم صاحب چونک کر سیدھے ہوئے۔

”مگر مہر النساء ابھی تو اپنی ثناء.....“

”جانے بھی دیجئے۔“ انہوں نے سرعت سے شوہر کی بات قطع کی تھی۔

”اب لڑکیوں کی شادی کی اتنی تنگی چل رہی ہے کہ اچھے رشتوں پر ماں باپ زیادہ غور نہیں کرتے، نہ بڑی چھوٹی کا شمار کیا جاتا ہے جس کے پیسے نصب کھل رہے ہیں بس بھٹا دو۔“

”سچ کہتی ہو۔“ انہوں نے گہری سانس لے کر بیوی کی تائید کی پھر اخبار ایک طرف رکھ کر چشمہ ہٹایا اور پوری طرح مزید تفصیلات سننے کے لئے تیار ہو گئے۔

”لڑکا کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے، معقول تنخواہ ہے، شریف گھرانہ ہے، ہمیں اور کیا چاہیے مکرم صاحب، اللہ پہلے اپنی ماریہ کے نصیب کھول رہا ہے تو ہم ہاتھ روک کر ناشکری کیوں کریں، پچھلے دنوں جو بڑی بھابھی کے گھر محفل میاں دہوئی تھی، ادھر ہی لڑکے کی امی نے ہماری ماریہ کو دیکھ کے پسند کیا ہے، کل بڑی بھابھی کا قانون آیا تھا، اب وہ لوگ بڑی بھابھی کے ساتھ باقاعدہ رشتہ دینے کے لئے آنا چاہ رہے ہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟“ انہوں نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل سنا کے پھر شوہر کی امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا مکرم صاحب کی نظریں اپنی بڑی بیٹی ثناء پر لگی تھیں، جس کو بی اے کیے ہوئے بھی دو سال ہونے کو آئے تھے، مگر مناسب رشتے کے آثار بنوڑ نظر نہ آتے تھے، پھر بیگم کی یہ بات بھی ٹھیک ہی تھی کہ جب اللہ نواز رہا ہے تو ہاتھ روک کر ناشکری کیوں سو انہوں نے بڑے بیٹے سے صلاح مشورہ کر کے آمادگی ظاہر کی اور مہر النساء کی

ماہنامہ ثنا (222) اگست 2014

دور تھوڑی دیا ہے، اچھا ہے، لڑکا لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کے حراج کو سمجھ جائیں۔“
”مگر بہن! ایسی باتیں رنجش پیدا کرتی ہیں خدا نخواستہ۔“ انہوں نے پھر کہا چاہا مگر سہم نے بات قطع کر دی۔

”ارے چھوڑیں بھی، اللہ نہ کرے کہ کوئی رنجش ہو، اب تو خیر سے عید کے چاند شادی ہے ہی، دن ہی کتنے بچے ہیں۔“ انہوں نے مہر النساء کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اپنا سکھوٹا ہو تو دوسرے سے کیسی باز پرس، ماریہ کی دنیا بڑی محدود ہو گئی تھی، موبائل اس کے لئے لازم و ملزوم بن کر رہ گیا تھا، ان کا ارادہ تھا کہ دوڑ دھوپ کر کے ثناء کے لئے بھی کوئی رشتہ تلاش کر لیں گی اور سال بھر میں دونوں بیٹیوں کو ہمراہ ہی بھلتا دس گی مگر ماریہ کے سسرال والے تو بس نہ چلتا کہ گھڑی کی چوتھائی میں ماریہ کو بیاہ کر لے جائیں، ان کا ذوق و شوق اور ماریہ کے لئے ان کی چاہت تو یہی عیاں کرتی تھی، ساس جب بھی آتیں دو چار جوڑے معاضاتی لوازمات کے تھا جاتیں، کبھی کوئی سونے کی چیز اپنے ہاتھوں سے اسے پہنا جاتیں، فیصل بلاناغہ گھر کے نمبر پر فون کر کے گھر بھر کی خبریت پوچھتا رہتا تھا، گا ہے یہ گا ہے کبھی ساس، کبھی سالی کے لئے مگنٹس بھیجتا رہتا تھا اور ماریہ کا تو تذکرہ ہی کیا..... سنا تھا کہ خاصی بڑی فوٹو فریم کروا کے فیصل نے اپنے کمرے میں لگوا رکھی ہے، ماریہ کی ساگرہ آئی تو ساس صاحبہ تمام بیای، بن بیای بیٹیوں کو سمیٹ کر کیک سمیٹ چکی آئیں، سب ہی نے گفٹ دیے، خود ماریہ اتنی محبتوں کو پا کر سرشار تھی، امی کو اندازہ تھا کہ یہ سلسلہ جتنا طویل پکڑے گا، اتنا ہی تعبیر بھی ہوگا، ممکن ہے وہ زیر بار بھی ہو جائیں، اب بھی ان سب کی وقت بے وقت آمد پر خرچا

سوچے بیٹھی تھی کہ اس رشتے سے صاف انکار کر دے گی کہ وہ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے مگر فیصل کی تصویر نے اس کا دل موہ لیا تھا اور اس کے ہر ارادے کو خاک میں ملا دیا تھا، اب دل ایک ہی تال پر رقص کر رہا تھا اور خواہاں تھا کہ بس جلد از جلد فیصل کا ساتھ مل جائے۔

یہ مرحلہ کڑا تھا مگر طے ہو ہی گیا، فیصل کے سامنے جب پنک سوٹ میں بہار کی نو گشتہ کلی کی مانند تروتازہ ماریہ آئی تو اس کا دل جھوم اٹھا، انکار کا سوال ہی نہ تھا، لڑکی ہر لحاظ سے بہترین تھی، امی کے انتخاب کی دل ہی دل میں داد دی، اک ستاسی نگاہ شرمیلی گھبرائی ماریہ پر ڈالی اور مسکرا دیا، رشتہ پکا ہو گیا اور اسی ماہ اک تقریب میں منگنی کی رسم انجام پائی۔

ابنہ اس ایک ملاقات نے آگے کے تمام رستے سہل کر دیے تھے، فیصل نے منگنی کے موقع پر ماریہ کو موبائل فون گفٹ کیا تھا اور منگنی کے بعد ہی موبائل کا درست استعمال ہونے لگا، تعلقات کی راہ استوار ہوئی اور موبائل ماریہ کا لٹو انگ بن گیا، دن ہو یا رات، تقریب ہو یا گھر میں، صبح و شام فیصل کے لاتعداد میسجز اور رات گئے تک باتیں، اگر چاہا ہاں گھر تک نہ رہی تھی گھر سے باہر نکلنے لگی تھی، دلی دلی سرگوشیاں بھی اٹھنے لگی تھیں مگر پردہ اس کا اپنا بننے جا رہا تھا اور یہ بات سب ہی جانتے تھے، موبائل سروریز شاید اسی لئے دل موہ لینے والے پیکر دیا کرتی ہیں، کہ ماریہ اور فیصل جیسے جوڑے ہمہ وقت رابطے میں رہیں، گھنٹوں کے حساب سے لایعنی باتیں کی جاسکیں اور وہی ہو رہا تھا، شروع شروع میں مہر النساء دبا دیا سا احتجاج کرنا چاہا تو سہم نے بھی بھرپور نفی کی تھی۔

”جانے دیجئے بہن اب ہمارا آپ کا والا

ماہنامہ حنا (223) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

جاؤ۔" ماریہ کی روح فنا ہو گئی اور اس نے گھر دیکھا بھی کب تھا۔

"لو کے تو پھر مجھے بلا لو، آئی میں جب کوئی گھر پر نہ ہو۔" وہ جھجک گئی۔

"پلیز ماریہ کیا تمہیں مجھ پر اتنا بھی بھروسہ نہیں ہے، کوئی اور صورت بھی تو نہیں ہے نا، کہیں اور ملنے پر تم راضی نہیں ہو اور تمہارے گھر والوں کی موجودگی میں تو یہ ممکن نہیں ہے۔"

یہ تو ٹھیک ہی تھا، وہ کوئی ایسا چھپورا نام نہ لڑکا نہ تھا، جس پر بھروسہ کیا جاسکے اور سب سے محفوظ طریقہ بھی یہی تھا، اس بار وہ جان کو آگیا تھا اور کسی طور نہ مانتا تھا، ماریہ نے زیادہ رد و کد کی تو سخت خفا ہو گیا اور اس کی جان پر بن آئی، بمشکل اسے منایا اور اس کے شرط مانتے ہی بن پڑی۔

انہی دنوں قدرت نے بھی موقع فراہم کر دیا، پھوپھی اور پھوپھا جان اک حادثے میں بال بال بچے، بڑی پھوپھو نے اپنے گھر شکرانے کے لئے محفل میلا دند رو نیاز کا پروگرام رکھا، ان کے گھر والوں کو بھی مدعو کیا اور یہ بہترین موقع تھا روٹھے یار کو منانے کا، اب یوں بھی وہ تقریبات میں کم ہی جایا کرتی تھی، جانی تو موہاگل کان سے چپکا رہتا، مہر النساء کو زمانے بھر کا خوف کھائے جاتا۔

آج بھی اس کے جانے سے انکار کو انہوں نے غنیمت ہی سمجھا، ثناء آئی اور امی صبح ہی نکل گئیں، ابو اور بڑے بھیا آفس سے ہی پھپھو کے گھر پہنچے تھے۔

ماریہ نے فٹ فیصل کو کال کی اور وہ تو جیسے سرشار ہی ہو گیا تھا، فوری اپنی آمد کا عندیہ دیا، ماریہ نے شاور لے کر فیصل کا پسندیدہ پنک ٹکڑ پینا تھا، دراز سنہری بالوں کو یونہی کھلا چھوڑ دیا، کھنی پلوں پر مسکارے کا گہرا گہرا لپ کر کے آنکھوں

ہوتا ہی رہتا تھا، اللہ کا نام لے کر بڑی کمیٹی ڈال دی، عید پر جس کے ملنے کے بھرپور چانسز تھے اور بساط بھرتیاریوں کا آغاز کر دیا، ادھر ماریہ کے قدم تو مانو زمین پر ٹھہرتے ہی نہ تھے، اتنی محبتوں اور توجہ کے سبب مزید گھر گئی تھی اور سب سے بڑھ کر فیصل کی محبت جو کہتا کہ اب تو ماریہ کے بغیر اس کا جینا بھی دشوار ہے، صبح آنکھ کھلنے سے رات گئے تک میسجز کا سلسلہ، وہ اسے دھڑکنوں سے بھی قریب محسوس ہوتا، بس کبھی کبھی بڑی سے اترنے لگتا، جب مطالبوں پر پراثر آتا، وہ سہم جاتی۔

"پلیز ایک بار تو دیدار بخش دو، سچ آنکھیں ترس گئی ہیں۔" ماریہ کو ابو اور بڑے بھیا کا ڈر مارے ڈالتا، کسی طور نہ مانتی۔

"تو کس نے کہا ہے کہ گھر پر ہی ملو، یار دنیا بہت بڑی ہے۔" اور اس کے لئے یہ تصور بھی سوہان روح تھا، اولاد وہ بات گھما دیتی، مگر فیصل کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"پھر میں امی سے کہوں گا مجھے اپنی معیشت سے ملنا ہے۔" فیصل دھمکاتا۔

"اور وہ تو جیسے مان ہی جائیں گی نا۔" ماریہ نے چڑایا۔

"کیوں نہیں مانیں گی، میری امی بہت براڈ مائنڈ ہیں تمہارے گھر والوں کی طرح نہیں۔"

"اے....." ماریہ نے درمیان میں ہی ٹوک دیا مگر وہ مصر رہا۔

"تو اور کیا، یوں سات پردوں میں تمہیں چھپا رکھا ہے جیسے میں تمہیں نکل جاؤں گا۔" ماریہ نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، مجھے ملنا ہے، بس ملنا ہے، گھر میں نہیں تو کہیں بھی اور گھر سے باہر قدم رکھنے کا خیال بھی اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دیتا۔

"چلو کہیں باہر نہیں تو میرے گھر ہی آ

ماہنامہ حنا (224) اگست 2014

ابھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیتے

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب

☆ شمارمقدم

☆ دنیا گول ہے

☆ آوارہ گرد کی ڈائری

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں

☆ چلتے ہو تو چین کو چلئے

☆ غم کی غم کی پھر مسافر

☆ خط و کتابت کے

☆ بستی کے اک کوپے میں

☆ پانڈت

☆ دل و نشی

☆ آپ سے کیا پردہ

☆ ڈاکٹر مولوی عبدالحق

☆ قواعد اردو

☆ انتخاب کلام میر

☆ ڈاکٹر سید عبداللہ

☆ طیف نثر

☆ طیف غزل

☆ طیف اقبال

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7310797-7321690

پر لائز کی ہار یک سی لکیر بھی کھینچی اور ٹی روز کا
بھر پور اسپرے کر کے وہ قید آدم آئینے کے سامنے
کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی کہ کال بیل بج اٹھی،
بے ساختہ نگاہ دیوار گیر کھڑکی کی جانب اٹھ گئی، تو
لبوں پر مسکراہٹ دوڑ اٹھی فیصل کو آفس سے لے
گئے تھے میں آتا تھا اور ابھی سوا بھی نہ بجا تھا، یقیناً وہ
اپنی بائیک ہوا کی رفتار سے اڑاتا ہوا لایا تھا اس
نے ایک بھر پور نظر اپنے سر اے پر ڈالی تھی اور
کال بیل کے جواب میں بیرونی دروازہ کھول دیا
مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ کا فور ہو گئی،
زمین قدموں تلے سے سرکتی ہوئی سی محسوس ہوئی،
سامنے فیصل کی امی اور بہن راتہ موجود تھیں وہ
ساکت سی رہ گئی کہ انہیں سلام تک کرنا بھول گئی۔
”کیا ہوا بیٹی! خیریت تو ہے، تمہاری
طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ فیصل کی امی اس کے گم صم
انداز کو بھانپ کر بولیں تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔
”جی..... جی ہاں..... او..... نہیں تو.....
والسلام علیکم۔“

”اندرا آنے کو نہیں کہو گی بھابھی!“ راتہ
نے چپک کر کہا تو ماریہ نے پریشانی سے اس کی
شکل دیکھی، اب فیصل کی کسی بھی وقت آمد کا خطرہ
سر پر منڈ لا رہا تھا چاروٹا چار اٹھیں ڈرائنگ روم
میں بٹھا دیا۔

”دراصل تمہاری پسند کا ٹاپ لینا تھا، پھر
زیورات کا آرڈر دینا ہے تو سوچا تم سے ڈیزائن
پسند کروالوں، میری کل ہی فون پر تمہاری امی
سے بات ہوئی تھی، آج بازار جانا ہے تو.....“

”جی..... جی.....“ وہ غائب دماغی سے
جواب دیتے ہوئے مسلسل اس امر پر غور کر رہی
تھی کہ فیصل کو کیونکر روکا جائے۔

”جی میں آپ کے لئے کچھ لاؤں؟“ اس
نے باہر کا رخ کرنا چاہا تھا کہ فیصل کی امی نے اس

ماہنامہ حنا (225) اگست 2014

تھی، ماریہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور فیصل کی امی کے لہجے میں تضحیک اُڑائی۔

”ہاں..... میں..... اب تم کہہ دو کہ کھانا ہضم کرنے کے لئے ادھر کا رخ کیا تھا اور تم.....“ انہوں نے ماریہ کو ذلیل کر کے رکھ دینے والی نظروں سے دیکھا۔

”گھٹیا لڑکی! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شریف گھرانوں میں تم جیسی لڑکیاں.....“

”امی آپ غلط سوچ رہی ہیں؟“ فیصل نے بے تاب ہو کر کہا۔

”آنتی ٹھیک سمجھ رہی ہیں۔“ جانے کہاں سے اس میں اتنی ہمت آگئی۔

”جب لڑکی کسی الزام کی زد پر آتی ہے تو درمیان میں کہیں نہ کہیں آپ جیسے مرد کا کردار ضرور ہوتا ہے۔“ فیصل پر گھڑوں پانی پڑ گیا، اگلے

ہی لمبے وہ مڑا تھا اور تیز تیز قدموں سے گھر سے نکلتا چلا گیا، اس کے بعد فیصل کی امی کو کون روک سکتا تھا کہ وہ ماریہ کے کردار کو لے کر اس پر گھٹیا الزام نہ لگائیں، اس کے خاندان تک کو گھسیٹ کر

اس پر ناز یا کلمات سے نہ نوازیں، شاید وہ تو اسی وقت فکشن ختم کر دیتیں مگر ابھی تو انہیں ماریہ کے کارنامے کی بابت اس کے گھر والوں کو بھی آگاہ

کرنا تھا اور آج شام انہوں نے یہ حسرت بھی پوری کر لی، ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ فیصل اس کا

دفاع کرتے ہوئے اپنی ماں کے ذہن کی کثافت کو دور کرتا لیکن اگر وہ اس کی پوزیشن کلیئر کر کے اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اس منگنی کو برقرار بھی رکھتا تو

کیا وہ تمام عمر اپنے سسرال والوں کے سامنے سر اٹھا سکتی تھی اور اب دنیا کا سامنا کرنا کیا اتنا ہی سہل رہ گیا تھا، اس نے کرب سے اک کروٹ

لے کر سوچا اور دو آنسو پھسل کر اس کے ہکیے میں جذب ہو گئے۔

2014 اگست (226)

ماہنامہ حنا

کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔

”ارے بیٹا کچھ نہیں، تم یہ ڈیزائن دیکھ لو اور جو زیورات تمہیں پسند آئیں ان پر نشان لگا دو، ہاں مہر النساء نظر نہیں آ رہیں، ذرا انہیں بھی بلاؤ۔“

”جی وہ امی تو پھو بھی کے گھر گئی ہیں دراصل.....“ اسے اصل بات اگلی پڑی تو ان کے تپو رتکھے ہو گئے۔

”تو گویا تم گھر پر اکیلے ہو، حیرت ہے، مہر النساء اتنے آرام سے جوان جہان لڑکی کو گھر پر اکیلا چھوڑ گئیں، شاہاش ہے ان کی ہمت کو۔“

”وہ آنتی! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور ان کا جانا ضروری تھا۔“ اس نے لولی لٹلری

تاویل دی تو ان کی نظروں میں مسخراؤ آیا، خاصی بھرپور نظروں سے اس کے سج سنورے سراپے کو دیکھا تھا۔

”اچھا! لگتا تو نہیں ہے کہ تم بیمار ہو۔“ ان کی بات ٹھیک ہی تھی، ماریہ کا سراپا اس کے بیان کی بھرپور نقلی کر رہا تھا، اسی سے کال ٹیل بھی تھی

اور ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہوئی تھی، حوش نظروں سے دیوار گیر کھڑی کی دیکھا جو گھبراہٹ میں گیٹ کھولنے کے ارادے سے بڑھنے لگی مگر فیصل کی

امی کی گرفت اس کے ہاتھ کی کلائی پر پڑ گئی۔

”رائے! تم جاؤ تم گیٹ کھولو جا کر۔“ وہ جہاندیدہ خاتون تھیں، بہت کچھ تازہ گئی تھیں، مگر

گیٹ کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی، اگلے ہی لمبے فیصل اطمینان سے دروازہ کھول کر بے پروائی

سے بیٹی بجاتا انگلی پر کی چین گھماتا سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا آیا مگر اگلے ہی لمبے ساکت

رہ گیا۔

”امی! آپ.....؟“ فرد جرم عائد ہو چکی

ماہنامہ حنا

2014 اگست (226)



شگفتہ شاہ

بھکاری

کسی صحت مند فقیر کو بھیک دینا۔
کسی آفس، جاب پر ٹیوالے، چوکیدار کی مدد کرنا۔
کسی سفید پوش کو اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا نے والی ضرورتوں کے لئے قرض دینا۔
کسی قوم کو امداد دیتے رہنا۔
کا مطلب ہے کہ.....
عادی بھکاری بننا دیتا ہے۔

☆☆☆

موت

موت! کبھی.....
خوشیوں کا انت
کبھی غموں کا انت!

☆☆☆

خبر، کہانی

قتل کے ملزم کی ایک مرتبہ عدالت میں عدم حاضری پر اس سے باز پرس کی گئی تو ملزم نے جواب دیا کہ وہ اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے پیش نہیں ہو سکا جس پر اسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے

ملزم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”عدم حاضری پر ہم آپ کو جیل بھیج دیتے ہیں۔“

یہ سن کر ملزم مشتعل ہو گیا اور روتے ہوئے دیوار پر ٹکریں مارنا شروع کر دیں جس سے وہ زخمی ہو گیا، وہ دروازے کے کھد ہاتھا۔

”میں گزشتہ کئی سالوں سے اس عدالت کے روبرو پیش ہو رہا ہوں، میں ایم اے انگریزی کا ڈگری ہولڈر ہوں مگر پانچ سال سے بے روزگار ہوں کیوں کہ مجھ پر اس جھوٹے کیس کی وجہ سے کوئی مجھے نوکری دینے کے لئے تیار نہیں ہے حالانکہ آج تک میرے خلاف ایک بھی گواہ نے عدالت آکر گواہی دی ہے۔“

عدالت نے اس کا عذر قبول کرتے ہوئے عدم حاضری پر معافی دے دی۔

(روزنامہ جنگ، بدھ 7 مئی 2014ء)

☆☆☆

تعزیت

”ارے چھوٹی کوتو دیکھو رو رو کر ہلکان ہوئے جارہی ہے۔“

”نا بیٹا..... اتنا رونے سے مرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، مت رو۔“

”بڑی کوتو دیکھو، ہال ہے کہ ایک آنسو بھی پکا ہو۔“

ماہنامہ حنا (227) اگست 2014

شادی کرنا ہے، جو بہن بھی ہے، بیٹی بھی، بیوی بھی اور ماں بننے والی ہے، کہ باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں ہی اس کے اوپر اینٹوں اور پتھروں کو بڑھانا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ عورت لہولہان ہو کر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے، آس پاس پولیس بھی گھڑی ہے اور تماشا بین بھی موجود ہیں مگر کوئی پتھروں کو روکنے والا ایک ہاتھ بھی نہیں اور ”ایوان انصاف“ کے جج گھڑی ”انصاف کی دیوی“ ہاتھ میں ترازو پکڑے مسکراتی ہے، اس کی آنکھوں پر پٹا بندھی ہوئی ہے اور ایک آواز کہیں گونج رہی ہے۔

”انصاف اندھا ہوتا ہے۔“

☆☆☆

زندگی

جوانی نے زندگی سے کہا۔
”تم میرے بن کچھ بھی نہیں۔“
حسن نے کہا۔
”تم میرے بن بے رونق ہو۔“
روشنی نے کہا۔
”تم میرے بغیر اندھیری ہو۔“
علم نے کہا۔
”تم میرے بغیر بے توقیر ہو۔“
مقصد نے کہا۔
”تم میرے سوا ادھوری ہو۔“
زندگی نے مسکرا کے کہا۔
”میں ہوں تو تم سب بھی ہو ورنہ نہیں۔“

☆☆☆

”ارے بھئی مجھے چائے نہیں ملی۔“
”کھانا کھا لو بیٹا! مرنے والوں کو ثواب ملتا ہے، انھو شاپاش۔“

”ارے بریانی تو ادھر کرتا۔“

”بیٹھا اور لاؤ۔“

”سنا ہے کہ کوئی پرواہ ہی نہیں تھی گھر والوں کو مرنے والے کی۔“

”ہاں بہن سنا تو میں نے بھی ہے۔“

”پچھے کیا چھوڑا ہے اس نے؟“

”.....“

”.....“

”.....“

☆☆☆

سزا

اسلام نے لڑکی کی شادی کے لئے اس کی رائے لینے کا حکم دیا ہے۔

(سب رشتے دار، باپ بھائی اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں جمع ہوتے ہیں۔)

اسلام نے عورت پر بدکاری کا الزام لگانے پر چار گواہوں کو لانے کا حکم دیا ہے کہ وہ گواہی دیں کہ ایسا ہوا۔

(سب نے ”بدکاری“ کا الزام لگاتے ہوئے ہاتھوں میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے ہوئے ہیں۔)

اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے بہت احترام دیا ہے۔

☆

(جیسے ہی وہ عورت پیشی بھٹکا کر کورٹ کے احاطے میں آتی ہے، جس کا جرم اپنی مرضی سے

میں اور تعزیت کرنے والوں کے درمیان گھری
رہی جب کہ بھونگیں ماں کا زیور اور قیمتی اشیاء کو
قبضے میں لینے اور غائب کرنے میں مصروف
رہیں۔

جب باپ کی وفات ہوئی تو کفنِ دفن کی
رسومات کے فوراً بعد بیٹوں نے جائیداد کے
بخوارے کے لئے میٹنگیں بلائیں جہاں سارا دن
ان میں بحث و تکرار جاری رہتی اور پوتوں نے
دادا کے سوٹ، جوتوں اور گھڑیوں وغیرہ پر قبضہ کر
لیا جب کہ وہ سارا سارا دن باپ کی کتابوں اور
تحریروں کو سنبھال سنبھال کر رکھتی رہی کیونکہ وہ
بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔

بیٹوں نے اپنے اپنے حصے کا "ورثہ"
جائیداد اور زمینوں میں سے لیا جبکہ وہ اپنے شوہر
کے ساتھ بڑی بڑی لائبریریوں میں باپ کی
چھوڑی ہوئی کتابیں، فلمی نسخے اور..... اور تحریریں
ایک کارٹر باپ کے نام سے بخوانے کے لئے
پھرتی رہی اور بالآخر یہ کام کر کے ہی دم لیا۔
جب اس کے والد کے نام کا کارٹر ایک
بہت بڑی ناہور لاہوری میں بن گیا تو اس رات
اس نے بہت سکون کی نیند کی کہ اسے لگا کہ اس
نے اپنے والد کا قرضہ چکا دیا تھا۔

یہ ایک حقیقی اور معاشرے میں ہر سو پھیلی
ہوئی کہانی ہے پھر بھی ہمارے یہاں ماں باپ
بیٹیوں کی پیدائش پر تو اداس ہو جاتے ہیں اور
بیٹیوں کی تمنا کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ
"وارثہ" تو بیٹے ہی ہوتے ہیں۔
درست..... مگر کس چیز کے وارث؟ ذرا
سوچئے۔

تضاد

نیٹ پر لڑکیوں کے لئے لڑکوں کی طرف
سے دوستی کے لئے Request کی بھرمار۔
موبائل فون پر لڑکی کی آواز سن کر سارا سارا
دن لڑکوں کی طرف سے کالز، مسز کالز کا ایک
سلسلہ۔
گھر لڑکی کے لئے رشتہ ڈھونڈنے لگو تو دور
دور تک کوئی لڑکا دکھائی نہیں دیتا۔

☆☆☆

وارث

بھائی پیار بڑھی ماں کو یہ کہہ کر اس کے
گھر چھوڑ گئے۔
"گھر پر ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں ہو پارہی
کہ ہماری بیویاں یا تو نوکری کی وجہ سے مصروف
ہیں یا پھر نوسٹل لائف میں۔"

تب شادی شدہ ہونے کے باوجود اس
اکھوتی بیٹی نے اپنی پیار بزرگ ماں کو گھر میں رکھا
اور نوکری کے ساتھ اس کی دل و جان سے
خدمت کی یہاں تک کہ اس کے شوہر نے بھی
اسے اپنی ماں کا درجہ دیا کیونکہ وہ چھوٹی عمر میں ہی
ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا، وہی اسی کے
ساتھ ماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا اور دوسری
زمیداریاں بھاتا تو اس کی آنکھوں میں ہنر
گزارہی کے طور پر آنسو آ جاتے۔

جب ماں کی وفات ہوئی تو رسم کے مطابق
کفنِ دفن کی رسومات کے لئے ماں کا جنازہ
بیٹوں کے گھر سے اٹھا جہاں وہ تو دنیا و مافیہا سے
مبرا ہو کر ماں کے کفنِ دفن کی رسومات کی ادا نیکی

میا

مصنف: حامد سراج

تبصرہ: سیمیں کرن

کتاب نگار

ہے اور وہ چپکے سے کہتا ہے کسی کو خبر نہ کرنا، کس بات کی؟ یہی کہ مجھے لکھنا نہیں آتا، یہی، عجز اس کی شخصیت کا حسن ہے، بار بار مجھے محسوس ہوا ہے کہ اس کے قلم کا لہجہ اور اس کی آواز کی کھنک میں بے تحاشا مشابہت ہے۔

اور یہی عجز انکساری ماں کی محبت و عشق میں ڈوبی تحریر ”میا“ کے حسن کا راز بھی ہے، یہی عجز و انکساری اور درویشی آپ کو حامد سراج کے مزاج میں ملے گی جسے اپنے کام سے حرف کی توقیر سے لفظ کی حرمت سے عشق ہے اک ایسا ادیب جو حرف کی حرمت سے یہ مراد لیتا ہے کہ وہ رویہ بن جائے ان رویوں اور کیفیات کے ساتھ جب وہ تحریر کرتا ہے تو اس کی تحریر میں ادبی چاشنی سوز و گداز اور لطافت کا حسن موجود ہوتا ہے اور دلی کیفیت کو پورے طور پر زبان دینے کی قدرت۔

ماں اک ایسی ہستی سے کہ انسانیت اس کے سامنے سرنگوں، اس ہستی کو مختلف اشکال میں خراج تحسین پیش کیا جاتا رہا، بہت سے ادیبوں نے ماں کو نذرانہ عقیدت پیش کیا، ”میا“ کو بجا طور پر کسی بھی ادبی کاوش کے ساتھ تناظر میں رکھا جا سکتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے بھی ”ماں“ لکھ کر اک لازوال تحریر رقم کی، اسی طرح حنیف رائے بھی ماں کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوئے۔

مگر اس کے برعکس محمد حامد سراج کی ”میا“ کو دیکھیں، وہ کہیں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ یا ان کی ماں دنیا کی کوئی انوکھی ہستی

حامد سراج افسانے کی دنیا کا اک قد آور اور معتبر نام اور جس نے دنیائے ادب میں ”وقت کی فصیل“ برائے فروخت، چوب دار اور آشوب گاہ، جیسی تصانیف کا اضافہ کیا اور ان تمام کتابوں کو یکجا کر کے ایک ادارے نے ”مجموعہ حامد سراج“ میں منتقل کر دیا، مگر حامد سراج کی تمام تخلیقات ایک طرف اور ”میا“ کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے، ”میا“ لکھ کر محمد حامد سراج نہ صرف یہ کہ اک ادبی شہ پارہ لکھنے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ وہ آنسو ہیں، وہ ہڈ بٹتی ہے جو ہر خاص و عام کو اپنی محسوس ہوتی ہے جو ہر آنکھ روئی ہے، اک ایسا ادبی شہ پارہ جو خاص ہو کر بھی عوام کی دھڑکن بنے یقیناً اک مقدس صحیفہ بن جاتا ہے اور ماں ”میا“ تم اک آسمانی صحیفہ ہی تو ہو جب تک زمیں پر رہتی ہو اور تب بھی جب تم تہہ خاک ہو کر سو جاتی ہو تمہیں تمہارے وجود کے ٹکڑے ورد زبان رکھتے ہیں اور اسی ورد کی شکل میں ”میا“ تخلیق ہوتی ہے۔

”میا“ پر سائرہ غلام نیما اگر یہ کہتی ہیں تو بجا کہتی ہیں۔

”ماں کی محبت کے رومان نے ”میا“ کو کس درجہ تقدیس دی ہے کہ حامد کی ماں صرف اکلوتے بیٹے کی ماں نہیں رہی بلکہ اک جہاں کی ماں بن گئی ہے۔“

محمد حامد سراج کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں۔

”ایسی زندگی جو خود اسے بھی حیران کرتی

ماہنامہ حنا (اگست 2014)

تھیں مگر اس مکالمے میں ماں کی محبت عظمت اور کردار خود بخود واضح ہوتا چلا جاتا ہے، یہ تو دراصل اپنے دل کے زخموں کی روداد ہے، یہ تو اک خود کلامی ہے مکالمہ ہے خود سے اک جذب کے ساتھ اک بے دھیانی میں، بکراہ ہے جو شر کو نظم کرتی ہے۔

دیکھئے۔

ماں اتنا تو یاد نہ آیا کرو۔

میرا وجود ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔

مجھے اپنے ٹکڑے خود ہی چننے اور جوڑنے

ہوتے ہیں۔

کوئی ٹکڑا اپنی جگہ نہ بیٹھے تو اندر کوئی روتا ہے، باہر کوئی ہنستا ہے، ان اندر باہر کے موسموں نے مجھے کھوکھلا کر دیا ہے۔

کیا یہ سطور نثری نظم نہیں محسوس ہوتیں، کیا حامد سراج نے ماں سے محبت و جدائی کی پوری کہانی ان سطور میں نہیں بیان کر دی؟

ڈاکٹر خورشید شاہ قاسم "میا" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میا خود کلامی اور مکالماتی تکنیک میں لکھا گیا خاکہ ہے، تقلیب کی تکنیک تحریر میں دل آویزی تخلیق کرتی ہے، تقلیب کا عمل رشتوں اور رابطوں کا عمل ہے جس میں ذہن ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف یا دوسری سے تیسری چیز کی طرف متقلب ہوتا چلا جاتا ہے، خاکہ نگار نے اس خاکے میں تقلیب کی تکنیک سے بھی استفادہ کیا ہے۔"

اسی طرح مظہر حسین "میا" پر یوں رقم طراز ہیں۔

"میا" کو اگر فطری و فنی میزان پر پرکھا جائے تو یہ کثیر الجہات ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر محبت، فلسفہ محبت اور تصوف کا اک معنی

خیز جہان آباد کیے ہوئے ہے اور جس کا ہر پہلو دوسرے سے فزوں تر ہے اسے آپ خاکہ ناولٹ افسانہ، داستان، آپ بیتی، پتہ محبوبیہ، مونثاڑ، بری لوڈ، پارپی، غرضیکہ کچھ بھی کہہ لیں آپ کے فہم کو خوش آمدید کہے گی۔"

"میا" کا مطالعہ جس نے کیا اشک بار آنکھوں سے کیا اور جب میری نظروں سے حامد سراج صاحب کا یہ فن پارہ گزرا تو وہ سب متحند آنسو بس دل پر گرتے رہے کہ ماں کی جدائی اور بیماری میں یہ آنکھیں اشک بہا بہا کر خالی ہو گئیں تھیں جیسے، اس کتاب کا حسن کہ ہر نظر ہر دل کو اپنا آپ آئینہ ہوتا نظر آئے گا اپنی ماں اپنا درواپا جدائی اور اشکوں کی برسات۔

"میا" حامد سراج کی وہ آپ بیتی ہے جو ماں کی بیماری اور ابدی جدائی میں رگ جاں پر بیت گئی، دیکھئے کچھ مثالیں۔

"ماں میری آنکھوں میں تمہاری آنکھیں آج بھی زندہ ہیں، تمہاری آنکھوں میں وہ کیسی زردی تھی، اب تو سارے موسم زرد اور اداس ہیں۔"

اور ماں کی ابدی جدائی کی آہٹ محسوس کر کے دل کو کیسے دسو سے گھیرتے ہیں۔

"کیا آنے والی سردیاں ماں کے بغیر گزارنا ہوں گی؟ ماں نہیں ہوگی تو کیا یہ جرسیاں مجھے سرد موسموں کے عذاب سے بچالیں گی؟ کیا جرسیاں کی گود کا بدل ہو سکتی ہے؟"

ماں کو جگر کے Tripple by pass operation کے بعد دیکھا سارا بدن مختلف پلاسٹک کی ٹالیوں سے پرویا ہوا تھا، اک بیٹے کے دل پر قیامت بیت گئی۔

"میری ناک میں لگی پلاسٹک کی ٹالی سے رطوبت رستی تھی، یہ سرجن نے کیا کر دیا، میرے

ماہنامہ حنا (231) اگست 2014

بدن کو کیوں.....؟

ہیں، ماں پاکستان ایٹمی قوت بن گیا ہے کیا پاکستان نے بھی ایٹمی دھماکے کر دیے، ماں ویسے ہی نہیں کر دیے ہندوستان کے پوکھران کے دھماکوں کے جواب میں کیے ہیں، اچھا، ماں نے صرف اتنا کہا اور خلاؤں میں کھو گئی، چند ہی گھنٹے گزرے ہوں گے کہ مجھے بلایا اور کہا بیٹا نواز شریف کو فون کرو اور کہو کہ اگر جنگ ہو تو ہندوستان پر ایٹم بم بالکل نہ پھینکے، ماں فکرنہ کرو ہماری قیادت اتنی ناقص اندیش نہیں ہے پھر بھی بیٹا آنے والے وقت کے بارے کیا کہا جا سکتا ہے امریکہ نے بھی تو ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینک دیا تھا اسے کوئی روک سکا ہے، ماں وہ امریکہ ہے، زیادہ باتیں نہ بناؤ اور نواز شریف کو فون کرو، رات میں ماں نے مجھے پھر بلا کر پوچھا، نواز شریف کو فون کر دیا ہے؟

کیا ان مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر احساس نہیں ہوتا کہ ”میا“ کسی آفاقی کردار میں ڈھل گئی ہے وہ ممتا کی علامت بن کر ابھری ہے، جس کے دل میں سرحد پار بھی اپنے بچوں کا درد مقیم ہے؟ بلاشبہ ”میا“ اردو ادب میں اک درخشندہ و تابندہ ستارہ ہے۔

☆☆☆

ان مندرجہ بالا مثالوں کو ملاحظہ کیا، کیا ان سطور میں ماں کا اک حد سے زیادہ حساس دل بیٹوں جیسا نگہ اور ہمدردی اور حساس بیٹے کا کردار نکھر کر سامنے نہیں آتا، بیٹے جو ماؤں سے پیار تو بہت کرتے ہیں مگر اکثر اپنے اکثر بن میں چھپائے پھرتے ہیں اور عموماً جنت کے کم شدہ ہونے کے بعد ہی احساس کی حدت کو چھوتے ہیں مگر حامد سراج کے یہ دوسرے یہ خدشے یہ احساس کی شدت کیا نسائی احساس سے نہیں ملاتی؟ ہم یہی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ میا خوش نصیب ماں تھیں جو حامد سراج جیسے بیٹے کی ماں تھیں۔

تشبیہات استعاروں سے بھی دل پذیر تحریر اشک اشک پر دلی تحریر اپنی ماں کو ڈھونڈتی ہوئی۔

”ماں اب زندگی کے کنویں میں جھانکتے ہوئے خوف آتا ہے، ٹانگی رہی نہ داوی اماں، ہسپتال کی گاڑی کھو گئی وقت کا پانی جانے کہاں بہہ گیا، پائون کے درختوں کے اس پار جو ہسپتال کی عمارت ہے، اس میں میری ماں میری منتظر ہے، اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔“

حامد سراج جو کہ گمشدہ ٹانگی اور ہسپتال کی گاڑی کے کھو جانے پر افسردہ ہے ایسے حساس دل پر ماں کی جدائی نے جو قیامت ڈھائی اس قیامت بھرے درد کے بعد ہی ”میا“ تخلیق ہو سکتی تھی، ہر تخلیق درد تو مانگتی ہے۔

”میا“ کی حساسیت ہی حامد سراج جیسا بیٹا جنم دے سکتی تھی، دیکھئے ماں احساس کی کس شدت پر تھیں۔

”ماں نے مجھے بلایا اور پوچھا، یہ بچے شور کیوں کر رہے ہیں اور خوشی کس بات کی منار ہے

ماہنامہ حنا (232) اگست 2014

بقیہ سروے

نئے کپڑوں میں بھی سجائی گز یا بنی بخار کی حدت سے تھمتاتا چہرہ لئے وہ اپنے پیارے بھائی کے کاندھے پر سر رکھے اس کے بازوؤں میں کٹھن آنکھوں میں اشتیاق لئے بازوؤں کی رونقیں دیکھتی ہے اور سوچ رہی ہوتی ہے کہ اگلے سال عید پر وہ بیمار نہیں ہوگی اور بھائی کو نہیں تھکائے گی بلکہ خود سے ہر جگہ گھومے گی، وہ چھوٹی لڑکی حمیرا خان ہے اور اسے گود میں اٹھائے اس سے عمر میں ٹھوڑا ہی بڑا اس کا بھائی عامر خان ہے، میرے بچپن کی عیدوں میں دو عیدیں جب پہلے پہل روزے رکھنے شروع کیے (جبکہ روزہ فرض ہونے کی عمر ابھی دور تھی) روزے تو دو چار ہی رکھے جاتے تھے لیکن باقی کارمضان اور عید کا دن بخار کی نظر ہو جاتا اور ان عیدوں میں عامر بنا میرے کہے مجھے اٹھائے سارا بازار گھماتا شاید اسے میرے چہرے پر چھائی اداسی اچھی نہیں لگتی تھی جو دوسرے بچوں کو باہر آتے جاتے دیکھ کر خود بخود میرے چہرے پر آنکھ بھرتی تھی، جانے اتنی چھوٹی عمر میں وہ چہرے کیسے بڑھ لیتا تھا، شاید اسے یہ بات یاد بھی نہ ہو مگر ان عیدوں کو یاد کر کے آج بھی عامر کے لئے میرا دل محبت اور شکر گزاری کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

ارے یاد میں نے تو آپ لوگوں کو بھی جذباتی کر دیا چلیں کچھ اور باتیں کرتے ہیں تو جناب بات ہو رہی ہے عید کی تیاریوں کی تو سب سے پہلے یہ بتا دوں کہ میں شاپنگ کرنے کے معاملے میں اول درجے کی لکھی

بناہ رونق سے ختم ہو جاتی ہے، مجھے میکے میں ہمیشہ عید کے دوسرے روز کا انتظار رہتا تھا، لگ جاتے ہیں بشرطیکہ ٹرین لیٹ نہ ہو، مگر میں ہمیشہ پائے روڈ سفر کرتی ہوں۔ عید پر گھر کی سیشل تزیین و آرائش نہیں کی جاتی کیونکہ ہم دو سال پہلے نئے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں، عید کی سیشل ڈش ہمارے ہاں دال چاول (ناشتے) میں تیار کی جاتی ہے، دوپہر میں روٹ اور ڈنر میں چاول گوشت۔

قارئین یہ رہی میری عید کا خصوصی اہتمام، اس میں کچھ بھی خاص نہیں ہے، مگر میری ہر عید یونہی سادگی دلہنی خوشی گزرتی ہے، میری طرف سے سب کو دوبارہ عید مبارک۔

حمیرا خان.....شاہ کوٹ

میں ہمیشہ اس موضوع پر لکھنے سے کتراتے رہی ہوں کیونکہ میرے پاس چٹ پٹے کھانوں کی تراکیب کی بجائے محبت بھرے جذبات سے لبریز کچھ یادگار لمحے ہیں سوچتی تھی یہ لکھنا ٹھیک رہے گا کیا؟ مگر جب فوریہ آپ کی کاغذ آیا تو میں منع نہیں کر سکی کچھ لوگ اتنے پیارے اور اتنے اپنے لگتے ہیں کہ ہم انہیں کسی بھی بات کے لئے منع نہیں کر پاتے سو آج میں یہ باتیں آپ سب دوستوں کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں، جب بھی میں لفظ ”عید“ سنتی ہوں میرے تصور کے پردے پر کچھ اصول لمحے مناظر کی صورت جھلکنا بنے لگتے ہیں جن میں سب سے پہلے منظر میں ایک چھوٹی بچی ہوتی ہے

ماہنامہ حنا (233) اگست 2014

لڑکی ہوں عام طور پر میری یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی میرے لئے سب کچھ خرید کر لا دے (اور یہ کام میری پیاری بہنیں کرتی ہی رہتی ہیں) لیکن ایسا بھی نہیں کہ مجھے شاپنگ کا شوق نہیں لڑکی ہونے کے ناطے یہ جراثیم مجھ میں بھی یقیناً پائے جاتے ہیں، اصل میں بات بس یہ ہے کہ میں حد سے زیادہ موڈی ہوں شاپنگ کا موڈ بن جائے تو بلا ضرورت بھی کر لیتی ہوں موڈ نہ ہو تو بہنوں پر یہ ذمہ داری ڈال دیتی ہوں (سب سے چھوٹی بہن ہونے کا کچھ تو فائدہ اٹھانا چاہیے نا کیا خیال ہے؟) ہاں البتہ چوڑیاں، نل پالش، لپ اسٹک اور شووز میں اپنی پسند سے عینیتی ہوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ان چیزوں کی شاپنگ کرنا زیادہ پسند ہے۔

بہت سے لوگوں کو کہتے سنا تھا عید تو بچوں کی ہوتی ہے اگرچہ میں اب بھی اس بات سے پوری طرح متعلق نہیں ہوں کیونکہ میں بچتی ہوں یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ جاتے لمحوں سے اپنے لئے کتنی خوشیاں چراتا ہے عمر کی اس میں خاص اہمیت نہیں مگر پھر بھی آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ صبح صبح آنکھیں ملتے ہوئے مہندی لگے ہاتھوں کو اشتیاق سے دیکھنا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا، عید کی صبح تیار ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا، تیار ہو کر خود کو بہت خاص محسوس کرتے ہوئے رشتے داروں اور دوستوں کے گھر سویاں پہنچانا اور عیدی لے کر بازار جانا جھولے لینا وہ سب اب نہیں لوٹ کر آتا اور ایسے ہر موقع پر ناصر (بڑے بھائی) کا ہر لمحے کو کمرے میں قید کر لینا وہ سب اب

پرانی باتیں بن گئی ہیں کہ پرندے بڑے ہو کر الگ الگ سمتوں میں اڑان بھر چکے ہیں اب سب کا اکٹھے ہونا ممکن نہیں ہو پاتا۔ یہ گئے دنوں کا ذکر مگر یہ گئے دنوں کی بات ہے میرے بہن بھائیوں کے بٹنا میری عید بھی اب اداس ہے ہاں اس بار عید پر چھوٹی باجی اپنے بچوں (جن کو میں پیار سے جن بھوت کہتی ہوں) سمیت ہمارے ساتھ ہوں گی تو عید کا مینو بھی ان کے ساتھ مل کر ہی طے کیا جائے گا البتہ ایک آسان مگر مزیدار چیز کی ترکیب بتانا چاہوں گی۔

پوٹینو بالٹر

چھوٹے سائز کے آلو لے کر انہیں اچھی طرح ابال لیں، تھوڑا سا تیل لیں اور اس میں نمک مرچ، سوکھی میتھی (پاؤڈر) حسب ذائقہ ڈال لیں اب ابلے ہوئے آلو اس آمیزے میں ڈبو کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں اور پھر فرائی پین میں تھوڑا تیل لیں اور انہیں فرائی کر لیں لیجئے جناب مزیدار پوٹینو بالٹر تیار ہیں اسے دہی پودینے یا انار دانے کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیے اور خوش ہو جائیے۔

اس سروس کے ذریعے میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو میری تحریر پڑھتے ہیں اور پھر ان پر اپنی رائے دے کر میرے الفاظ کو اور خاص بنا دیتی ہیں اور مجھے لکھنے پر اکساتی ہیں آپ سب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ اور سب کو بہت بہت عید مبارک اپنا بہت خیال رکھیے اور مجھے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھئے گا شکریہ۔ ☆☆☆

حاصل مطالعہ

تصریح مسمودہ

گے، میں ان کو بخشتا رہوں گا۔

روینہ خان، سایہ وال

روزی دینے والا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو خوف خدا اور تعلیم شریعت کے سبب آپ کے سنے کی ہڈیوں سے اس قدر چرچاہٹ کی آواز نکلتی کہ لوگ اس آواز کو بخوبی سن لیتے، ایک دن حضرت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے حضرت سے پوچھا۔

”اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟“

حضرت نے فرمایا۔

”مختبر و میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔“

مجم شہید، سکھر

انمول باتیں

☆ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ جہاں سے گزرو پھول برساتے جاؤ تاکہ تمہیں اپنی واپسی پر بڑا سا باغ دکھائی دے۔

☆ اپنی پہلی بازی جیتنے کے نشے میں دوسری بازی ہارنا بڑی ہے

☆ زندگی ایک ٹکٹن سفر ہے جس کی منزل موت

القرآن

ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ممکن نہ سکو بے شک اللہ بخشے والا مہربان ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔ (کل۔ ۱۸، ۱۹)

☆ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔ (عنکبوت۔ ۳۳)

☆ اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو، اس کے بعد ساتھ سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفات) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (لقمان۔ ۲۷)

رضوانہ عمران، فیصل آباد

استغفار

حضرت ابو سعید رضوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

”جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا، جب تک ان کی رو میں ان کے جسموں میں رہیں گی۔“

☆ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا! کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں

ماہنامہ حنا (235) اگست 2014

☆ عورت شادی صرف بیوی بننے کے لئے نہیں
بلکہ ماں بننے کے لئے بھی کرتی ہے۔ ماں
بننا عورت کی فطرت اور شادی کر کے بیوی
بننا اس کا تقدض ہے۔

شاہینہ یوسف، عمرکوٹ

نماز کی قدر

حضرت حسنؑ نے فرمایا کہ نماز کی تین
خصوصی عزتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے
تو اس کے سر سے آسمان تک رحمت الہی گھٹا
ہو کر چھا جاتی ہے اور اس کے اوپر انوار
بارش کی طرح برستے ہیں۔

دوسری یہ کہ فرشتے اس کی چاروں طرف جمع
ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے گھیرے میں
لے لیتے ہیں۔

تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے
نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون
ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی
قسم تو قیامت تک اسلام نہ چھوڑے۔

نازیہ عمر، پشاور

انکسار طبعی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرانے عادت
نہایت گونہ تھے اور نہ بہ مختلف سخت ہتے تھے
اور نہ بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے
والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے
تھے۔ بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ غایت حیا
تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کسی
مرد کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی
عورت کی بات کا اگر کسی ضرورت مند سے
ذکر کرتا ہی نہ تھا تو اشارہ فرماتے تھے۔

ابن رضوان، فیصل آباد

جذبہ سعی

کہتے ہیں کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ
جلائے کے لئے ایک خوفناک آگ کا اہلکار مقرر
کیا تو چشم فلک نے دیکھا کہ ایک ننھا ابا بیل
چونچ میں دو قطرے پانی کے دہائے بڑے خطرہ
کے عالم میں آگ کی طرف اڑا جا رہا ہے کسی نے
پوچھا۔

”میاں اتنی بے تابی کے ساتھ کہاں کا
ارادہ ہے؟“

بولد۔ ”نمرود کی آگ بجھانے جا رہا ہوں۔“
”کہا۔“ اے نانا سمجھ پرندے کیا پانی کے یہ
چند قطرے جو تیری چونچ میں ہیں، نمرود کی آگ
سرد کر دیں گے؟“
ننھا ابا بیل بولا۔

”مجھے معلوم ہے کہ میری یہ کمزور سعی اس
سلسلے میں کچھ بھی کام نہ دے گی لیکن ایک اور
بات جو مجھے معلوم ہے وہ یہ کہ نمرود کی آگ
بجھانے والوں کی قبرست بنائی جائے گی تو اس
میں میرا نام بھی شامل کیا جائے گا۔“

مہنا زفاطمہ، خوشاب

غیر مسلم مفکرین کے اقوال

ہذا تمام انسانی عادات کا آغاز نہایت ہی حقیر
ابتداء سے ہوتا ہے اور ایک غیر محسوس رفتار
کے ساتھ یہ نقش رفتہ رفتہ گہرا پڑ جاتا ہے۔
چشمہ سے پہلے نہایت ہی باریک سی احبار
نمودار ہوتی ہے جتنے جتنے آگے نکل کر یہ
چشمہ نالہ بن جاتا ہے اور آگے بڑھ کر نالہ
سے دریا بن جاتا ہے۔ پھر یہ عظیم الشان دریا
بہہ کر سمندر میں جا ملتا ہے۔ (پارمین)

دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایسا نہیں ہے جو
انگریز لوگ نہ کرتے ہو لیکن آپ انہیں بھی
غلطی پر نہ پائیں گے۔ وہ ہر کام کی اصول
کی بنا پر کرتے ہیں تو کاروباری اصولوں کی

ماہنامہ حنا (236) اگست 2014

گا.....!!!

مراسلہ فرح راؤ، کینٹ لاہور

ماں

- ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
- ماں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔
- ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔
- ماں کی اصل خوبصورتی اس کی محبت ہے۔
- ماں دنیا کی خوبصورت ماں ہے۔
- ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان ہے۔
- ماں کی آغوش انسان کی پہلی درس گاہ ہے۔
- ماں کی زندگی تاریک راہوں میں روشنی کا چراغ ہے۔
- ماں سے بڑھ کر کوئی بڑا استاد نہیں۔
- ماں کی دعا کامیابی کا راز ہے۔
- ماں دنیا کی عزیز ترین ہستی ہے۔
- ماں کی محبت پھول کی طرح تر و تازہ اور لطیف ہے۔
- ماں کی دعا عرش پر جاتی ہے۔

کوئٹہ رفیق، لاہور

چمکتے موتی

- ☆ جس طرح چمک کے بغیر موتی کسی کام کا نہیں
- ☆ اسی طرح خوش خلقی کے بغیر آدمی کسی کام کا نہیں۔
- ☆ آرزو نصف زندگی ہے اور بے کسی نصف موت۔
- ☆ اگر انسان کو اپنی موت کے بارے میں یقین ہوتا کہ وہ کس وقت متعین ہے تو انسان متعین کردہ موت سے پہلے ہی مر جاتا۔
- ☆ دشمن اگر دوست چمکی بن جائے تو اس پر بھروسہ مت کرو کیونکہ پالی کو چاہے کتنی ہی گرم کیوں نہ کیا جائے وہ آگ بجھانے کے لئے کافی ہے۔

آمنہ کاظمی، حافظ آباد

☆☆☆

بنا پر کسی کو غلام بناتے ہیں تو سلطنت کے اصولوں پر۔ (برنارڈ شاہ)

☆ آپ بعض لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنا سکتے ہیں یا تمام لوگوں کو کچھ عرصے کے لئے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ تمام لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنائے رکھیں۔ (نیکلن)

نبیل نعمان، گھبرگ لاہور

اچھے لوگ کہاں کھو گئے

کہیں پڑ چکا تھا کہ وقت نہیں بدلتا ہم بدل جاتے ہیں۔ واقعی یہ آنا جانا، چھڑنا، ماننا لگا رہتا ہے۔ ہر روز کام ویسے ہی ہوتے ہیں سورج ویسے ہی اٹھتا ہے جیسے روز اٹھتا ہے لیکن بعض اوقات سب کچھ وہی ہوتے ہوئے بھی سب کچھ بدلا ہوا لگتا ہے اس لئے کہ جیسے باہر ایک دنیا ہے ہمارے اندر بھی تو ایک دنیا ہے۔ باہر کی دنیا تو ہمیشہ سے ایک جیسی ہے ایسے ہی رہے گی لیکن اندر کی دنیا خوشی، غم، ملن اور جدائی سے بدلتی رہتی ہے۔ بھی نام کسی سے ملتا ہے کسی کو پا کر بہت خوش ہوتے ہیں لیکن پھر پتہ چلتا ہے کہ ملن کا یہ عرصہ تو بہت کم ہے۔ ہمیشہ جدا ہونا ہے بھی نہ ملنے کے لئے تب دل پر کیا بیٹتی ہے، وہی جان سکنا ہے جو اس کرب سے گزر رہا ہو ہم لاٹھ اس سے دور نہ ہونا چاہیں لیکن وقت اور حالات ہمیں اس سے دور لے جاتے ہیں اور یہی دوری ماضی بن جاتی ہے اور یاد آنے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کرب ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اور یہ سوال دل میں اٹھتا ہے کہ ہم اچھے لوگوں سے دور کیوں ہو جاتے ہیں کیوں اچھے لوگ پہلے ملتے نہیں اور ملتے ہیں تو ایک جھلک دعا کرنا تب ہو جاتے ہیں اور ہمارے دامن میں صرف اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کب تک ہوگا؟ کیا ہمیشہ.....؟ شاید ہاں اور شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کب تک ہوتا رہے

بیاض

نسبہ طالع

زرین اطہر ----- راہ پندی
شام ہوتے ہی پرندے تک چٹ آتے ہیں
تیرا رشتہ یونہی سندان پڑا رہتا ہے

اب اس قدر بھی تکلف نہ روا رکھا کر
ہم سے منہ سے تو پہلی سی ادا رکھا کر
دنیا بچ لے نہ کہیں آنکھ سے اشکوں کے حروف
ہم کی تحریر کو دل میں ہی چھپا رکھا کر

میں اس کی ذات میں کھوئی ہوئی ہوں
زمانے میں وہ مجھ کو ڈھونڈتا ہے
مجھے معلوم ہے وہ میں ہی ہوں امیر
اکیلے میں وہ جس سے بولتا ہے

حنا حشام -----
کر گئیں برہادر جو اپنی جوانی دنیاں
باجا کیا کہیں تجھ سے وہ دنیاں
دلیر سے باہر قدم رکھنے سے پہلے سوچ لو
ہن بھی جانی ہیں کہیں کبھی دنیاں

لب خاموشی سے اظہار تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصور کا جبر چاہیں
تو چے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں تجھے تنہا چاہیں

سعدیہ عمر -----
رزق کی خاطر زمیں کھودی مگر پتھر ملے
اور ادھر پتھر میں کیڑے کو غذا ملتی رہی

عرش سے جج کی ہدایت بارہا ملتی رہی
ہم جو جج بولے تو کیوں اس کی سزا ملتی رہی

جس دل میں غم نہیں ہوتا
روز اس کی عید ہوتی ہے

حالات کی ہر غلطی ہمیں کر سہ جائیں گے
بھی تم جو ملے ہم سے ہم عید منا میں گے

آج عید کل عید صبح عید شام عید
خدا کرے تیرے لئے ہم لمحے کا ہو نام عید
زاہد ورشید ----- راہ پندی

کوئی آہٹ نہ صدا ہے مجھ میں
کون خاموش ہوا ہے مجھ میں
اک جہاں دیکھ رہا ہے مجھ کو
کون آئینہ بتا ہے مجھ میں

آپ بے ل کی کتاب کیا جائیں
کیسے زمین ہیں باپ کیا جائیں
تیری بیٹھی نظر کی ہستی کو
سارے اہل شراب کیا جائیں

ڈاکٹر واجد گلگونی -----
ہم خاک آئینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
دل شکست نے دم مرگ یہ ہمیت کی تھی
اب رضوان ----- فیصل آباد

تم اس عید پر بھی نہ آؤ گے تو کیا ہو گا
تم پھر دل دکھاؤ گے تو کیا ہو گا
پار کرنے کو ہم کب کہتے ہیں
تم بھول جاؤ گے تو کیا ہو گا

خدا کرے یہ عید تم کو اس آئے
تو جس سے مانا چاہے وہ خود تمہارے پاس آئے

ماہنامہ حنا ○ اگست 2014

مہرونہ نصیر -----
تعلق توڑتی ہوں تو مکمل توڑ دیتی ہوں
جو مجھ کو چھوڑ دے میں اس کو چھوڑ دیتی ہوں
یقین رکھتی نہیں میں کسی کے تعلق کا
جو دھماکے لڑنے والا ہو اس کو توڑ دیتی ہوں

وفا کا سندس لے کر تیرے آئین میں
گواہ رفاقتوں کا بن کر ہلال عید

تجھ سے چھڑے ہوئے برسوں سے
کہنا سے بھی آج ہمیں
ماٹکنا بھول نہ جانا ہم کو
چاند کو دیکھ کر گر ہاتھ اٹھیں
لاہہ رضوان ----- فیصل آباد

احباب پوچھتے ہیں بڑی سادگی کے ساتھ
اب کے برس میں عید مناؤں تو کس طرح
چھڑے ہوؤں کی یاد میں آنکھیں اداس ہیں اے
صبح عید گھر کو سجاؤں تو کس طرح

یونہی ختم ہجر کا باب ہوئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہوئے سال میں
بھی یوں بھی ہو تو مجھ سے آٹے
گئے رت جکوں کا حساب ہوئے سال میں
امرت ملک ----- رحیم یار خان

عید کا چاند تیری دید کی صورت نکلتے
میری آنکھوں میں تیرے نام کے جتنو چمکے
یہ میری عید تیری دید سے فروزاں ہے
میرے انگ انگ میں تیرے پیار کی خوشبو چمکے

روشن روشن دن ہو سارا روشن تر ہو رات
ہر جانب عید کے دن ہو خوشیوں کی برسات
تمام روز یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب ، شب برات ، ہر روز روز عید ہو

بکھر رہی ہو تری یادوں کی خوشبو جسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ ہر بار مجھے لگا تو ہو جیسے

چارکیاں قبول ہیں لیکن کبھی کبھی
آئین میں میرے چاند بھی اتر کرے کوئی
مازیہ خان ----- گوہرانوالہ

آج تک ہے دل کو اس کے لوٹ آنے کی امید
آج تک ہے ٹھہری ہوئی زندگی اپنی جگہ
اکھ چاہا ہم نے کہ تجھے بھول جائیں مگر
حوصلے اپنی جگہ ہیں بے بسی اپنی جگہ

نوٹ جائیں گی دل کی رکیں کسی دن دیکھنا
ہر گھڑی ظالم انا کے فیصلے نہ مانا کر

ہماری سوچ کی پرواز کو روکے کوئی نہیں
نئے افلاک کی سوچ پر پہرے بٹھا کر کچھ نہیں مٹا
ہر چہرہ ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
ہر چہرہ بھی دوستوں کو آزما کے کو کچھ نہیں مٹا
مازیہ ایس شیخ ----- سیالکوٹ

مجھ کو ایک خواب پریشاں سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ بچا عید کا چاند
آنکھ نہم کر گیا چھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کے ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

جاتا ہے دور دور تک تم کو ڈھونڈنے
اک راستہ ہمارا سمندر کے ساتھ ساتھ
گم نام ہو گیا ہے سفر ایک تیرے بنا
جیون لگے ادھارا سمندر کے ساتھ ساتھ

کسی کی یاد میں پلکیں ذرا بھگو لیتے
اداس رات کی تنہائیوں میں رو لیتے
دکھوں کا بوجھ اکیلے نہیں سنبھالتے
کہیں وہ ملتا تو اس سے لپٹ کے رو لیتے

ماہنامہ حنا (29) اگست 2014

تمہاری آنکھیں یوں ہمیں اجنبی کہہ جائیں گی
معلوم شاہ ----- لاہور

اوسبوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی ہلکوں یہ ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکنا سنبھال کے تم چند خوشیاں میرے لئے
میں لوٹ آؤں گا پھر عیدیں منا میں گے

خوشیاں لے کر آ رہا ہے تہوار
دن بھی آتا نہیں بار بار
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا شہسب مل جائے پیار

دیکھا ہلال عید تو آیا تیرا خیال
وہ آسمان کا چاند ہے تو میرا چاند ہے
علینہ طارق ----- لاہور
شام تک اسی لئے دروازہ کھلا رکھا ہے
شاید وہ کہنے آ جائیں عید مبارک

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

یوں تو عید آتی ہے ہر سال اے دوست
گزرے جو تیرے ساتھ ہو جائے امر عید
نازیہ عمر ----- پشاور
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا مل جائے شہسب پیار
خوشیاں لے کر آ رہا ہے یہ تہوار
یہ دن بھی آتا نہیں ہے بار بار

☆☆☆

زندگی کرنے کا فن خود سیکھا ہی نہیں
اور سارے الزام خدا پر دھرتا ہوں
غیر اکرام ----- حافظ آباد
لوٹ آئی ہے میری شب کی عبادت خالی
جانے کس عرش پر رہتا ہے خدا شام کے بعد

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنکھ بھی اس ہار سے بنتا ہے کفن بھی

قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے
چند لکیریں ہیں ورنہ ہاتھوں میں کیا رکھا ہے
میر احسن ----- مظفر گڑھ
قرتیں بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دور کا رکھنا
تعلقات بھی ایک سے نہیں رہتے
اتے گنوا کے بھی جینے کا حوصلہ رکھنا

مجھے یقین تو نہیں مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جینے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی باہر سکتی ہوں
کوکب ریش ----- لاہور

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی
تیرا چکر تیری خوشبو تیرا لہجہ تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

کوئی کہہ دے یہ محبت کے خریداروں سے
پیار وہ شے نہیں جو ملتی ہے بازاروں سے
ام فاطمہ ----- لاہور

وقت کی طمانیں یوں ہاتھ سے چھٹ جائیں گی
سوچا بھی نہ تھا کہ یہ کھڑیاں یوں چلی آئیں گی
جب ہم تمہاری آنکھوں میں شناسائی کی چاہ لے



بلفیس ہسٹری

وجہ حیرت

دفتر جاتے ہوئے ایک راہ گیر نے دیکھا کہ ایک شخص زمین سے کان لگائے لیٹا ہوا تھا۔ وہ تجسس کے مارے اس شخص کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص بڑبڑایا۔

”ہرے رنگ کی سنڈا کارڈ ادھیر عمر شخص چلا رہا ہے۔ کراچی کی نمبر پلیٹ ہے اگلا نمبر بچکا ہوا ہے۔“

”کمال ہے۔“ راہ گیر حیرت سے بولا۔

”آپ زمین سے کان لگا کر بتا سکتے ہیں کہ ایسی کوئی کار اس جانب آ رہی ہے۔“ وہ شخص کراہ کر بولا۔

”انہیں رہی بے وقوف..... میں تو اس کار کے متعلق بتا رہا ہوں جو مجھے پہلتی ہوئی ابھی یہاں سے گزری ہے۔“

فریحہ امید چوہدری، گوجرانوالہ

عید مبارک

ہم نے کہا کہ عید مبارک ہو آپ کو کہنے لگے کہ خیر مبارک، مگر دور سے عیدی تو کچھ پولیس نے کچھ بھکاریوں نے ہم آسمان سے گرتے تو اگلے سمجھوڑ سے سہاس گل، رحیم یار خان

سچا مچھوٹ

مچھوٹ سے جی میرا بہلتا ہے جب بھی چاہے میں بول لیتا ہوں آرزو ہو جب مچھوٹ سننے کی

باقی سب خیریت ہے ایک آدمی کافی عرصہ باہر گزارنے کے بعد جب گھر واپس آیا تو راستے میں اس کا نوکر ملا۔

مالک:

”گھر کا کیا حال ہے؟“

نوکر:

”آپ کا کتا مر گیا ہے باقی سب خیریت ہے۔“

مالک:

”کیا وہ کیسے مر گیا؟“

نوکر:

”جناب آپ کے گھوڑے کا گوشت کھا کر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔“

مالک:

”اُوہ کیا گھوڑا بھی مر گیا؟“

نوکر:

”جی حضور آپ کی والدہ کے بغیر اس کی حفاظت کون کرتا؟“

مالک:

”کیا والدہ بھی وفات پا گئیں؟“

نوکر:

”پوتے کا غم کیسے برداشت کرتیں۔“

مالک:

”کیا میرا بیٹا بھی چلا گیا؟“

نوکر:

ماہنامہ حنا (241) اگست 2014

کان لگائے کھڑا کچھ سن رہا تھا۔ پاس سے ایک
تیل گزرا اس نے پوچھا۔
”گدھے میاں تم یہاں کان لگائے کیا سن
رہے ہو؟“

گدھے نے کہا۔
”کچھ نہیں میں تو اپنے بیٹوں کو دیکھنے کے
لئے کھڑا ہوں۔“

تیل نے پوچھا۔
”کون سے بیٹے؟“
گدھے نے کہا۔

”پتہ نہیں کون سے ہیں لیکن اندر دو آدمی رہتے
رہے ہیں اور ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں کہ تم
گدھے کی اولاد ہو۔ اب پتہ نہیں میرا کون سا والد
جینا ادھر آیا ہوا ہے۔“

شرین ساجد، سکھر

بچت

”تمہیں پتہ ہے مہنگائی کس قدر بڑھ گئی
ہے، ہر چیز میں آگ لگی ہے۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا
کیا کروں؟“ شوہر نے کہا۔

”یاں وہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس وقت
تم مہنگائی کا رونا کیوں رو رہے ہو۔ میں نے تم
سے کوئی فرمائش بھی نہیں کی۔“ بیوی بولی۔

”بات دراصل یہ ہے کہ اگلے مہینے تمہاری
سالگرہ ہے کیا ہی اچھا ہو کہ اس مرتبہ ہم خریداری
کچھ کم کر دیں۔“ شوہر نے درخواست کی۔

”ٹھیک ہے اس مرتبہ ہم سب خریداری
کے لئے چلتیں گے تو سالگرہ کی موم بتیاں کچھ کم
خرید لیں گے۔“ بیوی نے جواب دیا۔

خلیلہ طارق، لاہور

داؤ

بیسیمین ایک باؤلر کی زبردست پٹائی کر رہا
تھا، باؤلر کا حوصلہ پست ہو گیا۔ تاہم اس نے
کپتان سے کہا۔

ماہنامہ حنا (242) اگست 2014

”بھلا ماں کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔“
مالک:

”کیا بیوی بھی چل بسی؟“
نوکر:

”مکان کے نیچے آ کر کیسے بیچ سکتی تھی۔“
مالک:

”مکان بھی گر گیا؟“
نوکر:

”جی جناب باقی سب خیرت ہے آؤ گھر
چلیں۔“

عاصمہ وقاص، ملتان

زاویہ نظر

ایک صاحب ایک نو دولت کے نوجوان
بیٹے کے ساتھ کار میں سب سے سب سے بیٹھے تھے۔
نوجوان نہایت بے پرواہی اور تیز رفتاری سے کار
چلا رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ صاحب تھوک نکل کر
بولے۔

”بیچھے دو آدمی جو سڑک پار کر رہا تھا تمہاری
گاڑی کے نیچے آتے آتے بچا ہے۔“
”بھی بیچ گیا تو بیچ گیا۔“ نوجوان بیزاری
اور بے نیازی سے بولا۔

”اب میرے پاس اتنا غم نہیں ہے کہ
واپس جاؤں اور دو بارہ کوشش کروں۔“
نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

رکشہ

جان جو کھوں میں ڈالنے والی
حرکتیں وہ تمام کرتا تھا
جو چاہتا ہے آج کل رکشہ
پہلے سرکس میں کام کرتا تھا

سعدیہ عمر، فیصل آباد

پہچان

ایک گدھا کسی گھر کے دروازے کے ساتھ

میں پتھلی سوچ اور تجربہ دکھائی دینے لگتا ہے۔
لیکن افسوس کہ جو بھی ہم ان تجربوں سے
فیض یاب ہونے لگتے ہیں تو فوراً زندگی کی ڈائری
کے صفحات ختم ہونے لگتے ہیں۔
لائیبر رضوان، فیصل آباد

خیر خواہ

”تمہارے دروازے کے باہر کئی روز سے
ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ رہا ہوں، کیا تم نے کوئی
جوگیدار رکھ لیا ہے؟“
”تم چاہو تو جوگیدار کہہ لو ویسے وہ فریچر والا
ہے اور مجھ سے فریچر کی قیمت وصول کرنے کے
لئے بیٹھا ہوا ہے۔“

”اس کی ادائیگی کیوں نہیں کر دیتے؟“
”اس نے دھمکی دی کہ جب تک میں
ادائیگی نہیں کروں گا وہ میرے قرض خواہوں کو
دروازے کے قریب نہیں بٹھائے دے گا۔“

انظم

پت جھڑکی دلیز پر بکھرے
ہے چہرہ چوں کی صورت
ہم کو لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہوا

صغریٰ غزل، مظفر گڑھ

دوبارہ ملاقات

مار بھاگا تھا اک ترک مجھ کو
ہوش بھر دیر تک نہیں آیا
دل جانے کو اس پہ نکلا تھا
پھر ملیں گے اگر خدا والا
لائیبر رضوان، فیصل آباد

☆☆☆

”میں اب اسے اپنی اپنٹل گیند کراؤں گا
آپ دیکھیں گا وہ پریشان ہو جائے گا۔“
باؤنڈری نے اپنٹل گیند کرائی اور بے بسی سے
گیند کو باؤنڈری این کے پار جاتے دیکھتا رہا۔
کیپٹن نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہتھکی دی
اور کہا۔

”واقعی تم نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ
ڈبل ماسٹڈ ہو گیا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا کہ اس گیند پر چھکا مارے یا چوکا۔“
تازہ عمر پٹا اور

وضاحت ضروری

گاؤں میں دینو لوہار نے اپنے نئے شاگرد
کو تھوڑے کی فعل بتانا سکھانا شروع کیا اور کہا۔
”دیکھو! یہ لوہا بھٹی میں تپ کر ال ہو چکا
ہے اب میں اسے آلی پر رکھوں گا، جب میں سر
بلاؤں تو تم اس پر تھوڑے مارنا۔“

دینو نے سر بلایا اور شاگرد نے تھوڑا رسید
کر دیا۔

”لوہے پر نہیں، دینو کے سر پر۔“

شہزیب احسن، سرگودھا

زندگی

زندگی بھی ایک ڈائری کی مانند ہے جس
کے ہر صفحے پر دن رات تاریخ، ماہ و سال چسپاں
ہیں۔

صفحہ ایک بہت سے اکر آخر تک زندگی اس پر
بے شمار تحریریں لکھتی ہے۔ اس تحریر کی نوعیت
زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی
ہے تو۔

دھنک کے ساتوں رنگ ڈائری میں سجاتی
ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو سیاہ رنگ سے
صفحوں کو کالا کر ڈالتی ہے۔

ہم اگر شروع سے آخر تک اسے بڑھتے
جاء میں تو پتہ چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریر

عین غمین

عین غمین

کراچی

پروفیسر ڈاکٹر واجد قلیوٹی

س: کھواب میں ناٹ کا ہوند کب لگتا ہے؟

ج: جب خواب پھٹ جائے۔

س: دور کے ذحول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لیے کہ قریب کے ذحول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سرگزاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچویں انگلیاں گل میں ہوں۔

س: میاں میزا احمد انجم

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پانہ سکوں؟

ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے

ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے

ج: میری تنہا سفری میرا مقدر بھی فراز

و نہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

شمن حنا

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غمین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر

کیوں؟

ج: کیا تم کج حال کرنا چاہتے ہو؟

س: اس نے کہا یہ دل آپ کا ہوا کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو قسم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم.....؟

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین

غمین جی؟

ج: ارادے.....؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر

کب کیا ہے؟

س: عین غمین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پکا سکوں۔

علیہ طاری

س: عین غمین جی نیا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لیے

خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات

وابستہ کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ ایسی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی

ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر

اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو.....؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

معلکون شاہ

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں کیا کروں؟

ج: مافیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بورلہا؟

ج: جب کوئی بے نکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو میں کہتی ہوں تو تو

پلنگ ہے؟

ج: کبھی کبھی پاگلوں کی بات بھی مان لی

چاہیے۔

س: عین غمین جی نئے سال کے استقبال کے

ماہنامہ حنا (244) اگست 2014

س: کج کج بتائیے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟

ج: محبت بر روپ میں بھلائی لگتی ہے۔

س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟

ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بچاری؟

س: آپ نے بھی عشق کیا ہے؟

ج: ایسی باتیں پوچھا نہیں کرتے۔

نعمت رانا

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے

اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟

ج: کیوں میری پھٹی کراٹھ کا ارادہ ہے۔

س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کچھ سوچتا

ہی نہیں؟

ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ

دیتے ہیں؟

ج: اگر پڑھنا نہ آتا تو تو کسی سے پڑھوا لیا

کریں۔

س: میں کون ہوں ذرا پوچھو تو؟

ج: تم وہی ہو جو تم ہو

عطیش

س: دنیا میں وہ ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور

بیس۔

ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔

س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے

ہیں؟

ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

ہر روز

۱ لیے کیا کر رہے ہیں آپ؟

ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

س: سوچ کر بتائیے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا

دل؟

ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے کیونکہ شاعری میں

علم طور پر دل کو شیشے سے بچ دی جاتی ہے۔

س: ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسروں سے منفرد نظر

آئے؟

ج: اس لیے تو لوگ مونچھوں اور بالوں سے کام

لیتے ہیں۔

س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی

مبارکباد دے ہی دوں؟

ج: دو لفظوں کے لیے اتنی کتبوس اچھی نہیں

ہوتی۔

س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟

ج: خود تو دو لفظوں پر ٹر خاری ہو لو مجھ سے کارڈ

چاہتی ہو۔

س: سچی دوستی کی پہچان بتائیے؟

ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی

دوستی کیا ہوتی ہے۔

العبہ رضوان

س: میں نہیں جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے

دوں؟

ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھ لو تا کہ کہیں اور کام آ

جائے۔

س: آپ بڑے نوہ ہیں؟

ج: 'نوہ' کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال

رہے۔

س: میرا خیال ہے آپ جو سنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟

ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو جنتی ہیں۔

س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلتے لگیں؟

ج: گو بھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

شازیہ خٹن

میری ڈائری سے

صائب مسعود

ذاتی ذوق نہیں توکل سے گیت سناتی ہے
دور نہیں پہ باسری کی دھن کیسے درد دیکھتی ہے
بارش کی آواز بھی کیسے لکھوں درد دیکھتی ہے
میری روح کے سناٹے میں
میرے چاروں جانب پھیلے اس اندھیرے میں
تیری آوازیوں آتی ہے.....!
ہاں تیری آوازیوں آتی ہے.....!
تحسین اختر کی ڈائری سے ایک نظم

”چمپنی عید“

میری سوتی کلاہیاں
ست رنگی پوٹریوں سے
آزاد ہیں کی

میری ہتھیلیاں حنا کے رنگ سے
بے آباد ہیں کی
میری مانگ میرے چہرے
کی طرح

ویران اور چمک سے خالی ہوگی
بجی تم نے سوچا اے جان جاں
تم نہ آؤ گے تو!

پلوید غم کے چراہن میں پڑی ہوگی
چمپنی عید میرے آئین سے دور کھڑی ہوگی

مریم ماہ منیر کی ڈائری سے ایک نظم

”یاں“

سنتی خواہش تھی تجھ کو عید پر مہندی لگانے کی
تیرے نازک کون ہاتھوں پہ خوش رنگ پھول
سجائے کی

وہ لکھو وہ پل میری زندگی کا حاصل تھے
تو میرے سامنے تھی تو یہ دنیا حسن سے بھرپور تھی

فوزیہ غزل کی ڈائری سے ایک غزل

اس طرح نہیں رفاقت نہ ملے گی
پتھر کے جاؤ گے تو پھر محبت نہ ملے گی
پھر کون اسے گا وائے دل کو! ! !
نخندے سانسوں کو گرم لبوں کی تمازت نہ ملے گی
کوچہ شہر آذر و دل میں! !
مجھے اس طرح کی شہرت نہ ملے گی
بیقرار نگاہوں کا جسم نہ ملے گا
بے لوث جذبات کی چابک نہ ملے گی
آسائشوں بھرا بستر بہت میسر ہو گا
سلونی شام کو نرم حرارت نہ ملے گی
درد و دیوار سے بنے مکاں تو مل جائیں شاید
گھر بھی نہیں تم کو دولت نہ ملے گی
اتنے پیار سے راہ دیکھے گا کون تمہاری
روح میں اترتی ہوئی شدت نہ ملے گی

سعدیہ اہل کاشف کی ڈائری سے ایک نظم

سنائے اور خاموشی میں روشنی پھوٹی ہے
اور تمہاری آوازوں نے دستک دی ہے

چاروں اور تمہاری کون باتوں کی جھلک اتری ہے
میری روح کے ویرانے میں یہی یہ خوشبو اترتی

جانتے یہ احساس ہے کیسا جس نے مجھ کو سکھایا

خوشبو، رنگ، بو، بادل اور مہر نے کیسے ہوتے

پتھروں سے بنے وہ الہامی بھی ایسے گاتا ہے
کن کن من من پرتی بارش کیسے غل غل کرتی ہے

تیری ہی آواز نے مجھ کو بتایا کہ جینا کیسا ہوتا ہے

ماہنامہ حنا () اگست 2014

میرے دل پہ دھیرے سے رکھ اپنا ہاتھ
چاہت کو تعبیر کروں اور دیکھوں میں
تو دریا میں لہریں بن کر رہا تھ بہوں
ہر رست تسخیر کروں اور دیکھوں میں
باہل اور ہوا یہ فکسوں دونوں نام
جذبوں کی تعبیر کروں اور دیکھوں میں
آنکھیں موندلوں لگ کر تیرے شانے سے
لکھوں کو زنجیر کروں اور دیکھوں میں
میری قسمت من گنی میرے ہاتھوں سے
آنکھوں کو تقدیر کروں اور دیکھوں میں
رہا تھ کو خیرات میں دیتا ہے کہ نہیں
خود کو آج فقیر کروں اور دیکھوں میں
من جاؤں میں تیرے پیار میں اور صبا
باب نیا تحریر کروں اور دیکھوں میں

سجد یہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم
"گزرے مل"

کیسے بھواریوں وہاں
جو گزرے تھے اس کے سنگ
زندگی پہنچ بھی نہیں
سوائے پیار کے
محبت تو کر لی ہے
نفرت کو نبھائے
یہاں تو آنا جانا
لگا رہنا ہے
اس دنیا میں
صدائیں نے رہنا ہے
تم بھی گے شکوے چھوڑوں
بن جاؤ ہمارے ہم خیال
کہ زندگی محبت ہے
زندگی ہے پیار

اسماء مظفر: کی ڈائری سے ایک نظم
وہی رنگ وہی روشنی
وہی ساعتوں کا جنوں ہو

ماہنامہ حنا (247) اگست 2014

اور وہ لمحہ کتنا پر کیف تھا جب کتنے مان سے میں
نے

دل میں ابھرتے کوں جذبوں سے بے اختیار
آنکھوں میں محبت کی قدیل روشن کئے
تیرا ہاتھ تمام کر مہندی لگانے کی اجازت مانگی تھی
اور انک وہ لمحہ تھا

جب تو نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر
ظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا تھا
نہیں اچھا نہیں لگتا بھلا لوگ کیا نہیں گئے
اور اس لئے

میرے دل کے کوں جذبے سر دہن گئے تھے
میری آنکھوں میں یک دم بی ٹی کی اتری تھی
جسے میں نے چلیں جسک کر تھ سے چھپایا تھا
جیسے گار یہ نہیں کہ تو نے انکار کیا تھا
دکھ یہ نہیں کہ تو نے میرے ہاتھ سے
اپنا ہاتھ یونہی انکار کی صورت چھڑایا تھا
دکھ تو یہ ہے کہ تو نے میرا مان توڑا تھا

شاز یہ عبدالرحمن: کی ڈائری سے ایک غزل
اب کے کرنا تو کسی ایسے کی چاہت کرتا
جس کو آتا ہی نہ ہو شکوے شکایت کرتا
گھر کو شعلوں کی پتا کر کے گھس میں پہنچتے
اپنا شیوہ ہے اندھیروں سے بغاوت کرتا
تیری کم گوئی کے چہرے تھے زمانے بھر میں
کس سے سیکھا ہے یوں باتوں کی وضاحت کرتا
پہلے دیوانوں کے ہاتھوں سے نکالو نامن
پھر بڑے شوق سے چہروں کی سخاوت کرتا
پہلے خوشبو کے مزاہوں کو پرکھ لو اشرف
پھر گلستاں میں کسی گل سے محبت کرتا

صاعقہ امین: کی ڈائری سے ایک غزل
عشق میں ذات اسیر کروں اور دیکھوں میں
تجھ کو دل پر تحریر کروں اور دیکھوں میں
چاند ہو اور ہم ہم ہوں مہیلا کنارے پر
خوابوں کو تعبیر کروں اور دیکھوں میں

تیری رمتوں کے دیار میں تیرے بادلوں کو پتہ نہیں
ابھی آگ سرد نہیں ہوئی ابھی اک الہ و بھائیں
میری بزم دل اجڑ چکی میرا فرش جاں سٹ پکا
بھی چا چکے ہم نشین مگر اک شخص گیا نہیں
غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو چھڑ گیا وہ ملا نہیں
جو دل و فکر کا سرور تھا میرے پاس رو کر دور تھا
وہی اک گلاب امید کا میری شاخ جاں پر کھلا نہیں
پس کارواں میں شکست پاہوں تو اس لئے
قدم تو سب سے ملائے میرا دل کسی سے ملا نہیں
ہم سفر جو عجیب سے تو عجیب تر ہوں میں آپ بھی
مجھے منزلوں کی خبر نہیں اسے راستوں کا پتہ نہیں
شاء احتشام: کی ڈائری سے ایک نظم

”عید مبارک“
عید کے دن نہیں سمجھوں تو دوست کیا سمجھوں؟
نہ چوڑیوں کی، نہ مہندی کی، نہ شیر خرمے کی
نہ میں طلب ہے

فقط میری دید کی جاناں!
مگر یہ میرے لئے کار و شوار ہے پیاری
تم ایسا کرنا کہ چاند کو بتا دیتا

تم نے میرے تصور میں اس کو دیکھا ہے
میرے خیال میں اس کو کہا
مبارک ہو

عید کے دن کی ہر ساعت نوید و صد مبارک ہو
تمہیں ہمیشہ کی طرح ہی عید بھی مبارک ہو

راحیلہ رؤف: کی ڈائری سے ایک غزل
اپنے نصیب میں کیا ہے یہ بھی تو سوچا کر
جہرے ہوئے لوگوں سے گریز میں نہ ہوا کر
ہر ایک سے تو یو کی گئے بھی نہ ملا کر
چند ایک سے تو نا صیلے بھی رکھا کر

☆ ☆ ☆

وہی خوشبوؤں کا نجوم ہو
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو اشک چمک اٹھے
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو دردی روٹ میں
ابھی قہقہے سے چٹک پڑیں
پھر لوح شام فراق پھر
غم شوق لوح خرید ہو
اے ستارہ شب زندگی
ادھر آ کے جشن ہو معتبر
نظر آ کے ڈھنگ سے عید ہو

نوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک نظم
”بیابان عید“

میں رہیں میرا تین پہنوں
میں بدن پہ خوشبو اور دھوئیں
مگر کس طرح

کہ تم پاس نہیں ہو میرے
میں چوڑیاں بازوؤں میں ڈالوں
بدمعری میں چھٹکاؤں

مگر کس طرح
کہ تم پاس نہیں ہو میرے
میری خالی جیبیں

مہندی رچے بھی تو کیا
کہ میرا بننے والی نظر میں مجبور
کہ تھانے والے ہاتھ دور بہت دور

ہر خوشی کو مقدر کر لوں
میں سب کچھ زیر کر لوں
جو پاؤں تیری آہٹ

جو ملے تیری پر چھائیں
جو ساتھ تیرا پاؤں
تو خوشیاں لوٹ آئیں

ہم دگر فتنہ بس کر عید منا میں

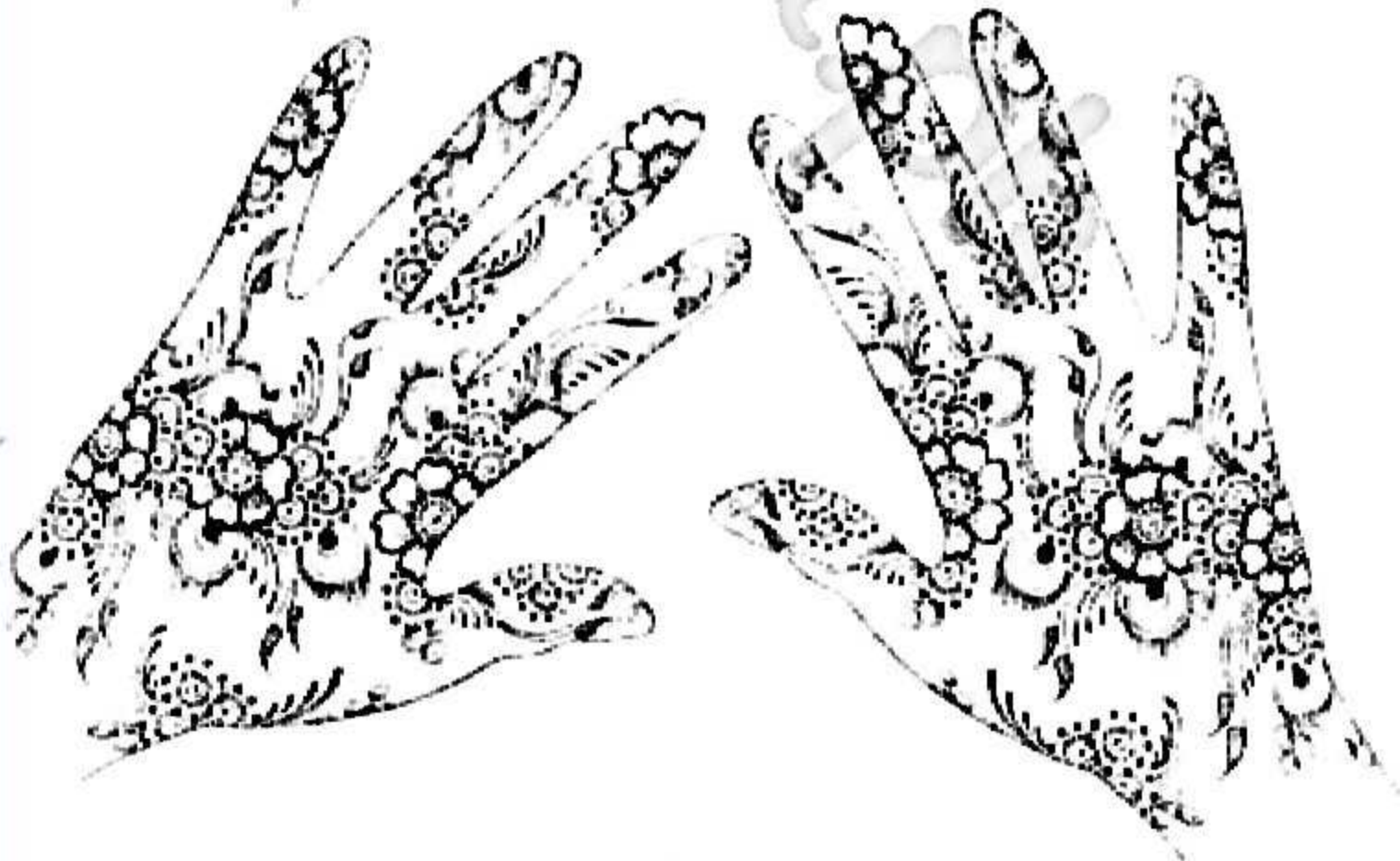
نیلہ نعمان: کی ڈائری سے ایک غزل

مہندی کے فہرست

ادارہ



ماہنامہ حنا (249) اگست 2014



ماہنامہ (250) اگست 2014



کادسرخول

انفراج طارو

قیمہ پلاؤ

پانی ڈال کر دھسی آٹے پر پکھنے دیں۔
پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں، چاول بھگو
دیں اور دوسرے برتن میں دو پیاز کو ٹنگ آٹل
میں فرائی کریں نمک باقی کا بھا ہوا گرم مصالحہ
ڈال کر بھونیں اور پانی ڈال کر چٹنی بنائیں، ایلنے
گئے تو چاول ڈال دیں اور ایک کٹی پکائیں،
آدھے چاول نکال لیں باقی چاولوں پر آدھا قیمہ
ڈال کر تہہ بنائیں باقی چاول ڈال کر تہہ بنائیں
اور باقی قیمہ ڈال کر بہت دھسی آٹے پر دم میں رکھ
دیں دس منٹ کے بعد کھانے کے لئے پیش
کریں۔

قیمے کے ساتھ ماش کی دال

اشاء
ماش کی دال
قیمہ
پسا ہوا گرم مصالحہ
نمک
ہر ادھیا
پیاز
ہلدی
کوٹنگ آٹل
ہری مرچیں
ادریک
لہسن
سرخ مرچ
کالی مرچ
ترکیب
ایک پاؤ
آدھا کلو
ایک چمچ
حسب ذائقہ
چند تے
پچاس گرام
ایک چمچ
پچاس گرام
چار عدد
ایک کلو
پانچ گرام
حسب ذائقہ
پانچ عدد

ایک کلو
آدھا کلو
ڈیڑھ پیالی
ڈیڑھ پیالی
چار عدد
ایک پونجی
پسی ہوئی ایک چمچ
چائے کا ایک چمچ
چار عدد
چار عدد
تیس عدد
ایک بڑا کھڑا
ڈیڑھ چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
حسب ذائقہ

اشاء
چاول
قیمہ
کوٹنگ آٹل
دعی
پیاز
لہسن
ادریک
زیرہ
لوتنگ
الاجٹی
کالی مرچ
دار چینی
ثابت دھنیا
سونف
خشخاش
نمک
ترکیب

ثابت دھنیا، سونف، خشخاش اور ادرک کو
فرائی پان میں ایک چمچ کوٹنگ آٹل ڈال کر فرائی
کر کے پس لیں اور دعی میں ڈال کر پھینٹ
لیں، دہنی میں دو پیاز باریک کاٹ کر آدھے
کوٹنگ آٹل میں براؤن کریں، نمک اور گرم
مصالحے کی چیزیں آدھی آدھی ڈالیں دیں۔

ایک منٹ بھون کر قیمہ ڈال دیں اور
بھونیں اور دار چینی ڈال کر بھونیں اور آدھی پیالی

ماہنامہ دنیا (251) اگست 2014

چار عدد
ایک چٹلی
حسب ذائقہ

لوہک
ہلدی
نمک
ترکیب

اغذوں کو پانی میں ڈال کر سخت اپال لیں اور
خندے ہونے پر چٹکے اتار دیں، ایک برتن میں
کوہنگ آئل ڈال کر چوبے پر رکھیں اس میں پیاز
ڈال کر بادامی کر کے پھر اس میں کالی مرچیں،
الابھی، زیرہ، لوہک اور قیرہ ڈال کر کھیر کے ساتھ
ملائیں۔

ایک منٹ کے بعد سرخ مرچ اور نمک ڈال
کر بھونیں، تین منٹ کے بعد اس میں پانی کا
ایک پلکا سا چھینٹا لگائیں اور دہی ڈال کر ہلکی آنچ
پر پکائیں دہی کا پانی خشک ہو جانے پر بھونیں اب
نماز کاٹ کر اور ادھک کاٹ کر ڈالیں تھوڑا سا
بھونیں پھر اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا
کاٹ کر ڈالیں، اب ایک ڈش میں قیرہ نکالیں
اور پھیلائیں، ابلے ہوئے اغذوں کو قتلوں کی
طرح کاٹ کر اوپر سجا لیں ان پر پسی ہوئی کالی
مرچیں چھڑک کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

آدھا کلو
تین، چار عدد
دو عدد
ایک چمچ چائے کا
حسب ذائقہ
چائے کا چمچ
چٹلی بھر
آدھی پیالی
چند چمچے
دو عدد

اشیاء
قیرہ
نماز
پیاز
چنے کا آٹا
سرخ مرچ
گرم مصالحہ پسا ہوا
زیرہ سیاہ
کوہنگ آئل
دہی
اغذے

سب سے پہلے ماش کی وال اچھی طرح
صاف کر کے ایک گھنٹے کے لئے پانی میں بھگو کر
رکھیں پھر ایک برتن میں کوہنگ آئل ڈال کر گرم
کریں اس میں پیاز کاٹ کر ڈالیں اور سرخ
کریں پھر اس میں پسا ہوا لہسن، ادھک، سرخ
مرچ، نمک، ہلدی پسا ہوا ہرا دھنیا، کالی مرچ اور
قیرہ ڈال کر ایک کپ پانی شامل کر کے ہلکی آنچ پر
پکائیں۔

پانی خشک ہونے پر بھونیں اب اس میں
وال ڈال کر ساتھ ہی ایک چھوٹا گلاس پانی بھی
ڈال دیں اور اوپر ڈھکن دے کر ہلکی آنچ پر
پکائیں، تین منٹ کے بعد اس میں ہری مرچیں
اور ہرا دھنیا کتر کر اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر
حرید تین چار منٹ تک چوبے پر ہی رکھیں
چوبے سے اتار لیں اور کھانے کے لئے پیش
کریں۔

قیرہ اغذے

چار عدد
دس گرام
ایک کلو
حسب ضرورت
سات عدد
آدھا کلو
پچاس گرام
پچاس گرام
ایک چھوٹا چمچ
ایک عدد
حسب ذائقہ
ایک کپ
دس گرام
پانچ عدد

اشیاء
اغذے
لہسن
ادھک
کوہنگ آئل
کالی مرچ
قیرہ
نماز
پیاز
زیرہ
الابھی
سرخ مرچ
دہی
ہرا دھنیا
ہری مرچیں

ماہنامہ حنا (252) اگست 2014

دس ہری مرچیں، دھنیا
دو تین عدد حسب ضرورت

پیارے کاٹ کر تیلے میں ڈالیں ایک ٹکڑا دار
چینی زیرہ، نمک، مرچ، لٹاٹر ڈال کر بالکل دھیمی
آگ پر پکنے کے لئے رکھ دیں، پانی نہ ڈالیں،
بھاپ میں قیرہ بخوبی گل جائے اور پانی خشک ہو
جائے تو اتار کر باریک پیس لیں، دھبی پیسٹ کر
ڈال دیں۔

بہن والا پتلی
گرم مصالحہ
کونگ آئل
لیوں
نمک
ترکیب

بکرے کے گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں
بنا لیں، پیاز، ادورک چھیل کر باریک کاٹ لیں،
زعفران پیس کر رکھ لیں، بہن والا پتلی کے دانے
ٹکالیں اور پیس کر ان میں پیا ہوا گرم مصالحہ
زعفران، سرخ مرچ، نمک اور لیوں کا رس ملا کر
خوب اچھی طرح کس کریں پھر ایک برتن میں
کونگ آئل گرم کریں اور اس میں پیاز سرخ
کر کے گوشت کے ٹکڑے ڈالیں، معمولی سا
بھون کر پیا ہوا ادورک اور معمولی سا نمک مرچ
شال کریں تھوڑا سا پانی ڈالیں۔

پتلی آگ پر پندرہ منٹ تک پکائیں جب
گوشت گل جائے تو آگ سے اتار دیں، اس
کے بعد فرائی چین میں کونگ آئل ڈال کر چوبے
پر رکھیں اس میں گوشت کے ٹکڑے معمولی سے
فرائی کر کے باہر ٹکالیں اور ٹھنڈے کر کے
مصالے والے آمیزے میں ڈال کر ملا لیں۔

آدھا گھنٹہ تک اسی طرح پڑنے رہنے دیں
اس کے بعد سینوں میں پردیں اور کونگوں کی پتلی
آگ پر نکلے بھونیں سرخ ہونے پر آگ سے الگ
کریں اور پلیٹ میں نکال کر گرم گرم نکلے چٹنی
کے ساتھ کھانے کے لئے پیش کریں۔

چنے کا آٹا اور گرم مصالحہ ہرا دھنیا اور چ
ٹکال کر ہری مرچیں بھی کاٹ کر ڈال دیں، خوب
کس کر لیں، اٹھ سے پچیسٹ لیں اب تیلے کی
بیضی یعنی ذرا لیو تری نکلیاں بنا کر رکھتی جائیں،
فرائی چین میں ذرا ذرا سا کونگ آئل ڈال کر
نکلیاں ڈال دیں اور دھیمی آگ پر سرخ ہونے
دیں، (تیلے سے پہلے اٹھ اور پسے ہوئے دس بھی
لگائی جائیں)

ساری نکلیاں نکلنے کے بعد سلاو کے چوں کو
سر کے میں ڈبو کر ڈش میں چن دیں اور ان کے
اوپر سٹکس رکھتی جائیں، ارد گرد کا جڑ گول تراشی
ہوئی سرخ مولی کے تھلے چن دیں، اوپر سے کٹا
ہوا ہرا دھنیا چھڑک کر سجائیں اور دسترخوان پر
لے جائیں۔

خوشبودار نکلے

اشیاء
بکرے کا گوشت
زعفران
پیاز
ادورک
سرخ مرچ
250 گرام
ایک چمچ
75 گرام
ایک ٹکڑا
حسب ذائقہ

کس کا دل ہے کہ بہ نام

نور بہ نسیب

السلام علیکم!

دنیا و آخرت کی کامیابیاں اپنا مقدر کر لیں۔
اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو
آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے
ہیں۔

آئیے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں
اور دیکھتے ہیں بہنوں نے اپنی محبت اپنی رائے کا
اظہار کس طرح کیا ہے۔

یہ سب سے پہلا خط آپ سب کی اور ہماری
پسندیدہ معتمدہ عالی ناز کا گوجرانوالہ سے ملا
ہے، آئیے دیکھتے ہیں وہ کس انداز میں اپنی رائے
کا اظہار کر رہی ہے۔

جولائی کا شمار سات رمضان المبارک کو ملا
ہائے کیا بتاؤں، حنا ہاتھ میں آتے ہی ہم نے
افطاری کی ساری تیاری بھول بھال کر اسے کھول
لیا اور ڈائریکٹ ”کس قیامت کے یہ نامے“ کا
صفحہ کھول کر بیٹھ گئے کیونکہ فوزیہ آپ نے مجھے کہا
تھا کہ اس بار کسی نے آپ سے ٹھوڑا سا شکوہ کیا
ہے، حرا نعیم کا شکوہ پڑھ کر بالآخر ہمیں سکون ہوا
کہ چلو اس شکوے کی تو خیر ہی ہے جواب میں
فوزیہ آپ نے جو کہا کہ گول گپے شاید ابھی اسے
خود بھی بنانے نہ آتے ہوں تو انہوں نے ایک دم
ٹھک کہا، بھئی میں پچھلے رمضان میں پہلے روزے
”گول گپے“ بنانے چھٹی تھی مگر آخری یعنی تیسویں
روزے تک ایک بھی گول گپا نہ بنا پائی تھی، خیر
اس کے بعد ہم نے حنا کو اس کی اصل ترتیب کے
ساتھ پڑھنا شروع کیا، حمد و نعت اور پیارے نبی
کی پیاری باتیں اس کے علاوہ فوزیہ شفقت جی نے

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے
ساتھ حاضر ہیں اگست کے شمارے کے ساتھ آپ
سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

14 اگست کا دن وہ مبارک دن ہے جس
نے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے
مالا مال کیا اور پاکستان ایک آزاد ملک کے طور پر
دنیا کے نقشے پر ابھرا ”آزادی“ ایک خوش کن
لفظ، لیکن اس کے پیچھے قربانیوں کی ایک انتہائی
طویل اور نہ ختم ہونے والی داستان پوشیدہ ہے، لہو
کا ایک دریا پار کر کے ایک آزاد قوم کی حیثیت
سے آزاد ملک میں قدم رکھا، جانے کتنے ہی
بوزھے اور جوان اس ملک کے حصول کی راہ میں
خاک تن ہوئے، بہر حال ایک سفر تمام ہوا اور ہم
نے ایک پیارا ملک حاصل کر لیا۔

خسین قدرتی مناظر، دلچسپ نظاروں،
سربلند سرخسوں، گنگناتے چشموں، سربلند کھلیان
سوناگنی زرخیز زمین اور چپے چپے پر پھرے حسن
سے خدین یہ ہے ہم سب کا پیارا پاکستان، ہماری
خوشیوں، آرزوؤں اور امنگوں کا گہوارہ ہے اس
کے ذرے ذرے سے ہمیں محبت ہے پاکستان
ہماری پہچان ہماری شان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا گو
ہیں کہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کو اپنی رحمت
خاص کے سائے میں رکھے اور اسے ناقیامت
پائندہ تابندہ رکھے آمین۔

آئیے درود شریف، استغفار اور کلمہ طیبہ کا
ورد کریں اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں اور

بہ نام۔ حنا (254) اگست 2014

رمضان المبارک کے لئے جو خصوصی وظائف لکھے وہ بڑھ کر بہت اچھا لگا کہ کئی لوگ جو ایسے وظائف نہیں جانتے وہ بھی اس بار رمضان کے شب و روز سے خوب مستفید ہو سکتے ہیں، ان شاء اللہ کے بعد فرح طاہر قریشی کا ایک دن پڑھا میری طرح اس بے چاری کے پاس بھی سر کھجانے تک کا نام نہیں (یہی سوچا تھا پڑھ کے) کاسہ دل میں ڈبکیاں لگاتے اور اسے پسند کرتے ہوئے ہم سیدھا ام مریم کے جزیرے میں پہنچے جہاں نسیب اور جہانگیر کو پڑھ کر اچھا لگا بلکہ کافی اچھا لگا لیکن ایک بات میری آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ام مریم اتنا دماغ لکھتے تھے کیوں نہیں؟ خیر کہانی بہت اچھی چل رہی ہے ویل ڈن، سدرہ انسی سے معذرت چاہتی ہوں کیونکہ وقت کی کمی کے باعث ابھی تک ان کا ناول نہیں پڑھ پائی "تو نماز عشق ہے" قرۃ العین خرم ہاشمی یہ کیا کیا آپ نے؟ آپ نے تو میری پسند کی تحریر لکھ ڈالی بھئی، مجھے اس قسم کی کہانیاں بہت اداس کرتی ہیں مگر اتنی ہی اچھی بھی لگتی ہیں، عشق تو جیسے میری روح میں بسا ہے اور ایسا الہامی عشق تو بہت ہی پسند ہے مجھے، کنول ریاض کی چھوٹی سی بات بڑی عقل کی تھی دل کو بھاگنی واقعی کچھ نسلے اگر وقت پر صبح نہ کیے جائیں تو ساری زندگی کا بچھتاوا بن جاتے ہیں۔

حیا بخاری کی تحریر اچھی تھی، مختصر مگر جامع پر اثر تحریر، مکمل ناول میں دوسرا ناول رافعہ اعجاز کا تھا، رافعہ معذرت کے ساتھ مگر اس بار آپ کی کہانی کا کوئی خاص حزمہ نہیں آیا، قرۃ العین خرم کی نسبت آپ کی تحریر پر کوئی خاص گرفت نہ تھی، قرۃ العین رائے واہ جی یار رائٹر کی جو درگت تم نے بنائی پائے کیا کہیں لفظ لفظ ہم پر صادق آتی ہے، قرۃ العین جی کے کئی جملوں پر بے ساختہ قہقہے

اے۔ ویسے پہلی کہانی شائع ہونے پر ہم بھی پوسٹ مین کے سامنے یونہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کینگر کی طرح اچھلنے اور پھدکنے لگے تھے، مگر بھر میں ڈھنڈورا بھی یوں ہی پیٹا تھا اور گھر والوں کا رپانس امارہ کے گھر والوں سے الگ ہرگز نہ تھا۔

اگلی تحریر خالدہ ثار کی تھی، ان کے لکھنے کا انداز دل کو بھاگیا، کہانی بہت اچھی تھی لیکن اس سے بڑھ کر ان کی رائٹنگ سٹائل نے اسے خوب خوب چاند لگا دیئے، میری گڈ خالدہ جی حریہ یوں ہی لکھتی رہے گا، شازیہ خان کا "ملاں" افسانہ بھی بہت اچھی گاؤش رہی، دو صفحات پر مشتمل مکمل بات اس کے علاوہ مبشرہ ناز کی دلوں کے کعبے میں ٹھیک تھی، اس بار تو تقریباً سبھی رائٹرز نے ہی، بہر حال قرۃ العین خرم ہاشمی اور خالدہ ثار کے لکھنے کا انداز زیادہ پسند آیا، کتاب مگر تو اس بار تھا ہی نہیں البتہ بیاض، حاصل مطالعہ، رنگ حنا اور ڈائری سبھی آدھے آدھے ہو رہے پڑھے ہیں ابھی لیکن گفتہ شاہ کی چکیاں پوری کی پوری رٹ لی ہیں، گفتہ جی یقیناً مبارکہباد کی کھن ہیں کہ اتنی بڑی باتوں کو چھوٹی سی لڑی میں پرونا انہیں کا کمال ہے۔

عابی ناز اس محفل میں خوش آمدید جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں آئندہ بھی تمہاری آمد کے منتظر ہیں گے شکریہ۔

نورین شاہد: رحیم یار خان سے ملتی ہیں۔ احتمالات کے بعد ہم اس محفل میں حاضر ہیں پچھلے سات آٹھ شمارے آپ سب اور رائٹرز کی محنت کا ثبوت تھے ایک دم پرفیکٹ تمام رائٹرز سے مل کر اچھا لگا بظاہر عام نظر آنے والے خاص

ماہنامہ حنا () اگست 2014

جگہ ہوگی؟ ابھی پچھلے ماہ 9th مارچ کا
زلزلہ آیا، 550 میں سے 461 نمبر آئے
سائنس گروپ میں، جتنی امید تھی اتنے نہیں آئے
اس لئے آج کل ہم نصابی کتابوں سے ذرا خفا
ہیں اور غیر نصابی کتابوں سے دوستی تو خیر ہماری
پچھن ہی سے ہے ماہنامہ حنا ہم نے فرسٹ ٹائم
پڑھا بہت اچھا لگا۔

جولائی کا شمارہ سات تاریخ کو ملا ٹائٹل اتنا
اچھا نہیں تھا حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول
پڑھ کر جیسے دل کو قرآن و مسائل گیا ہو، افسانے سب
ہی بہت زبردست تھے، کسی ایک کے بارے میں
کہنا مشکل ہے انتہاء نامہ پڑھ کر ہنسی کے مرغولے
کو قابو میں نہیں رکھ سکے، ناول دونوں بہت اچھے
تھے، ایک دن حنا کے نام فریح طاہر قریشی کا
تعارف پسند آیا، چکیاں، حنا کی محفل، رنگ حنا،
حاصل مطالعہ، کتاب نگار سے پڑھ کر بہت اچھا
لگا۔

میری ڈائری سے نرگس سحر کا انتخاب پسند
آیا۔

آمنہ غلام نبی آپ اتنی دور سے اس محفل
میں شریف لائیں خوش آمدید تھوڑی کیوں؟ بہت
جگہ ہے آپ کے لئے حنا تحریروں کو پسند کرنے کا
شکریہ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ہر امتحان
میں اچھی کامیابی عطا کرے آمین، ہم آئندہ بھی
تمہاری قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

راجہ اسلم وڑائچ، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔
نوزیہ جی یقیناً مجھے پہچان ہی لیا ہوگا بہت
عرصے کے بعد غیر حاضری کے بعد دوبارہ حاضر
ہوئی ہوں حنا کی پوری ٹیم کو میری طرف سے عید
کی مبارکباد ہو، حنا کا جولائی کا شمارہ اپنے
خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ میرے ہاتھوں میں
جگمگا رہا ہے اور یاد آ رہا ہے کہ شادی سے پہلے کتنا

لوگوں کا ایک دن ہمارے نام کرنے کا شکریہ، اس
دفعہ حنا جلد ملا سردار انکل کی باتوں پر آمین کہتے
ہم آئے فریح طاہر سے ملنے فریح جی ہم کیا جانتا میں
کہ ہمیں آپ کے ساتھ گزارا کون سا لمحہ اچھا لگا
آپ کے ساتھ جائے نماز پر بیٹھنا پرندوں کو پانی
دینا ٹیبلٹس پر کھڑے ہونا، آپ کی امی کا ناشتہ اور
بھائیوں سے نوک جھوک، ہر لمحہ اچھا لگا شکریہ
پھر آئے معاذ اور پرندوں کی طرف صد شکر کہ مطلع
صاف ہوگی مگر زین کا دماغ خراب ہے خیر ناول
پڑھ کر مزہ بہت آتا ہے افسانوں میں ٹاپ ہے قرۃ
العین رائے ہیں ہمیں ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا
ویلڈن قرۃ العین، پھر کنول ریاض، بمشورہ ناز، حیا
بخاری، خالدہ ثار اور شاناز یہ خان کے افسانوں
نے بھی دل موہ لیا بہت خوب آہو، ”کاسہ دل“
الجھا الجھا مگر اچھا جا رہا ہے، ناولٹ ”تو نماز عشق
ہے“ کمال کا ناول پڑھ کر افسوس اور خوشی دونوں
جذبے تھے مشعل اور عنادل کے ملنے کی دعا ہم
نے بھی کی قرۃ العین خرم ہاشمی ”نقش محبت“ پچھلی
قسمت پر آئندہ ماہ نے غصہ دلایا مگر رافعہ جی
خوبصورت اینڈ نے خوش کر دیا، ناول ”رمضان
المبارک کی عبارات“ کا شکریہ۔

مستغل سلسلے سبھی اچھے ہوتے ہیں اور سب
کا انتخاب بھی غزلوں میں حیدر رضا کی غزل
بہترین لگی ”چکیاں“ بہترین سلسلہ ہے۔

نورین شاہد کیسی ہوں؟ جولائی کے شمارے کو
پسند کرنے کا شکریہ، افسانہ متعلقہ شعبے کو پہنچا دیا
ہے قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا آپ
کے اچھے زلزلے کے لئے دعا گو ہیں اپنی رائے
سے آگاہ کرتی رہے گا شکریہ۔

آمنہ غلام نبی: ہری پور ہزارہ سے لکھتی ہیں۔
نوزیہ آئی پہلی بار خط لکھ رہی ہوں کیا آپ
کی پیار بھری محفل میں ہمارے لئے بھی تھوڑی سی

ماہنامہ حنا (256) اگست 2014

کر پڑتھا رسالوں کا، شادی کے بعد ہماری جنونی محبت میں کمی ضرور آگئی، رائٹسٹ میں سب نئے نام دیکھ کر انتہائی خوش ہوئی، اس معاملے میں حنا کے لئے داد تھیں کہ بہت سی نئی رائٹرز کو جگہ دے کر ہمارا بھی ذائقہ چھیچ کرتے رہتے ہیں، مکمل ٹاول دونوں کی اچھے لگے، افسانے بھی لا جواب رہے۔

قرۃ العین رائے کی تحریر بہت دلچسپ رہی، شازیہ خان کی "ملاں" بھی پسند آئی، حیات بھاری کی کاوش بھی سبق آموز تھی، کنول ریاض کی تحریر "اتنی سی بات" میں کافی بڑی بات چھپی ہوئی تھی جو ان کی پانچ منٹ کی تحریر نے سمجھا دی، مستقل سلسلے لا جواب رہے "چٹکیاں" ٹاپ آف دی لسٹ رہا، ماں باپ کی طرف سے ایک خط نے اندر تک ہلا دیا بہت بہت بہت زبردست۔

رابعہ اسلم رابی، ہم آپ کو بھولے نہیں ہمیں اپنی نٹ کھٹ رابی بہت اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جیسے ہی آپ کو فرصت ملی آپ اس محفل میں لوٹ آئیں گی، اپنی تحریریں بھجواؤں اس میں اجازت والی کون سی بات ہے جس جلدی سے بھجواؤ ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔
شمینہ بیٹ: لاہور سے ملتی ہیں۔

اس بار حنا اپنے وقت پر مل گیا، ہمیشہ کی طرح سردار سرکی ہاتھیں دل کو چھو گئیں، حمد و نعت سے بہرہ مند ہونے کے بعد پیارے نبی کی پیادری باتوں تک آئی

ابن انشاء کا "اندیشہ شہر کے بغیر" ہمیشہ کی طرح بے مثال لا جواب واہ بہت خوب مزہ آ گیا، انشاجی کے اتنے عمدہ اور اعلیٰ انتخاب کو حنا کے قارئین کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے آپ کا بے حد شکریہ۔

رمضان المبارک کی عبادات اور وظائف

کے لئے نوزیہ جی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں، اس ماہ مقدس میں یوں تو ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق عبادات، نوافل اور وظائف کرنے کی کوشش کرتا ہی ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ بعض اوقات ذہن ساتھ ہی نہیں دیتا کہ کیا پڑھیں اور کیسے پڑھیں، آپ نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ ساری عبادات اور سارے نوافل ایک جگہ جمع کر کے مضمون کی شکل میں شائع کیے ہم جیسے کئی لوگوں کا بھلا ہوا ہو گا انشاء اللہ۔

ایک دن حنا کے ساتھ میں فرخ طاہر قریشی اس بار مہمان تھیں ان کے ساتھ دن گزار کر بہت اچھا لگا۔

"کاسہ دل" میں سندس جہیں تیزی سے

ابھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ۱۴

خداوند ۱۴

دنیا گول ہے ۱۴

آوارہ گرد کی ڈائری ۱۴

ابن بطوطہ کے تعاقب میں ۱۴

چلتے ہو تو چین کو چلے ۱۴

نغمہ نگری پھر اسافر ۱۴

خط انشاجی کے ۱۴

لاہور، اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

ماہنامہ حنا (257) اگست 2014

کہانی کو سمیٹ رہی ہیں، سارے اسرار آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے ہیں، بس اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

کھل ناول اس بار دو تھے اور میں سب سے پہلے بات کروں گی "نقشِ محبت" کی رانہ اعجاز نے محبت کو بہت خوبصورت انداز میں پورٹریٹ کیا، پہلی قسط میں تو محبت خال خال ہی نظر آئی ہر طرف صرف ضد، عناد، نفرت اور دشمنی کے نقش ہی پھیلے ہوئے نظر آئے مگر دوسری قسط میں بالآخر محبت نے میدان مار لیا۔

دوسرا ناول قرۃ العین خرم ہانگی کا تھا "تو نماز عشق ہے" بہت خوبصورت نرم و نازک جذباتوں سے گندمی بہت پر اثر تحریر، عنادل کا کردار بہت مضبوط اور جاندار رہا، دوسرا خوبصورت ترین کردار مشعل کا رہا، حالات کی ٹھوکروں میں پلنے والی معصوم لڑکی جو سچی محبت اور خالص رفاقت کے لئے ترستی رہی مگر یہ نہ جان سکی سچی محبت اور خالص رفاقت تو خود عنادل کی شکل میں ہمیشہ کی نارسائی اور دکھ کو خوشی خوشی گلے لگالیا، صرف اور صرف عنادل کی بیوہ ماں کی خوشی کے لئے، واہ ایسے ہی حساس لوگ امر ہوتے ہیں اور ایسے ہی محبت کرنے والوں کی داستانیں زبان زد عام ہوتی ہیں۔

افسانے اس بار چھ تھے اور سب ہی اچھے رہے "کنول ریاض" کا چھوٹی سی بات اپنے اندر ایک بڑا پیغام لئے ہوئے تھا، ویلڈن کنول آپ کی کاوش بہت اچھی رہی۔

حیا بخاری "احساسِ زباں" کے ساتھ آئیں، احساسِ موضوع پر لکھی گئی چھوٹی سی مگر پر اثر تحریر۔

"ہم بنے رائٹر" قرۃ العین رائے واہ کیا

جگل بندی کی ہے حزرہ آگیا کئی جگہ بے ساختہ ایسی قہقہوں کی صورت لگنی چلی آئی اور کئی جگہ مسکراہٹوں کی کرنوں نے اپنا جلوہ خوب دکھایا بہت حزرہ آیا نئی نویلی رائٹر کے دکھڑے پڑھ کر، قرۃ العین رائے۔

"ادھوری رات کا چاند" خالدہ شاذ کی اچھی اور خوبصورت تحریر، بروکن گیملیز کے بچے عمو اسی طرح نظر انداز ہوتے ہیں جس طرح خوشی ہوتی رہی۔

شاذ یہ خان کا "طال" بھی رشتوں اور رویوں کی تاہم واری پر لکھی گئی ایک اثر انگیز تحریر، شاذ یہ اچھی کوشش کرنے پر آپ کو مبارک۔ "ہبشرہ ناز" کی "دلوں کے کعبے" میں وطن اور زمین سے محبت کا رنگ نمایاں رہا۔

اور اب رہ گئے سلسلے وار ناولز، ام مریم "تم آخری جزیرہ ہو" کو بہت تیزی سے سمیٹ رہی ہیں، اگلی قسط کا ابھی سے انتظار شروع ہو گیا۔

سدرۃ الحسنی کی "اک جہاں اور سے" ابھی اپنے شروعاتی دور سے گزر رہی ہے اس لئے ابھی کچھ راز باقی ہیں، آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ سب گتیاں سمجھتی جائیں گی۔

گفتہ شاہ کی چٹکیاں حسب معمول دل پر چٹکیاں لیتی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں بہت اچھے گفتہ وبری ویلڈن۔

کتاب مگر اور سیمیں کرن اس بار غائب تھیں، ہاتی کے تمام سلسلے حسب معمول بے حد شاندار رہے۔

ثمینہ بٹ حنا کو پسند کرنے کا شکر، ہمیشہ کی طرح آپ کا تبصرہ بہترین رہا آپ کی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں انشاء اللہ جلد شائع ہوگی، حنا کو پسند کرنے کا ایک بار پھر شکر۔

☆☆☆

ماہنامہ حنا (258) اگست 2014

www.parksociety.com



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1